حضرت مولانا

سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سلسلۂ خطباتِ دعوت واصلاح

(جلد چہارم)

علم کی روشنی

مرتب

محمد ارمغان بدایونی ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اول

رجب المرجب ۱۴۳۵ھ - مئی ۲۰۱۴ء

کتاب	:	سلسلۂ خطبات دعوت واصلاح (چہارم) علم کی روشنی
خطیب	:	حضرت مولانا سیّد عبداللہ حسنی ندویؒ
ترتیب وپیشکش	:	محمد ارمغان بدایونی ندوی
صفحات	:	۲۰۸
تعداد	:	ایک ہزار (۱۰۰۰)

باہتمام : محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی

☆ مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ ☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ الجدیدۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

ناشر :

سیّد احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

وزن پیدا کرنے اور باقی رکھنے کے چند طریقے

اچھے کو باوزن رہنا چاہیے ۱۴
وزن ختم ہونے کی علامت ۱۶
استاد ضروری ہے ۱۷
دو چیزیں ضروری ہیں ۱۸
جتنا رسوخ فی العلم ہوگا ویسا ہی وزن ہوگا ۱۹
وزن والی دو چیزیں ہیں ۲۰
صحیح عالم کی رہنمائی ضروری ہے ۲۳
نیٹ چلائیں خود نہ چل جائیں ۲۳
باوزن ہونے کی علامت ۲۴
قرآن سے ربط گہرا کریں ۲۶
وزن کے لیے سچائی بھی ضروری ہے ۲۷
اپنی حیثیت کو پہچانیں ۲۷

موجودہ سماج اور اخلاقی تعلیمات کی ضرورت

احساس زندہ کریں ۳۰
ندارد، نداند کا فرق ۳۱
کن جہلاء سے مسئلہ پوچھا جائے گا؟ ۳۱

اچھی تحریر وتقریر معیار نہیں ہے ۳۲
جیسا دیس ویسا بھیس ۳۳
فائدہ مند معلومات یا علم؟ ۳۴
صفحہ وقرطاس والی چیز نہیں ہے ۳۴
تقوی اور خلق حسن کی اہمیت ۳۵
تعلق مع الناس کے درجات ہیں ۳۵
ہر ایک کا ادب الگ الگ ہے ۳۶
والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہی رہیں ۳۷
درجہ بدرجہ ادب ضروری ہے ۳۸
بعثت کے مقاصد میں سے ۳۸
صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے ۳۹
باادب بانصیب بے ادب بے نصیب ۳۹
جاننے کے ساتھ ماننا ضروری ہے ۴۰
دور اول کا اخلاقی معیار ۴۱
اخلاق دودھاری تلوار ہے ۴۲
اخلاق کو اگر سمجھ لیں ۴۲
ضرورت عمل کی ہے ۴۳
اخلاق یہ ہے ۴۴
ان سنتوں کو اپنانا ضروری ہے ۴۵

علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں

لباس ہی کی لاج رکھ لو ۴۶
تین چیزیں ضروری ہیں ۴۷
کڑھن پیدا ہونا اندر کی سنت ہے ۴۹

ہندوستان میں قابل نمونہ شخصیات ۵۰
عقل کا صحیح استعمال مطلوب ہے ۵۱
حلال وحرام کا بھی امتیاز باقی رکھیں ۵۲

عصر حاضر میں علماء کو علم راسخ کی ضرورت

نمائشی دور سے متاثر نہ ہوں ۵۴
کاغذی سند نے اعتبار ختم کردیا ۵۵
علماء اپنا مقام پہچانیں ۵۶
لومۃ لائم کی پرواہ نہ کریں ۵۷
علم گھٹنے کی علامت ۵۸
نیک صحبت ضروری ہے ۵۸
علم راسخ کی علامت ۵۹

صحیح علم انسانیت کا سبق سکھاتا ہے

حقیقت علم کو جانئے ۶۱
رسوخ فی العلم اس کو کہتے ہیں ۶۲
اگر صحیح علم ہوتا تو یہ حال نہ ہوتا ۶۳
قریب جا کر ہی مسائل حل ہوں گے ۶۴
غلط فہمی کی انتہاء ہوگئی ۶۵
پیغام آگے بڑھاتے رہیں ۶۶

عصر حاضر کے تقاضے اور ہماری ذمہ داریاں

حق کہتے رہیں ۶۸
بزرگوں کو نمونہ بنائیں ۶۸

نورِ علم مطلوب ہے ٦٩
اپنے کو سفید بنائیں ٧٠
تصوف وسلوک میں اجازت کی حقیقت ٧٠
اللہ والوں کی دنیا ہی اور ہے ٧١
اتباعِ سنت اصل ہے ٧٢
کوششوں کا محور غلط ہے ٧٢
اخلاص وتواضع ضروری ہے ٧٢
نیک صحبت کی ضرورت ٧٣

حقیقی طالب علم بننے کی ضرورت

کرسی کا تقاضہ کیا ہے؟ ٧٥
حقیقی طالب علم مطلوب بن جاتا ہے ٧٦
آج اندر کی مایا لٹ چکی ہے ٧٦
اکابر کا اندر جگمگ تھا ٧٧
علم کا چشمہ کب جاری ہوگا؟ ٧٨

نازک حالات میں اپنے مقام سے آشنا ہونے کی ضرورت

اصل جوان کون ہے؟ ٧٩
دنیا طلبی کے لیے علم دین کا سودا جائز نہیں ٨٠
حالات بگڑتے چلے جائیں گے ٨٠
کرنے کے کام ٨١

قرآن دائمی معجزہ ہے

انسانوں کی حفاظت قرآن سے وابستہ ہے ٨٣

ظاہر کی حفاظت ۸۳
قرآن کو ہم نے بند کر کے رکھ دیا ۸۴
باطن کی حفاظت ۸۵
قرآن کریم ایک دائمی معجزہ ہے ۸۵
قرآن ہدایت نامہ ہے........................ ۸۶
قلوب پر تلاوت کا اثر ۸۷

قرآن پاک زندہ بھی زندگی بخش بھی

قرآن پاک نیاز مندی کا طالب ہے ۹۰
متقین کے معنی بھی نیاز مند ہیں ۹۰
یہ تو پاور ہاؤس ہے ۹۱
شیخ الحدیث کی عزت کیوں؟ ۹۱
دوسرا جواب........................ ۹۲
رسول اللہ کے ساتھ ہی قرآن سمجھ میں آتا ہے ۹۲
بارگاہ قرآن میں باادب جائیں........................ ۹۳
بدن بھی پاک ہو اور دل بھی........................ ۹۳
قرآن پاک کے لیے دل خالی ہو ۹۴
حضرت مولانا کا ایک ملفوظ ۹۴
قارئین کو حضرت مولانا کی نصیحت ۹۵
آپ قفل کھولئے خود مقفل نہ بن جائیں ۹۵
قرآن کی چابی کام کب بند کرتی ہے؟ ۹۵
قرآن پاک کا دنیا سے کیا مقابلہ ۹۶
انقلاب قرآن پاک کے صحیح استعمال کا مرہون ہے ۹۶
قرآن پاک عجمیوں کی بھی کتاب ہے ۹۷

قرآن پاک اصلاح کا محتاج نہیں ۹۷
قرآن پاک آواز کو جمال دیتا ہے ۹۷
قرآن کے دو عاشقوں کا تذکرہ ۹۸
قرآنی اوصاف پیدا کرلیں تو ۹۹
قرآن والا بلند ہوتا ہے ۹۹
حضرت مولانا کا اہل برما کو انتباہ ۱۰۰
آپ ہوشیار رہیں ۱۰۰
تاجر تجارت پر دعوت کو مقدم کریں ۱۰۱
ڈبیہ ہلانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا ۱۰۱
عظمت قرآن ۱۰۲
قرآن پاک میں فطری خوبصورتی ہے ۱۰۲
قرآن پاک نے جو کیا صحیح کیا ۱۰۳
تعلیمات قرآنی پر عمل بہار کی ضامن ہے ۱۰۳
ہمیں آسانی سے وید نہ مل سکی ۱۰۳
قرآن پاک ہر جگہ ہے مگر پڑھنے والے نہیں ۱۰۴
قرآن مجید اذہان بدل رہا ہے ۱۰۴
قرآن مجید آپ کی ذاتی کتاب بھی ہے ۱۰۴
قرآن مجید اس زمانہ میں کھلتا جا رہا ہے ۱۰۵
عقائد کی درستگی کے ساتھ درجات ہیں ۱۰۶
عقائد کا زبردست بگاڑ ہے ۱۰۶
عقیدہ آپ اپنا درست رکھئے ۱۰۶

علم اور دین سے صحیح تعلق پیدا کرنے کی ضرورت

ہماری وحدت کا راز ۱۰۸

تعارف تقاتل کے لیے نہ ہو ۱۰۹
اس وحدت کو اگر تقسیم کیا ۱۱۰
دین وعلم ناقص نہ ہو ۱۱۱
جب علم آجاتا ہے ۱۱۱
علم اور معلومات کا فرق ۱۱۲
اول مرحلہ سے علم درجہ بدرجہ فرض ہوتا چلا جاتا ہے ۱۱۳
اصل علم ہے معلومات نہیں ۱۱۴
اعتدال مطلوب ہے ۱۱۴
جب اعتدال مفقود ہو جائے ۱۱۶
اجتماعی شکل محبوب ہے ۱۱۶
اجتماعیت کی بقا کا راز ۱۱۸
اپنے کرنٹ کو کھولیں ۱۱۸
جب درد پیدا ہو جائے ۱۱۹
روح ربانی کا فیض کب ہوتا ہے؟ ۱۲۰
شروع سے اہتمام رکھیں ۱۲۱
روحانی ترقی کا راز ۱۲۲
کڑھن ضروری ہے ۱۲۲
معیار خوب صورتی یا خوب سیرتی؟ ۱۲۳
علم کیا ہے؟ ۱۲۴
تعلق کیسے ہوگا؟ ۱۲۵
جتنی ضرورت ہو اتنا فیس لیں ۱۲۶
جب تعلق آخری درجہ کو پہنچ جائے ۱۲۷
کامیابی تعلق پر موقوف ہے ۱۲۸

جب علم میں رسوخ کے ساتھ کام کریں گے ۱۲۹

علم کا کنکشن ضروری ہے

امت کا مقصد ۱۳۲
روشنی پسندیدہ چیز ہے ۱۳۲
لائٹ کا کنکشن کریں ۱۳۳
جب کنکشن ہو جاتا ہے ۱۳۳
خدا کے یہاں کوئی کمی نہیں ۱۳۴
کنوئیں کا مینڈک کیا جانے؟ ۱۳۵

اسلام کا پیغام

اسلام میں ادھورا نہیں چلتا ۱۳۷
پڑھے لکھے جاہل ۱۳۸
حفاظت قرآن کا غیبی نظام ۱۳۸
صرف پڑھ لینا کافی نہیں ۱۳۹
جام تمہارا ہے ۱۴۰
تاریخ کے ساتھ کھلواڑ ۱۴۱
لیڈنگ پاور پیدا کریں ۱۴۲
سواری اور سوار کا فرق باقی رکھیں ۱۴۲
پُروں سے ہوا کب نکلے گی؟ ۱۴۴

طلبائے مدارس سے چند باتیں

ہم کو مدرسہ میں اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے ۱۴۵
شکر ادا کیجئے ۱۴۸

اپنی دولت کی قدر کیجئے ۱۴۸
اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کریں ۱۵۳

علم اگر مال کے تابع ہے تو جہالت ہے

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ۱۶۰

علم دین پر شکر-شرح صدر کا ضامن

شرح صدر نور ربانی ہے ۱۶۳
علمائے ربانی بنئے ۱۶۵
بڑا عالم چھوٹی چھوٹی سنتوں پر بھی عمل کرتا ہے ۱۶۶
شرح صدر کب ہوگا؟ ۱۶۸
حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا واقعہ ۱۷۱
حضرت سید احمد شہیدؒ کا واقعہ ۱۷۲
خواب کے سلسلہ میں حضرت مولاناؒ کی رائے ۱۷۴

علمی زیور سے اپنے کو آراستہ کریں

علم کا زیور سرمدی ہے ۱۷۹
محبوب رب العالمین کی شان ۱۷۹
آپ کا مقام ۱۸۱
اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھیں ۱۸۲
قرآنی تعلیمات اور ہماری کوتاہی ۱۸۴
سب سے پہلے تسلی کا سامان کس نے کیا؟ ۱۸۵
آپ کا حسن اخلاق ۱۸۸
حضرت عائشہ سے عقد کی حکمت ۱۸۹

نبی ہر اعتبار سے کامل و اکمل ہوتا ہے.. ۱۹۱
تعلیمات نبوی کا نتیجہ ۱۹۲
علم کا تعلق دل سے پیدا کریں.. ۱۹۳
بنیاد کو اندر رکھا جاتا ہے... ۱۹۳
اگر اپنی صلاحیتوں سے واقف ہو جائیں ۱۹۴
صلاحیتوں کو صحیح سے استعمال کریں ۱۹۵
سب سے پہلے عقیدہ درست کریں.. ۱۹۵
جنت نگری کو جہنم نہ بنائیں... ۱۹۶

روح کی پرواز رسوخ فی العلم سے وابستہ ہے

ہر چیز کی ایک کھاد ہے.. ۱۹۸
دل کو بھوننے کی ضرورت ہے.. ۱۹۹
علم اور معلومات کا فرق.. ۲۰۱
ٹھوس علم کی ضرورت اور فائدہ.. ۲۰۲
عقائد کی اصلاح ہر ایک پر واجب ہے... ۲۰۲
باوزن علم بتدریج حاصل کریں ۲۰۳
ظرف اور مظروف کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت.............................. ۲۰۴
علم برگ و بار کب لاتا ہے؟.. ۲۰۵
علم کی اہمیت کو سمجھیں... ۲۰۶
روح کے لیے علم اور جسم کے لیے دودھ ۲۰۷
ادارے Brain Washing کے لیے ہیں ۲۰۸

وزن پیدا کرنے اور باقی رکھنے کے چند طریقے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونستهديه ونسترشده فمن يهديه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ، ونشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ونبينا وشفيعنا وحبيبنا وقرة عيوننا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه وذرياته وأهل بيته وبارک وسلم تسليما كثيرا كثيرا،أمابعد!

میرے بزرگو دوستو اور معہد کے عزیز طلبہ!

ابھی آپ قرآن مجید کی آیات قرآن مجید کے مختلف قصوں سے سن رہے تھے مختلف پڑھنے والے تلاوت کرنے والے جنہوں نے قرآن مجید سے اپنے آپ کو جوڑنے کی کوشش کی ہے ان کے سامنے سنا رہے تھے اور آپ سن رہے تھے سمجھنے والے سمجھ بھی رہے تھے اور جو اس عربی کے مقام پر نہیں پہنچے ہیں ان کو بھی اچھا لگ رہا تھا، اس لیے کہ قرآن مجید جو کہ بہت اچھا ہے اور سب کے لیے ہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، اچھا لگتا ہی ہے ان کو بھی اچھا لگتا ہے، تو اگر آپ یہ چاہتے ہیں، کہ اچھا لگنے کے بعد بہت اچھا لگے تو عربی بن جایئے، تو آپ کو بہت اچھا لگے گا اور مدارس عربی بناتے ہیں، اور جو ان مدارس سے صحیح فائدہ اٹھاتا ہے وہ عجمی نہیں رہتا عربی ہو جاتا ہے، اور اس کا رشتہ قرآن سے ہو جاتا ہے اور ان سب سے بڑھ کر رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے ہو جاتا ہے وہ نبی عربی

ہیں، اور قرآن عربی ہے، بلسان عربی، قرآن مجید میں خود اس کو کہا گیا ہے کہ لسان عربی ہے، اور وہ بھی مبین بہت ہی واضح اور بہت ہی صاف بہت چمکتا دمکتا ہوا، تو بہر حال اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ توفیق دی ہے کہ اس راستہ پر ڈال دیئے گئے، خالی یا نا خالی، اگر آپ محنت کریں گے تو آپ عربی ہو جائیں گے عجمی نہیں رہ جائیں گے ابھی آپ عجمی ہیں، اور حضرت عمر نے وصیت کی تھی کہ عجم نہ رہنا، اور عجمیوں کے عادات واحوال اختیار نہ کرنا، اور ان کا مزاج مت اپنانا، اور ان کے اندر جو باتیں ہیں اس کو مت لینا، بلکہ وہ لینا جو تم کو نبی عربی کے ذریعہ سے دی جارہی ہیں، تو حضرت عمر جن کو اللہ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے آپ ان کی سیرت پڑھیں گے تو آپ کو لطف آجائے گا، اس لیے کہ وہ بھی بہت اچھے تھے اور اچھے کی سیرت پڑھنے کے بعد اچھا بنتا ہے، سارے صحابہ کرام اچھے ہیں، اسی لیے حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس سے جڑ جاؤ گے اچھے ہو جاؤ گے، اور ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی یہ بہت اچھے ہیں یہاں بھی بہت لگ گیا ہے اور سب اچھے ہیں لیکن یہ بہت اچھے ہیں، اصحاب حدیبیہ بہت اچھے ہیں اور جنہوں نے ایمان قبول کیا اور جہاد کیا ہے وہ سب اچھے ہیں اور ان کے بعد جو ہیں وہ اچھے ہیں یہ قرآن نے کہا ہے باقاعدہ کہا گیا ہے کہ وہ تو بہت اچھے ہیں لیکن اس کے بعد والے بھی اچھے ہیں اور اچھوں سے جڑ کر آدمی اچھا ہوتا ہے، جتنا وہ اچھا ہوگا اتنا ہی اس جڑنے سے آدمی اچھا ہوگا۔

اچھے کو باوزن رہنا چاہیے

بہر حال آپ کو اللہ تعالیٰ نے انسان بنایا ہے اور انسان کو اللہ نے اچھا بنایا ہے، اس اعتبار سے کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التین: ۵) أحسن تقویم بہت اچھے ہیں آپ، اور دوسری جگہ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۰) ہم نے عزت بھی دی ہے، بنی آدم کو، تو معلوم ہوا کہ آپ جو ہیں اچھے ہیں اس کے بعد پھر آپ کو اچھا بنا کر باوزن بھی کر دیا خدا

نے، ایک تو اچھا بنایا، یعنی حضرت آدم کا جب پتلا بنایا، تو بڑا اچھا بنایا، لوگوں کی نگاہیں اٹھنے لگیں، یہ کون آیا؟ کہ ہر طرف جن کے چرچے پھیل گئے، اوراس کی اچھائیوں کی تعریفیں کی جارہی ہیں، یہ تو بنانے کے بعد ہی ہو گیا کیونکہ اللہ نے بالکل البیلا اور نہایت ہی اچھوتا اور غیر معمولی حضرت آدم کو بنایا تھا، اس لیے حدیث میں آتا ہے ان الله خلق آدم على صورته،(صحيح مسلم فى باب النهى عن ضرب الوجه)

اس حدیث میں لوگ بہت پریشان ہوتے ہیں، کہ ضمیر کدھر راجع ہے، لیکن ہے اسی طرف، بہت سے مطلب ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ وہ پرتو الٰہی ہیں، اور جمال الٰہی اس کے اندر جھلکتا ہے چمکتا ہے، اور عکس خداوندی کا وہ عکس جمیل ہے، اس لیے وہ سب سے بلند وبالا ہے، سب سے اچھا سب سے نرالا ہے، تو انسان کو اللہ نے بہت اچھا بنایا، اچھا بنانے کے بعد اللہ نے ایک کام اور کیا، وہ کام یہ کیا کہ آپ کے اندر اتنا وزن پیدا کر دیا، کہ ایک طرف ساری مخلوقات اور ایک طرف آپ ایک پلہ میں ہوں تو آپ کا پلہ جھک جائے گا، یعنی بنانے کے بعد آپ کے اندر وزن رکھا، آپ کی قیمت بڑھادی، قدر بڑھادی، اور اس کا مشاہدہ بھی کرادیا وہ کیا؟ یہ کہا سارے فرشتوں کو بلا کر اور ساری مخلوقات کو حکم دے کر کہ یہ میں نے بنایا ہے ان کے آگے جھک جاؤ، سارے فرشتے حضرت آدم کے آگے جھک گئے۔

تو اندازہ لگایئے کہ حضرت آدم کا کتنا وزن بلند ہوگا، قد کتنا اونچا ہوگا، جس کو اردو میں کہتے ہیں قد بڑا اونچا ہو گیا، وہ کتنے بلند ہو گئے بنائے گئے تھے مٹی سے لیکن اللہ نے ان کے اندر اتنا وزن رکھا کہ ساری مخلوقات نوری مخلوقات ناری مخلوقات سب ان کے آگے جھکادی گئیں، تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ نے ان کو باوزن کیا ہے، اور یہ سب قرآن میں ہے کوئی میرا کلام نہیں ہے، اس کے بعد لفظ استعمال ہوا ہے قرآن میں أيها الثقلان، اے بھاری بھر کم لوگوں یعنی اللہ میاں نے اچھا بنایا پھر آپ کو بھاری بنایا، اور اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ وزن کو کم نہ کرنا، اور اپنے چہرہ کو داغ دار نہ کرنا، اگر تم نے

اپنے چہرہ کو داغ دار کیا، تو تمہارا اچھا ہونا ختم ہو جائے گا، اور اگر تم نے اپنے Weight کو کم کیا تو ہلکے ہو جاؤ گے، دونوں کا حکم دیا گیا نہ Weight کم ہو اور آپ بھاری بھر کم رہیں، اور نہ آپ کا حسن و جمال کم ہو، کہ آپ داغ دار نظر آئیں، اور اجازت دے دی، کہ اب چاہے تو Weight کو رکھو، اور چاہے گھٹاؤ، یہ تمہاری ذمہ داری ہے، بنا ہم نے اچھا دیا ہے، اور تمہارے حوالہ کر دیا ہے، اور دونوں چیزیں بتا دیں ہیں، کہ اس سے Weight کم ہوگا اور کس سے باقی رہے گا، کس سے تم اچھے ہو گے کس سے تم برے ہو جاؤ گے، تو اس کا تو پورا نظام چلایا، پورا نظام حضرت آدم سے لے کر اب تک چل رہا ہے، لیکن اصل میں رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کو جب اللہ نے بھیجا تو اس وقت پیمانہ بہت اہم امت کو دے دیا گیا، کہ اپنے Weight کو باقی رکھنے کے لیے ان کو کیا کرنا ہے؟ تو کہا دو Weight ہم تم کو دے کر جا رہے ہیں، جو ان سے اپنے آپ کو جوڑے گا وہ باوزن ہو جائے گا یعنی اپنے ساتھ آپ پانچ کلو کا باٹ رکھ لیں تو ظاہر ہے کہ پانچ کلو ایک دم سے آپ کے پلہ میں آ جائے گا، اور جھک جائے گا، آپ کا پلہ۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو چیزیں نبی سے دلوا رہا ہوں، اگر ان کے ساتھ تم نے وابستگی اختیار کر لی، تو تم Weight والے ہو جاؤ گے، دماغ بلند رکھنے والے ہو جاؤ گے، ہر شخص تمہاری عزت کرے گا، ہر شخص تمہارا خیال رکھے گا، حکومت کی نظر میں بھی تم اہم ہو گے، عوام کی نظر میں بھی تم اہم ہو گے، اپنی نظر میں بھی تم اچھے ہو گے، کہ ہم اچھے ہیں، گھر والے جیسے کہتے ہیں کہ اچھے بچے ہو اور وہاں بیٹھے ہوئے ہو، (غلط جگہ) ارے مدرسے میں معہد میں پڑھنے والے غلط جگہ نظر آئیں گے؟ اچھے بچے غلط جگہ نہیں جاتے، ورنہ وہ برے ہو جاتے ہیں یہ کہا جاتا ہے، اسی طرح اللہ میاں نے بھی کہا کہ اچھے رہو اور باوزن رہو، اور اس وقت ہو کیا رہا ہے؟

وزن ختم ہونے کی علامت

اس وقت پوری امت ہلکی ہو گئی ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو جتنا وابستہ اس

سے رکھنا چاہیے تھا نہیں رکھا، تو ہلکی ہوتی چلی جارہی ہے، یہ امت، یہاں تک کہ اتنی ہلکی ہوگئی، جیسے پانی کا جھاگ جس کو حدیث میں کہا گیا ہے غثاء کغثاء السیل، جیسے پانی پر جھاگ آجاتا ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، جیسے ہی پانی کا بہاؤ آیا، اور پھینا غائب ہوا، اور ایک زور کا ریلا آیا اور پھینا غائب ہوا، وہ اوپر ہی رہتا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، اور جو آدمی کمزور ہوجاتا ہے اس کا وزن کم ہوجاتا ہے ایک گھنٹہ میں لڑھک جاتا ہے، جب ویٹ والا مضبوط آدمی ہوتا ہے تو آدمی ڈھنگ کا دیکھ کر ذرا ہوشیار رہتا ہے ایسا نہ ہو کہ آپ نے سنا ہوگا نعرہ لگتا تھا پہلے

جو ہم سے ٹکرائے گا، چور چور ہوجائے گا

یہ بہت نعرہ لگتا تھا یعنی دھکا دینا تو بہت دور کی بات ہے

جب دینے دھکا آئے گا خود ہی لڑھک کر جائے گا

اتنا باوزن ہونا چاہیے آدمی کو، اگر امت اتنی باوزن ہوتی تو یہ امریکہ اور روس کی کیا حیثیت ہے؟ کچھ نہیں، اگر یہ دھکا دینے آتے تو خود ہی گڑھے میں گر جاتے، لیکن اب بے وزن ہوکر رہ گئے، کوئی ادھر سے ٹیپ مار رہا ہے، کوئی ادھر سے مار رہا ہے، آپ کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، جیسے درجے میں جب بے چاروں کی عقل کم ہوتی ہے کوئی ادھر سے ٹیپ مارتا ہے تو کوئی ادھر سے، تو اس طرح چکراتا رہتا ہے پوری امت آج کل ایسی ہی ہے، کہ ایک نے ادھر سے ٹیپ ماری دوڑ رہے ہیں ادھر سے ماری پھر دوڑے، سب قوم اسی میں لگی ہوئی ہے، اور وزن نہیں ہے، تو اس طرح سے ایک ادھر سے ٹیپ اور ایک ادھر سے ٹیپ، وزن پیدا کیجیے، تو کسی کی ہمت ہی نہیں ہے، جو ہم سے ٹکرائے گا چور چور ہوجائے گا، پھر یہی نعرہ لگے گا، لیکن وزن پیدا کرنے کے لیے کچھ کرنا پڑتا ہے۔

استاد ضروری ہے

قرآن مجید آپ نے یاد کیا کیسے کرنا پڑا جو لوگ قرآن مجید استاد کے پاس بیٹھ کر

یاد کرتے ہیں، تو یاد اچھا ہوتا ہے حافظہ اچھا ہوتا ہے یہ قرآن کی برکت ہے یہ نہیں سمجھنا چاہیے اپنے حافظہ سے ہم یاد کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت ہے برکت ہے جس کی وجہ سے آج کل تھوڑا بہت بھی اگر ہے محنت کرتا ہے تو اللہ میاں یاد کروادیتے ہیں، مگر استاد ضروری ہے اور اگر کوئی خود سے یاد کرلے، تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ غلط یاد کرلیتا ہے، لیکن جس کو یاد رہتا ہے، وہ ٹوک دیتا ہے، قرآن مجید میں مشتبہات بہت ہیں، ایک صاحب مجھے سنانے لگے میں بھی حافظ نہیں میں نے قرآن مجید کھول لیا اب کھولا تو کئی جگہ ان کی غلطیاں نظر آئیں، میں نے کہا ان کو صحیح کرلیجئے، اس لیے کہ بغیر استاد کے یاد کیا تو غلط یاد ہوتا ہے، اور جب غلط یاد ہوجائے گا، تو وزن کم ہوجائے گا، اب جس کو جتنا اچھا یاد ہوگا اتنا ہی باوزن ہے وہ۔

دو چیزیں ضروری ہیں

لیکن وزن کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک تو یہ کہ قرآن مجید سے تعلق ہو برابر پڑھے، اور پھر یاد کرائے، اس طرح آہستہ آہستہ آدمی آگے بڑھتا چلا جائے گا، تو اس کے اندر وزن پیدا ہوجاتا ہے، گویا کہ قرآن مجید کے ظاہر کو یاد کرنے کی وجہ سے ظاہری طور پر ایک وزن پیدا ہوجاتا ہے، ہمارے ہندوستان میں تو حافظ ہی چونکہ سند ہے، تو حافظ جی کو بہت بڑا سمجھتے ہیں، اگر کوئی حافظ چلا جاتا ہے تو اس کو سارے عوام کہیں گے حافظ جی آگئے، بڑی قدر کرتے ہیں اس کی، پورا قرآن مجید یاد ہو پھر سنائے تراویح میں تو دیکھئے ماشاءاللہ اور بہت سے ہمارے حافظ جو ہیں وہ بے چارے جانتے بھی نہیں ان نعمتوں کے چکر میں پڑجاتے ہیں، جو اصلی نعمت اللہ نے انسان کو دی ہے اس کو بھول جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ بڑی نعمت کو جو بھول جائے گا تو اس کا نقصان ہوگا، بڑی نعمت کو نہیں بھولنا چاہیے، تو قرآن مجید کو یاد کرتے رہیے، اسی طرح، اب اگر قرآن مجید کو کوئی شخص سمجھے اور جس طرح آپ نے ایک ایک آیت یاد کی ہے، اور قرآن

مجید کے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے ایسے ہی اگر ہمارے علماء وہ ابھی سے محنت کریں اور کوشش کریں تو یہاں سے فارغ ہونے کے بعد خود وزن ان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔

جتنا رسوخ فی العلم ہوگا ویسا ہی وزن ہوگا

وزن کیسے پیدا ہوگا؟ جیسے ابھی حافظ جی پوچھ رہے تھے یہ پڑھو، یہ پڑھو، تو جس کو اچھا یاد ہے، پڑھ دیتا ہے وہ، ایسے ہی جب حکومت کی طرف سے اور عوام کی طرف سے مختلف ذمہ داروں کی طرف سے کوئی مسئلہ آئے گا اور اگر اچھا عالم ہے تو اسی طرح بتادے گا، جس طرح یہ آیت پڑھ رہے ہیں، اگر اچھا یاد ہے قرآن مجید، تو چٹکیوں میں مسئلہ حل کردے گا، اگر اچھا عالم ہے، صحابہ کرام میں جو جتنے بلند صحابہ کرام تھے، حضرت علی کو جو کہا جاتا ہے أقوام علی، علی جو ہیں وہ فیصلہ کرنے میں اتنے ماہر ہیں کہ ان کے برابر کوئی نہیں، اور مسئلوں کو حل کرنے میں اور پیچیدگیوں کو حل کرنے میں ان کا کوئی جواب نہیں، اسی وجہ سے ان کا نام لوگوں نے رکھ دیا مشکل کشا، حضرت علی کو مشکل کشا سمجھ لیا، مطلب ہے اس کا یعنی مشکل مسئلوں کو حل کرنے والا، یہ مطلب اصلاً تھا لیکن ان بے وقوفوں نے یہ سمجھ لیا کہ کوئی مصیبت میں پھنس جائے تب کہو، یہ تو اور مصیبت ہے، تو مشکل کشا کو انہوں نے اور مشکل اور پیچیدہ کردیا، اس وجہ سے اب مشکل کشا کوئی نہیں کہتا، ورنہ پرانی کتابوں میں مل جاتا ہے کہ علی مشکل کشا، اس کا مطلب وہی ہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں یعنی مشکل مسئلوں کو حل کرنے والا، حضرت علی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے والے، حضرت علی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ آجائے چٹکیوں میں حل کردیتے تھے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، اور اس کے بعد دیگر صحابہ کرام سب ان سے مسئلہ پوچھتے تھے، اور مسئلہ پیش آنے پر حضرت علی بلائے جاتے تھے یہاں تک کہ حضرت معاویہ کو بھی ایک مسئلہ پیش آیا تو انہوں نے کہا علی کو بلاؤ کوئی نہیں بتا پائے گا، جاؤ علی سے پوچھ کر آؤ، تو جیسے ہی وہ علی کے پاس آئے انہوں نے دو منٹ میں بتادیا، اسی وجہ سے حضرت علی کا بہت وزن تھا، حضرت ابوبکر

،حضرت عمر سب ان کی عزت کرتے تھے اور سب ان کا خیال رکھتے تھے اسی وزن کی وجہ سے، تو اگر کوئی شخص اس مسئلہ کو حل کرتا چلا جائے گا، یعنی اپنے اندر رہنا چاہتا ہے، وزن پیدا کرے، تو اب اسے محنت کرنی پڑے گی، قرآن مجید کی ایک ایک آیت کو اچھی طرح سمجھنے پر صرف پر، نحو پر، بلاغت پر، جب قرآن مجید سے تعلق ہو جائے گا، وہ پھر ایسا عالم ہوگا کہ کوئی مسئلہ اس کے سامنے آجائے منٹوں میں بیان کردے گا۔

ہمارے حضرت مولانا وغیرہ جو تھے جب تک وہ زندہ رہے ایک جملہ کہہ دیتے تھے تو اس جملہ کا اتنا وزن ہوتا تھا کہ وزن والے آدمی کا جملہ بھی باوزن ہو جاتا ہے، اور اس کے منہ سے جب جملہ نکلتا ہے تو ظاہر ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں بیٹھ جاتی ہیں، اور بڑے بڑے مجمع بیٹھ جاتے ہیں، وہ سب نظارے میں نے حضرت مولانا کے پاس دیکھے ہیں، ایسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں، حکومت بھی آئی، یہاں ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا یوپی کی حکومت اور اس نے ایک بات ایسی کہہ دی تھی کہ مولانا نے اس پر صرف ایک جملہ کہا پھر وزیر کو استعفیٰ دینا پڑا، حکومت کو معافی مانگنی پڑی، اور یہاں سب مجمع ہو کر بھیڑ جا رہی ہے، زندہ باد مردہ باد، یہاں دھرنا وہاں دھرنا، ہو کچھ نہیں رہا ہے، تو وزن پیدا کریں تو یہ سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔

وزن والی دو چیزیں ہیں

لیکن وزن پیدا ہو کیسے؟ ہم لوگ اس پر عمل کرتے نہیں، تو وزن پیدا کیسے ہو، حدیث میں ہے کہ تركت فيكم الثقلين (السنن الكبرى للنسائي) حدیث میں آتا ہے کہ دو میں نے وزن والی چیزیں چھوڑ دی ہیں، جو ان سے وابستہ ہو جائے گا تو اس میں وزن پیدا ہو جائے گا، ایک تو ہے کتاب اللہ، اللہ کی کتاب بھی قرآن باوزن ہے، تو ایک تو اس کا تعلق یہ ہوا، کہ یاد کر لیا، اور دوسرا تعلق جو میں بتا رہا ہوں، اور پھر قرآن مجید کو ایسا اچھی طرح سمجھنا کہ جو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے سمجھایا ہے آپ کے سمجھانے کے مطابق ہی پڑھنا، یعنی قرآن اور حدیث جب ہو تو پہلی بات آپ نے فرمائی کہ کتاب اللہ اللہ کی کتاب ہے، یعنی یہ

اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کیونکہ جب کلمہ کہا جائے گا تو کلمہ کا مطلب ہوتا ہے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، دونوں باتیں ہیں، صرف لا الہ الا اللہ اگر کوئی کہتا ہے دونوں باتیں نہیں کہتا تو وہ مسلمان نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی اللہ کی کتاب کو اپنے سامنے رکھتا ہے لیکن رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کو نہیں لیتا تو وہ منکر ہے کافر ہے، وہ مسلمان نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن مجید اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام دونوں یکجا ہیں، جس طرح لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، الگ نہیں ہوسکتا، ویسے ہی قرآن اور حدیث الگ نہیں ہوسکتے، دونوں اس میں شامل ہیں، یعنی دونوں کے اندر ثقل ہے، کتاب اللہ اصل ہے، اور اسی کی شرح وبیان ہے رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے اقوال وافعال واعمال جس کو حدیث کہتے ہیں، سنت کہتے ہیں، اور عملی طور پر جس کو اسوۂ حسنہ بھی کہتے ہیں، قرآن مجید میں اس کو بیان کیا گیا ہے اور دوسری چیز آپ نے بیان فرمائی ہے اس میں ہمارے، بہت سے لوگ پریشان ہوتے ہیں، جس میں أهل بيتي کہا گیا ہے، کہ میرے گھر والے یہ بھاری بھرکم چیز جس کو آپ نے چھوڑا ہے تو یہاں پر یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل قرآن اور اہل حدیث، یعنی جو قرآن والے ہیں، اور حدیث والے ہیں عملی پیکر ہیں، ان سے استفادہ ہونا چاہیے، ایک تو قرآن سے جڑ جائے اور دوسرے اہل قرآن سے، یعنی قرآن والوں سے، ان اہل قرآن سے نہیں، جو اس طرح کے اہل اپنے آپ کو لکھتے ہیں اس سے پہلے نا محذوف ہے، یہ آپ سمجھ لیجئے اگر اس کو آپ سمجھ لیں گے تو مسئلہ حل ہوجائے گا اسی لیے میں نے کہا قرآن والے اور حدیث والے، جو قرآن اور حدیث کا عملی پیکر ہیں، ایک تو قرآن کو قرآن کی آیات سے سمجھیں اور دوسرے قرآن کو اور حدیث کو رجال اللہ سے سمجھیں، یعنی اللہ کے وہ بندے جنہوں نے قرآن کو سمجھا ہے اور پھر اس پر عمل کیا ہے، کیونکہ قرآن کو خالص دیکھ کر بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آئیں گی، جب تک اس کا عملی پیکر اس کے سامنے نہ ہو، اور عملی طور پر اس پر عمل کرنے والا نہ ہو، اس لیے یہاں جو کہا اھـل کا لفظ بڑا اہم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر والا وہی ہوتا ہے جو قرآن وحدیث پر عمل

کرنے والا ہوتا ہے، اور اگر اس پر عمل کرنے والا نہیں ہے، تو وہ گھر والا ہی نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے یہ بھی حضرت نوح نے کہا تھا انہ من اھلی، تو اللہ میاں نے کہا انہ عمل غیر صالح، حضرت نوح نے اپنے بیٹے کے بارے میں کہا کہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے آپ نے کہا نہیں، اللہ کا حکم آیا ہے کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے، یہ نکل گیا، نا اہل ہے یہ، کیونکہ اس کے عمل برے ہیں، تو اگر گھر والوں کے عمل برے ہیں تو گھر والوں سے باہر ہو گئے، اور اگر کوئی باہر والا عمل کرتا ہے وہ گھر والوں میں آ گیا، اسی لیے حضرت سلمان سے کہا تھا انہ من اھل البیت، سلمان من اھل البیت، سلمان میرے گھر والوں میں ہے، ظاہر ہے کہ سلمان کو شامل کرنے کا مطلب تو خود بخود یہ ہو گیا کہ ابو بکر بھی ہیں عمر بھی ہیں عثمان بھی ہیں، وہ تو ہیں ہی ہیں، دو خسر ہیں رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے اور دو داماد ہیں۔

لیکن اصلا جو ہیں گھر والوں سے مراد وہ ہیں جو اہل ہیں، اور تعلق رکھتے ہیں قرآن سے، عمل کرتے ہیں قرآن پر، اور حدیث سے تعلق رکھتے ہیں اور حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اگر گھر کا آدمی یہ کرے تو کوئی بات ہی نہیں کہ اگر گھر کا آدمی اس پر عمل پیرا ہو جائے تو گھر والے کو وہ مل جاتا ہے جو دوسروں کو نہیں ملا کرتا، اتنی بات ہے، کہتے ہیں نا کہ قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے، مطلب کیا ہے اس کا کہ جو قاضی ہوتا ہے وہ ہر وقت مسئلے بتاتا ہے تو اس کے گھر کے بچے بھی بہت سے مسئلے جانتے ہیں جیسے ڈاکٹر کا بیٹا ہو تو ہر وقت جب ڈاکٹر کی دوائیں سنے گا تو آدھا ڈاکٹر تو ہو جاتا ہے، تو ایسے ہی جب گھر والوں میں سے کوئی ہو جاتا ہے، تو جلدی ترقی کرتا ہے، آپ نے غالبا اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر گھر کا آدمی اس مقام پر ہو تو کیا کہنے نور علی نور، چونکہ اس کو جذباتی لگاؤ بھی ہوتا ہے، اور اندر سے تعلق بھی زیادہ ہوتا ہے دوسروں کے مقابلہ میں، تو وہ جتنی ترقی کرے گا اور وہ جتنی محنت کرے گا اور اس سلسلہ میں وہ جتنی تگ و دو کرے گا اتنی کوئی نہیں کر سکتا، مگر اس میں جو اہم ترین بات ہے جو اکثر ہمارے ذہنوں سے رہ جاتی ہے وہ یہی ہے کہ ایک تو قرآن مجید سے تعلق ہو اور حدیث پاک سے تعلق ہو، دوسرے جو حدیث اور قرآن کا عملی پیکر ہو، اس سے بھی تعلق لازمی ہے۔

صحیح عالم کی رہنمائی ضروری ہے

آج کل تو میں سمجھتا ہوں یہ فرض ہے، اس لیے کہ اگر تنہا قرآن مجید جیسے میں نے کہا غلط یاد ہو جاتا ہے، اگر آدمی خود یاد کرلے، تو غلط یاد ہو جاتا ہے ایسے ہی جو لوگ خود سے مطالعہ کر کے مولوی بن جاتے ہیں، وہ اکثر بہک جاتے ہیں، اور صحیح رہنمائی کے بجائے غلط رہنمائی کرتے ہیں، جتنے ایسے لوگ ہیں اس وقت سب غلط راستہ پر مبتلا ہیں، اور فتنہ کو پھیلا رہے ہیں، پڑھے لکھے تو بہت ہیں یعنی قرآن مجید کے معانی کو سمجھنے کے لیے بڑے صحیح ہیں، اور حدیث پاک کو بھی کہتے ہیں کہ میں بہت سمجھتا ہوں لیکن سمجھنے سے تنہا کیا ہوتا ہے؟ جب عملی طور پر ان کو کیسے ڈھالا جائے اور ان کا پیکر ہائے محسوس کیسے بنا جائے، جب یہی آپ نہیں کر پا رہے ہیں، تو آپ کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟ تو وزن اگر آپ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ان دو باتوں سے آپ کا رشتہ ہونا چاہیے، ایک تو قرآن پاک سے اور دوسرا حدیث پاک سے، اس سے جتنا تعلق زیادہ ہوگا اتنا ہی Weight زیادہ ہوگا، چونکہ ان دونوں کو ثقل کہا گیا ہے، تو جتنا آپ کا تعلق زبان سے ہوگا اتنا ہی آپ کا Weight زیادہ ہوگا جتنا علمائے حقانی و ربانی اور اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والوں سے رابطہ کریں گے اتنا ہی Weight زیادہ ہوگا، اور آپ بہت جلدی سے بات سمجھ لیں گے اور وہاں تک پہنچ جائیں گے۔

نیٹ چلائیں خود نہ چل جائیں

چونکہ آج کل نہ جانے کون کون سے نیٹ چل گئے ہیں تو اکثر لوگ اس میں بھٹکتے رہتے ہیں انٹرنیٹ پر اتنے بہک رہے ہیں جیسے انٹرنیٹ چل رہا ہے ویسے ہی ان کا دماغ بھی چل رہا ہے، اس لیے اس کے اندر سب بھرے ہوئے ہیں اب پتہ نہیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط؟ یہ کہا جائے آدمی جب تک خاموش رہتا ہے محفوظ رہتا ہے تو محفوظ ہے جب بولتا ہے تب پتہ چلتا ہے، تو اگر آپ باوزن ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ دونوں کام کرنا پڑیں گے۔

باوزن ہونے کی علامت

پھر باوزن ہونے کی بہت سی باتیں ہیں، یہاں اتنی لمبی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ان میں سے ایک یہ ہے جیسے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ عالم ہوں اور باوزن ہوں تو علم میں رسوخ پیدا کیجئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِيُ الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُواْ الأَلْبَاب﴾ (آل عمران: ۷) تو اب یہاں کئی باتیں کہہ دیں قرآن مجید تو ظاہر ہے قرآن ہے تو اگر آپ علم میں رسوخ اور تعمق پیدا کریں گے گہرائی پیدا کریں گے تب آپ کے اندر Weight پیدا ہوگا اور اس کی علامت کیا ہے؟ علامت بھی اللہ میاں بتاتے جاتے ہیں، اگر آدمی غور کرے ہر چیز کو سمجھنے کے لیے ایک علامت ہے، یہاں تک کہ حضرت زکریا نے جب کہا تھا ہمارے بچہ ہو اور اللہ سے دعا کی تھی، اے اللہ ہم تو بوڑھے ہیں اور اولاد نہیں ہے، تو آپ کچھ عنایت فرمادیں، تو اللہ نے دعا قبول کرلی اور کہا اولاد ہوگی، تو انہوں نے کہا کوئی نشانی بتادیجئے، تو انہوں نے کہا تین دن بول نہیں سکتے، تو نشانی بتائی ہر چیز کی نشانی ہوتی ہے، اور نشانی بہت اہم چیز ہے اس کو لوگ سمجھتے نہیں ہیں اور یہ بھی پورا موضوع ہے، کہ کس چیز کی نشانی کیا ہے؟ اور جیسے پرنٹ وغیرہ کے نشان ہوتے ہیں ایسے ہی یہ نشانیاں بھی ہیں ایسے ہی رسوخ فی العلم کی بھی نشانی ہے، اس کی نشانی یہ ہے کہ کبھی اللہ کے کلام میں رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی حدیثوں میں تردد پیش نہ آئے، اگر تردد پیش آئے تو آپ راسخ فی العلم نہیں ہیں، اسی لیے دیکھئے حضرت ابوبکر سے بڑا راسخ فی العلم کوئی پیدا نہیں ہوا، بہت عجیب وغریب آدمی ہیں ابوبکر، ان کو کبھی تردد پیش نہیں آیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی ہوں حضرت ابوبکر وہیں بیٹھے ہوئے تھے تو فوراً کہا بالکل نبی ہیں تردد نہیں ہوا، اور اس کے بعد جب حدیبیہ کا مسئلہ پیش آیا اور حضرت عمر تشریف لائے اور یہ ذہن میں سب کے بیٹھا ہوا تھا کہ اس وقت جانا ہی جانا ہے مکہ میں، داخل ہونا ہی ہونا ہے، لتدخلن المسجد الحرام، تم

ضرور بالضرور جاؤ گے حرم میں، تو حضرت عمر نے آ کر عرض کیا کہ کیا بات ہے کیوں روک دیئے گئے؟ حضرت ابو بکر کو یہاں بھی تردد نہیں ہوا، کہا ابھی نہیں جانے کے لیے کہا ہے جب بھی ممکن ہو، تب جانا مراد ہے، اسی طرح جب رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا وصال ہوا آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت سب پر حیرت تھی، سب پر عجیب کیفیت طاری تھی اور علم راسخ جو ہوتا ہے وہ اس سمندر میں غرق نہیں ہوتا کہ اس کی زبان وعمل سے کچھ ادھر کا ادھر ہو جائے ایسا نہیں وہاں پر بھی سارے صحابہ کرام پریشان تھے تو حضرت ابو بکر جب آئے تو انہوں نے کہا کیا بات ہے؟ فرمایا ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ﴾ (الزمر: ۳۰) قرآن کہہ رہا ہے ﴿أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ (آل عمران: ۱٤٤) تو اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم عطا فرمایا کہ حضرت کا انتقال ہو گیا اس میں ایسی کیا بات ہے۔

تو آپ دیکھئے علم تو ان کا اس قدر غم زدہ تھا حضرت ابو بکر کا، کہ اگر چہ روایت ضعیف بھی کہی جاتی ہے بہت زیادہ، لیکن ہمارے اکابر نے نقل کی ہے کہ غم سے ان کا کلیجہ جل گیا تھا حضرت ابو بکر کا، یہاں تک کہ ان کے منہ سے جلے ہوئے گوشت کی بو آنے لگی تھی اس قدر برداشت کیا، غم انہوں نے، لیکن قدم نہیں پھسلے، اور کوئی بات زبان سے ایسی نہیں نکلتی، جو ہٹی ہو، تو ظاہر ہے کہ ابو بکر ہیں، ان کو تو مثال کے اوپر کہہ دیا گیا کہ ان کا مقام ہر چیز میں بلند ہے، نبی کے بعد ابو بکر ہیں، اور اس کے بعد پھر اور ہیں، ابو بکر تو بہت بلند ہیں، وہ افضل البشر ہیں، بعد الأنبياء بالتحقيق، یعنی سارے انبیاء کے بعد اگر کسی کا نمبر آتا ہے تو ابو بکر کا آتا ہے، اس کے بعد پھر کسی اور کا، تو بتانا یہ ہے کہ اس کو تردد پیش نہیں آتا۔

ہمارے حضرت مولانا جو تھے اسی وجہ ان کو کوئی تردد نہیں آتا تھا، کوئی بڑے سے بڑے حملے ہو رہے ہیں یورپ والے کہہ رہے ہیں بہت سے کہ ان کی کشتی میں قلم ڈانواڈول، اس قدر پریشان۔

اس کی ایک آدھ مثال دے دوں ایک بڑے لکھنے والے ہیں حضرت موسیٰ کی لاٹھی ہے قرآن مجید میں آیا ہے کہ لاٹھی جو تھی وہ سانپوں کو نگل جاتی تھی بڑی بڑی لاٹھیاں ڈالیں لوگوں نے وہ سب غائب، اور سب کو یہ لاٹھی نگل گئی تو اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، لیکن اس میں تردد ہوتا ہے لوگوں کو پریشان رہتے ہیں، انہوں نے لکھا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی لٹھیا میں دو سوراخ تھے ادھر سے نکلتی جاتی تھی اور ادھر سے نکلتی جاتی تھی، ارے بھائی اس کی کیا ضرورت ہے؟ اسی لیے میں یہ کہہ رہا ہوں راسخ فی العلم کہیں پریشان نہیں رہتا حالات کتنے ہی ناگفتہ بہ ہوں، وہ گھبراتا نہیں ہے، کیونکہ اس کے ہاتھ میں ٹارچ ہوتی ہے، قرآن وحدیث کی، اور اس کے اندر چارج بھی ہوتی ہے، اب دوسروں کی ٹارچ تو ہوتی ہے لیکن چارج ختم ہوگیا تو کہاں سے جلے گی؟ اور یہ لوگ راسخ والے مسلسل چارج کرتے رہتے ہیں، جیسے ہی بجلی آئی فوراً لگا دیا، تو اب ان کو خوشی ملتی رہتی ہے، اندھیرے میں جہاں گئے اور انہوں نے جلالی، سیدھے چلے جارہے ہیں، تو ایسا ہوتا ہے، تو جس کے پاس قرآن وحدیث کی ٹارچ ہوتی ہے وہ گھبراتا نہیں ہے اطمینان سے چلا جاتا ہے، لیکن اس کے لیے وزن پیدا کرنا پڑے گا۔

قرآن سے ربط گہرا کریں

جو میں عرض کر رہا ہوں یہ بہت اہم بات ہے اس کو سمجھئے، اور قرآن مجید سے تعلق پیدا کیجئے لیکن ظاہر ہے کہ قرآن کے لیے بھی پہلے عربیت ہے، اور اس کے بعد جو اس کے متعلقہ علوم ہیں جتنے اس میں ماہر ہوجائیں گے، آپ پہلے تو اس میں ماہر ہوجائیے اور صحیح علماء سے جاکر سمجھئے اساتذہ اگر صحیح ہیں تو صحیح ورنہ گڑبڑ کردیں گے وہ بھی، اس لیے ان کو بھی چارج کرنا پڑے گا، یہ تو برابر سیل بدلنے پڑتے ہیں، جب کمزور ہوجاتے ہیں، اور اگر چارج کررہے ہیں، بجلی سے تو اس کو بھی بار بار کرنا پڑتا ہے، ایسا نہیں ہے ایک دفعہ میں سب ہوجائے، وقت تو لمبا ہوسکتا ہے یہ تین دن چلے یہ پانچ دن چلے گا، لیکن چارج تو کرنا ہی پڑے گا پھر اس کے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں وہ طاقت پیدا ہوتی ہے۔

وزن کے لیے سچائی بھی ضروری ہے

اسی لیے ہمارے حضرت مولانا کتنے بڑے تھے دنیا مانتی تھی لیکن اس کے باوجود میں جانتا ہوں کہ اپنے بڑوں سے اخیر تک مشورہ کرتے رہے اپنا بڑا بنائے رکھے ہوئے تھے بعض لوگوں کو، اور جب وہ بڑے نہیں رہے تو اپنے چھوٹوں سے بھی جو علم میں بڑے تھے، مشورہ کرتے تھے تو آپ اندازہ لگائیے، کہ یہ بڑے وزن والے جو ہوتے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ وزن کیسے باقی رہے گا؟ وہ اس کے لیے یہ کام بھی برابر کرتے رہتے ہیں اور آج کل چونکہ پوری قوم بے وزن ہے تو بے وزن ہی کام کر رہی ہے، اور وزن کیسے پیدا ہوتا ہے، اصلا تو یہ ہے، اور ایک تو مثال کے طور پر بتائے دیتا ہوں، چونکہ وزن جو ہے وہ سچائی سے پیدا ہوتا ہے سارے اچھے محاسن جتنے ہیں اچھے اخلاق، اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے کہ میزان میں سب سے زیادہ باوزن حسن اخلاق ہے، اخلاق وزن دار ہے تو اس میں سب سے بڑا خلق کیا ہے زبان کا سچا، جو سچا ہوتا ہے اس کو تردد نہیں ہوتا ہے باوزن ہے نا، زبان سے یہ کہہ دیا اب ڈر کی بات ہے کہ میں ڈر جاؤں میں چل رہا ہوں اپنے بل بوتے پر چل رہا ہوں، اور جھوٹا ہمیشہ گھبراتا رہتا ہے اور وہ بے وزن رہتا ہے، تو جھوٹا جو ہے جب پکڑا جائے گا تو وہ تھرّائے گا اور ادھر ادھر گھومے گا، تو اس لیے ہمیشہ جھوٹ کو اپنے سے دور رکھئے جھوٹ اُم المرض ہے، حدیث میں بھی آتا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کون سی برائی چھوڑیں؟ آپ نے کہا جھوٹ مت بولو، اس لیے کہ اگر جھوٹ ہی بولنے کے عادی ہو گئے تو ہر چیز کر لوگے اور جھوٹ بول لوگے، تو اس لیے جھوٹ اُم الأمراض ہے، حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اچھے فرشتے اس سے دور بھاگتے ہیں گویا کہ اس میں بدبو ہوتی ہے۔

اپنی حیثیت کو پہچانیں

میرے بھائیو اور دوستو! یہ فکر کریں کہ آپ کو وزن دار ہونا ہے، اپنی قیمت کو

پہچانئے، قدر کو پہچانئے، اور اس کو باوزن کیجئے، یہ تو اللہ میاں نے پہلے ہی کر دیا ہے جیسے میں نے کہا کہ اللہ میاں نے آپ کو ثقلان کہا ہے تو اس کے Weight کو بڑھانے کے لیے آپ کو مسجود الملائکہ بنادیا، اور اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آپ کسی بھی مخلوق کے سامنے سر نہ جھکایئے، دنیا میں جتنے ہیں سب آپ کے خادم ہیں، حدیث میں ہے تم آخرت کے لیے پیدا کئے گئے ہو، اور دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے مثلاً: آپ کا نوکر ہے، اور وہ برتن دھو کر آتا ہے آپ کے، تو اسی سے آپ کہیں کہ کچھ دے دو، تو وہ بھی ہنسے گا تو ظاہر ہے کہ اس کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟ سب کہیں گے کہ پاگل ہوگیا ہے، تو ایسے ہی جتنے مشرک ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے آگے جھکتے ہیں کبھی درخت کے آگے کبھی کہیں اور سب کے آگے جھکتے ہیں ان سب کا دماغ چل گیا ہے، اپنے خادم کے آگے جھک رہے ہو، اور مورتیوں کے آگے جھک رہے ہو انسان کو تو برابر بنایا گیا ہے، اور دوسری مخلوقات کو اس کے تابع کیا گیا ہے، تو انسان کو جائز نہیں ہے کہ اپنی پیشانی اللہ کے علاوہ کہیں جھکائے اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلائے، تو پہلا وزن تو توحید سے پیدا کیجئے، اور اس سے آگے پھر قرآن وحدیث سے تعلق ہو، اور قرآن وحدیث کے پیکر محسوس ہو، اور اس کے حامل ان سے تعلق رکھیں تو انشاء اللہ وزن پیدا ہوگا، اور وزن پیدا ہوگا پھر آپ کو کوئی پریشانی ہونے والی نہیں ہے، نہ گھر میں نہ باہر، نہ عوام میں نہ حکومت میں، اور اگر یہ نہیں پیدا کیا، تو ظاہر ہے کہ وہ ہوگا جو ہو رہا ہے، اب جو ہو رہا ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ حدیثوں میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی صحیح رہنمائی فرمائے اور باوزن بنائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

موجودہ سماج اور اخلاقی تعلیمات کی ضرورت

قال اللہ عزوجل فی کتابہ العزیز، أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، ﴿وَإِنَّکَ لَعَلَی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾(القلم:۴) وقال کذلک، ﴿ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ، وَمَا یُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوا وَمَا یُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾(فصلت: ۳۴-۳۵)

میرے بزرگو اور مدارس جو اسلام کے قلعے ہیں یا ہونے چاہئیں بجلی کے پاور ہاؤس ہیں یا ہونے چاہئیں شفا خانے ہیں یا ہونے چاہئیں کے ذمہ دارو! اور اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کی رہنمائی کے فرائض انجام دینے والو!

آپ قابل مبارکباد ہیں کہ آپ کو لوگوں نے اس کا اہل سمجھا کہ ایک طرف اسلام پر ہونے والے حملوں کا آپ جواب دے سکیں، اور اپنے قلعوں کو مضبوط کر کے ان حملوں کو پسپا کر سکیں، دوسری طرف بے نور اور ظلمت میں بسے ہوئے علاقوں کو بجلی سپلائی کرنے اور انرجی دینے کے لیے آپ کو صلاحیت والا سمجھا گیا، کیونکہ آج وہ اندھیرا نہیں ہے، جو پہلے تھا، بلکہ آج اندھیر زیادہ ہے اندھیرا کم ہے، جس کو سمجھنا ہماری ذمہ داری ہے، اور بیماری پہلے کہیں کہیں اور خال خال ہوا کرتی تھی، اور معلوم بیماریاں تھیں، اب بیماریوں کا ایک سلسلہ ہے، نئی نئی بیماریاں ہیں، اور لامعلوم بیماریوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، جس کی خرابیاں وقتاً فوقتاً آتی رہتی ہیں، جس کے علاج کے لیے آپ کو متعین کیا گیا ہے، تو یہ ساری وہ صلاحیتیں جو اہل مدارس میں ہونی چاہئیں، میں ظاہر ہے کہ

ایک فرد ہوں، اور حقیر لیکن ہوں، آپ ہی کا ایک فرد، تو آپ کو سنانا سبق یاد دلانا، یہ میری ذمہ داری بھی ہے، اور آپ کی ذمہ داری بھی ہے، جو یہاں پر بٹھایا دیا جائے اس کی ذمہ داری ہے، اور یہ ذمہ داری اسی لیے دی جاتی ہے، کہ ایک دوسرے کو یاد دلاتے رہیں، اور اسی لیے کیمپ لگائے جاتے ہیں، اور لوگوں کو بلایا جاتا ہے اگر یہ فائدے نہ ہوں، تو نہ بلانا مفید، نہ آنا، کچھ دے کر جانا چاہیے کچھ لے کر جانا چاہیے۔

احساس زندہ کریں

ہمارا موضوع ایسا ہے جب سے دنیا میں انسان ہے اور جب تک رہے گا عمومی طور پر بہتر سمجھا ہی جاتا رہے گا، اگر چہ یہ کہ اقدار بدل جائیں، جیسے ابھی میں نے عرض کیا کہ اندھیرا کم اندھیر زیادہ ہے، تو اندھیر میں یہ ہوتا ہے کہ اخلاق بداخلاقی ہیں، حیاء بے حیائی ہے، تو یہ ان نااہلوں کے ہاتھ میں باگ ڈور آگئی، جو کسی طرح قیادت کے اہل نہیں تھے، جو حقیقۃ جانور تھے لیکن انسانوں کی کرسی پر بیٹھ گئے، حقیقۃ وہ جاہل اور نادان تھے لیکن علمی مسند پر ان کو جگہ مل گئی، اور یہ انہوں نے محض اپنے بل بوتے پر نہیں کیا ہے بلکہ اب کیا کہا جائے ہمارے اور آپ کی نالائقی کو دخل ہے اس میں، تاریخ کا اگر مطالعہ کریں تو بہت سے اس طرح کے پہلو سامنے آتے ہیں اور وہ کھیل ہمارے ساتھ کھیلا جارہا ہے جو ایک کمزور اور ناتواں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے، ایک کنارہ کش اور کاہل کے ساتھ کھیلا جاتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

بات یہاں تک پہنچ گئی ہے، کہ ہمارے یہاں جو چیز ثانوی درجہ میں تھی وہ اصل درجہ میں ہوگئی، جو ذمہ داریاں اوپر سے ڈالی گئی تھیں انہوں نے ثانوی حیثیت اختیار کرلی، اور اس کے نتیجہ میں اخلاق نام کی جو چیز ہے وہ آج ہمارے یہاں سے نکل گئی، حالانکہ اخلاق کا تعلق پورے جسمانی نظام سے بھی ہے، زبان سے بھی ہے کردار سے بھی ہے معاشرت سے بھی ہے، معاملات سے بھی ہے غرض کہ ہر چیز سے اس کا تعلق ہے۔

ندارد، نداند کا فرق

بوعلی سینا کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک اللہ کے نیک بندے کے پاس وہ گیا اور کچھ دن ان کی خدمت میں رہا، اس کے بعد جب وہ اپنے گھر واپس گیا وہاں سے منتظر رہا وہ کہ اللہ کے بندے ہیں وہ کچھ تبصرہ کریں گے اس کے آنے پر، کیونکہ بڑا مشہور آدمی تھا، غیر معمولی علم رکھتا تھا اس کا چرچا تھا، لیکن انہوں نے کوئی جملہ کہا ہی نہیں، تو اس کو بھی اندر سے خلجان رہا، کہ انہوں نے کچھ کہا کیوں نہیں؟ میرے آنے کی تعریف نہیں کی، میرے پاس رہنے کی تعریف نہیں کی تو اس نے ایک آدمی بھیجا، اور کہا کہ تم کسی موقع سے جب وہ ذرا اطمینان سے ہوں، اور خوش ہوں تو میرے بارے میں پوچھنا، کہ وہ آئے تھے رہے تھے آپ کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو اس نے موقع پا کر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اخلاق ندارد، اور یہ بات اس کو پہنچا دی گئی، انہوں نے جا کر بتایا کہ کہا ہے اخلاق ندارد، تو ظاہر ہے کہ پڑھا لکھا آدمی تھا اس نے فوراً جتنے اخلاقیات کے پہلو ہیں اور جتنی اخلاقیات سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں، وہ سب نہایت عمدہ مرتب کر کے ایک کتاب کی شکل میں اس نے تیار کیے، اور کہا کہ جا کے شیخ کو ہدیہ دے دینا، وہ صاحب آئے اور شیخ کو کتاب ہدیہ پیش کی، کہ بوعلی سینا نے یہ بھیجی ہے، اس میں اخلاق کے متعلق اس میں ساری باتیں تحریر کر دیں، شیخ مسکرائے، تو انہوں نے ایک جملہ اور کہہ دیا کہ ہم نے یہ نہیں کہا تھا اخلاق نداند، میں نے کہا تھا اخلاق ندارد، اور نداند اور ندارد میں جو فرق ہے، وہ معلوم کر لینا چاہیے، تو اس وقت بھی معاملہ یہ نہیں ہے، کہ ہم یہ کہیں کہ اخلاق نداند، داند دانستن تو بہت ہے، لیکن دارد نہیں ہے، جیسے علم کے بارے میں کہا جا رہا ہے، کہ معلومات تو بڑھ گئیں علم گھٹ گیا، اسی وجہ سے علماء کم ہو گئے۔

کن جہلاء سے مسئلہ پوچھا جائے گا؟

یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں حدیث میں ہے کہ علماء جائیں گے علم رخصت ہوگا علماء کے رخصت ہو جانے سے اور علماء کے جانشین جہال ہوں گے، اور ان سے مسئلہ پوچھا جائے

گا، اپنی رائے سے مسئلہ بیان کریں گے خود گمراہ ہوں گے دوسروں کو گمراہ کریں گے، صحیح حدیث میں ہے تو علماء تو آج کل بڑھتے جا رہے ہیں گھٹتے تو نہیں، اور مسئلہ پوچھا جائے گا جاہلوں سے اس کا مطلب کیا ہے؟ میں بہت دیر تک سوچتا رہا، ایک بات ذہن میں آئی اور کئی جگہ کہا بھی کہ جاہل سے یہ تو مراد نہیں ہوسکتا جو گھاس چھیل رہا ہے اس کو کوئی عالم نہیں کہہ سکتا، اور اس سے کوئی مسئلہ بھی نہیں پوچھے گا، تو وہ تین طرح کے لوگ ہیں جن سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے (۱) فارغ علماء، اور (۲) مشائخ کے جانشین (۳) انگریزی لائن کے پڑھے لکھے لوگ جو مشہور ہو جائیں، ان تین سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے، اور کہا یہ جا رہا ہے کہ علماء کم ہو جائیں گے، اور پھر جاہلوں سے مسئلہ پوچھا جائے گا، تو معلوم ہوا کہ مسئلہ انہی لوگوں سے پوچھا جاتا ہے۔ تو یہاں روگ ادھر لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے جہالت اور نادانی میں مبتلا ہو گئے یہ لوگ جس کو یوں کہا جا سکتا ہے، ایک اصطلاح بنالی ہے ہم نے گڑھ لی ہے ایک کہ جو انگریزی لائن کے لوگ ہیں جن کا مطالعہ گہرا نہیں ہے، کچھ کتابیں پڑھ لیں اور الٹے سیدھے مسائل بیان کرنے لگے تو ان کو پڑھے لکھے جاہل کہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ بھی جاہل ہی ہیں مسئلہ انہی سے پوچھا جائے گا، جن کو لوگ سمجھ رہے ہیں بڑے جاننے والے تقریر اچھی کر لیتے ہیں تحریر اچھی ہے تحریر اور تقریر کے اچھے ہونے سے آدمی اچھا نہیں ہوتا، یہ بھی دھوکہ ہے، بہت بڑا۔

اچھی تحریر وتقریر معیار نہیں ہے

حضرت عمر نے ان کے پاس ایک مرتبہ غالباً حضرت احنف بن قیس آئے اور بہت شاندار تقریر کی حضرت عمر کے سامنے، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ میاں ذرا ٹھہر جانا، تو ٹھہر گئے وہ ایک مہینہ ٹھہرائے رکھا، ایک مہینہ کے بعد انہوں نے پوچھا کہ اب چلا چلا جاؤں، انہوں نے کہا نہیں، پھر ایک مہینہ کے بعد اسی طرح سات آٹھ مہینے ٹھہرائے رکھا، اس کے بعد حضرت عمر نے کہ اب جا سکتے ہیں اور پھر کہا کہ معلوم بھی کہ میں نے کیوں روکا تھا تمہیں؟ تم نے جب تقریر کی تو مجھے دل میں خیال آیا، اتنی عمدہ تقریر کوئی

منافق ہی کرسکتا ہے، اور پھر حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد نقل فرمایا کہ "ان أخوف ما أخاف علی امتی من منافق علیم اللسان"، أو کما قال علیہ الصلاۃ و السلام، (کنزالعمال) اسی طرح کے الفاظ ہیں کہ سب سے زیادہ مجھے ڈر ایسے منافق سے ہے جو بہت عمدہ گفتگو کرنے والے یعنی تحریر اچھی ہو یا گفتگو بہت اچھی ہو، جس سے اپنے قریب کرلے تو یہ کوئی چیز نہیں ہے، یہ ادائے منافقانہ ہے، میں نے تم کو ایک سال رکھا تاکہ دیکھ سکوں تو تم کو نفاق سے پاک پایا، اور اگر منافق نہ ہو پھر تقریر ہو تحریر ہو، تو نور علی نور، سرور علی سرور، تو یہ چیک کیا، تو اب پڑھے لکھے جاہل ان سے مسئلہ پوچھا جارہا ہے، اور ایک ہمارے مدارس کی بھی فوج نکل رہی ہے، جو نقل کرکے اور نقل کے لیے عقل کا استعمال کرکے پاس ہورہے ہیں، ان کو سند یافتہ جاہل کہا جاسکتا ہے، اور دھوکہ ان کو یہ ہوتا ہے کہ میں عالم ہوں ہرگز نہیں، اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو مشائخ کی اولاد ان کی گدی نشینی، مفتی کا بیٹا مفتی، عالم کا بیٹا عالم کہلاتا ہے، ان کی گدی پر بیٹھ جاتا ہے، نااہل، تو وہ مستند جاہل، انہی سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے۔

جیسا دیس ویسا بھیس

یہ تین قسمیں ہوگئیں (۱) پڑھے لکھے جاہل (۲) سند یافتہ جاہل (۳) مستند جاہل، انہی سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے، تو انجام کیا ہوگا؟ وہی ہوگا جو ہورہا ہے علم الگ چیز ہے، معلومات الگ چیز ہے، اس وقت معلومات تو بڑھ گئی ہیں بقول کسی کے کتابیں بھی بہت آرہی ہیں ایک لطیفہ ہے کہ اس وقت کتاب لکھنے کے لیے صرف قینچی اور گوند کی ضرورت ہے، اس سے کاٹئے اور ادھر جوڑئے، کتاب تیار یہ سب وہی ہے، جیسا دیس ویسا بھیس، جیسے علماء ہیں ویسی ہی کتابیں ہیں، پہلے دوسو صفحہ پڑھتے تھے دوسطر لکھتے تھے اب دوسطر پڑھتے ہیں سوصفحہ لکھتے ہیں، ہر چیز الٹی ہوگئی تو اس کے نتیجہ میں آج حالات بہتر نہیں ہیں، بلکہ الٹا اثر پڑ رہا ہے، تو اخلاق داند اور اخلاق ندارد، اس کا مظاہرہ ہر جگہ ہے تو جاننے والے معلومات رکھنے والے تو بہت ہیں لیکن

معلومات رکھنے والوں کا انجام بھی قرآن مجید میں بتلا دیا گیا ہے میں ذکر نہیں کروں گا، اس وقت زیادہ ہو جائے گا شاید، آپ سب پڑھے لوگ جانتے ہیں۔

فائدہ مند معلومات یا علم؟

معلومات سے عالم نہیں ہوتا ہے، علم کے لیے پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے، کہ کم سے کم تین یا چار چیزیں ضروری ہیں اور یہ چاروں یا تینوں چیزیں حدیث وقرآن میں ہیں، علم کے لیے یقین علم کے لیے خشیت، علم کے لیے تقویٰ، علم کے لیے عمل، اور علم کے لیے خشوع، یہ سب ضروری ہیں، یہ چاروں چیزیں جب ہوں گی علم کے ساتھ، تب علم علم ہوگا، ورنہ وہ جہل ونادانی وگمراہی ہے، ہاں معلومات کا خزانہ ہو سکتا ہے، قارون کی طرح سے رہے، لیکن خود فائدہ نہ اٹھا پائے اس سے، تو خزانے والے تو مستشرقین بھی ہیں، حدیث میں مثال دی گئی تھی جس میں یہ آتا ہے کہ حامل علم تو ہوں گے لیکن اس علم سے فائدہ نہیں اٹھا پائیں گے، تو اس کی تشریح کرنے میں ہمارے مفسرین وشارحین حدیث بہت تاویلات بھی کرتے ہیں، لیکن آج اس دور میں ہوتے تو شاید اتنی محنت پیش نہ آتی، مشکل پیش نہ آتی، مستشرقین جتنے ہیں ان کو دیکھ لیجئے آپ، ان کے پاس علم بہت ہے قرآن وحدیث کا، اور اتنی کتابیں انہوں نے چھاپی ہیں کہ ہمارے علماء نے نہیں چھاپیں، سب انہوں نے چھاپ دیا، اور ان کے بڑے بڑے علماء ہیں، لیکن ایک اتنا بھی فائدہ نہیں اٹھا پاتے، کہ یقین نہیں ابھی تک ایمان نہیں ہے، کافر ہیں، تو ایک بات تو یہ ضروری ہے کہ ہمارے اندر دانند سے وارد آجائے، تو اخلاق پر بات تو کر سکتے ہیں کہ اخلاق ہے کیا؟ لیکن اخلاق کا تعلق تقریر سے نہیں ہے۔

صفحہ وقرطاس والی چیز نہیں ہے

حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادابادی سے ایک صاحب نے ایک دقیق مسئلہ

پوچھا تصوف کا، تو انہوں نے کہا جب سے حال کو لوگوں نے قال بنالیا، معاملہ بگڑ گیا حال کو قال بنایا ہی نہیں جا سکتا، اگر ہم قال میں رہیں گے، تو حال حال ہے، حال کو کیسے ہم منتقل کر سکتے ہیں؟ کاغذ پر ناممکن ہے، اسی لیے کیفیات صاحب کیفیات سے منتقل ہوتی ہیں، صفحہ وقرطاس سے منتقل نہیں ہوتیں، تو ایسے ہی اخلاق اخلاق والوں سے ملتے ہیں، قلم وقرطاس سے آدمی اخلاقیات میں آگے نہیں بڑھ پاتا، مثلاً غصہ نہ ہو، یہ بھی اخلاق کی ایک اعلی قسم ہے، کیونکہ اخلاق جو ہے عربی کا لفظ ہے خَلق، اور خُلق اسی لیے خَلق کہتے ہیں ظاہری کمالات کو، اور خُلق کہتے ہیں باطنی کمالات کو، اور باطنی حسن وجمال کو، اخلاق اس کا نام ہے، جس طرح خَلق کا تعلق جسم کے ہر حصہ سے ہے، ایسے ہی اخلاق کا تعلق جسم اور معاشرہ کی ہر چیز سے ہے۔

تقوی اور خلق حسن کی اہمیت

حدیث میں کئی جگہ آیا ہے، دو چیزیں پیدا ہو جائیں جنت کا اعلی مقام ملے گا، ایک تقوی ایک خلق حسن، اور دونوں کا اصل مطلب اگر آپ معلوم کریں، تو ہے کہ اللہ کے ساتھ ادب یہ تقوی کہلاتا ہے، اور بندگان خدا کے ساتھ ادب یہ حسن اخلاق کہلاتا ہے، اتنا سا معاملہ ہے صرف، اللہ کا ادب آجائے تقوی ہو جائے گا، بندگان خدا کے ساتھ ادب آجائے تو یہ حسن اخلاق ہوگا، تو اب جیسے تقوی کا تعلق ہر چیز سے ہے، اسی لیے اس میں عقیدہ بھی درست ہو، یعنی شرک اور کفر سے بچنے والا ہو، مشتبہات سے بچنے والا ہو، کبائر سے بچنے والا ہو، صغائر سے بچنے والا ہو، مباحات سے بچنے والا ہو، یہ سب تقوی کے مراحل ہیں، غیر اللہ سے بالکلیہ اعراض کرنے والا ہو، یہ تقوی کی شان ہے، تو اللہ کے حضور میں ادب اس کی بہت شاخیں ہیں، اور اس کے بہت سے درجات ہیں۔

تعلق مع الناس کے درجات ہیں

لیکن یہاں ہمارا تعلق جو ہے وہ ان آداب کی رعایت جن کا تعلق بندوں سے ہے اس کے بھی بہت سے درجات ہیں، اور اس کے بہت سے مناظر ہیں کہ ہم لوگوں کے

ساتھ کیا معاملہ کریں؟ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے لے کر بڑی بڑی چیزیں ظاہری چیزوں سے لے کر باطنی چیزیں مثلاً: مسکرا کر ملنا صدقہ کا ثواب دلاتا ہے، تو اب یہ ظاہری طور پر مسکرا کر بشاشت کے ساتھ ملنا بھی یہ اخلاق ہے، اور کسی پریشان حال کبیدہ خاطر کے دل کو خوش کرنا یہ بھی بہت بڑا ثواب دلاتا ہے، یہ بھی اخلاق میں سے ہے۔

ہر ایک کا ادب الگ الگ ہے

ادب ایک ایسی چیز ہے، جو بے ادبی کو بالکل چھانٹ دیتی ہے، جب آدمی ادب کرے گا، تو بے ادبی خود بخود نکل جائے گی، یعنی جب اللہ کے ساتھ ادب کرے گا تو اللہ کی سب سے زیادہ بے ادبی کیا ہے؟ شرک کیا جائے اس کے ساتھ کفر کیا جائے ، اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں کو کیا جائے، یہ سب بے ادبی ہے، بارگاہ خداوندی میں جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، اللہ کی غیرت کو بھڑکانے والی چیزیں ہیں، تو ایسے ہی لوگوں کے ساتھ آداب، اب باپ کا ادب بھی اخلاق میں سے ہے، ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴾(بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴) تو اب یہاں دیکھئے باپ کے ساتھ ادب تو جب باپ کے ساتھ اچھا معاملہ کرے گا تو اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

ہمارے ساتھ یہاں لکھنؤ میں ایک واقعہ پیش آیا، بڑا دلچسپ، ایک اللہ کے بندے کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی، نوجوان لڑکا ہے .L.L.B ہے، ان کے والد صاحب بہت زیادہ اس معاملہ میں سخت تھے غیر معمولی، انہوں نے سختیاں کیں لیکن بیٹے نے اسلام لانے کے بعد اپنے باپ کی خدمت کی اور اتنی کی کہ ان کا دل نرم پڑ گیا، بیمار ہو گئے تھے اچانک، اتنے بیمار ہوئے کہ ان کو خدمت کی ضرورت تھی، اس بیماری کی حالت میں، اس لڑکے نے ہم کو بلایا کہ والد صاحب سے مل لیجئے چل کر، میں جا کر ملا تو بات کرتے کرتے ان کے والد صاحب نے ایک جملہ ایسا کہا، ہم

نے کہا دیکھئے اخلاق نے کیا کام کیا، کہتے کہتے انہوں نے کہا کہ اگر یہ میرا لڑکا مسلمان نہ ہوتا تو میری اتنی خدمت نہ کرتا، بس ہم نے کہا کام ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی توفیق عطا فرمائی، اللہ نے ایمان میں ان کو داخل فرمادیا۔

تو یہ اخلاق کی بات ہے تو باپ کے ساتھ جو کہا گیا و لا تقل لهما اف، تو کافر کے ساتھ یہ کیا تو وہ ایمان میں آگیا، اور اگر ہم اپنے والدین کے ساتھ کریں، تو اللہ کی طرف سے ایمان کی حلاوت ملے گی، اور اس کی جو برکتیں ہیں وہ ہمارے اندر شامل ہوجائیں گی، اور یہ اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔

ایک لطیفہ اور پیش آیا، ایک صاحب ہمارے پاس آئے وہ بھی سن لیجئے مسلمان کا معاملہ، کہنے لگے کاروبار نہیں چل رہا ہے، بڑی پریشانی ہے، برابر آنے لگے کسی نے بتادیا ہوگا، ایک دن کہنے لگے مولانا کچھ بتادیجئے، جو پارٹی آتی ہے چلی جاتی ہے، تو ہم نے پڑھنے کو کچھ بتادیا، یہ پڑھ لیا کیجئے، جب پڑھا انہوں نے تو دو ہفتہ کے بعد آئے کہنے لگے کہ واقعی مولانا فائدہ تو ہوا پارٹیاں آنے لگیں، لیکن بات پوری نہیں ہو پاتی، ہم نے کہا اب بیٹھ جایئے آپ یہاں، ہم نے کہا آپ کے والدین میں سے کون کون ہے؟ کہا فلاں فلاں، ہم نے کہا ناراض ہیں یا راضی؟ کہنے لگے بہت ناراض ہیں، اور ان سے بن بھی نہیں سکتی، ہم نے کہا جایئے اب آپ کا کام بھی نہیں ہوسکتا، اب وظیفے ختم، باپ کی خدمت کیجئے جا کر، پھر جو رکاوٹ ہے وہ ختم ہوجائے گی، تو انہوں نے یہ نہیں کیا پھر آنا بند کردیا۔ تو اب ظاہر ہے کہ جب باپ کے ساتھ یہ معاملہ کروگے تو کیا برکت ہوگی؟ ہو ہی نہیں سکتی۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہی رہیں

یہ تو آخری درجہ کی بداخلاقی ہے، کہ باپ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا جائے، ماں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا جائے، قرآن کہہ رہا ہے ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (لقمان:۱۵) عجیب بات ہے، قرآن مجید میں جب بیوی کا ذکر ہے تو

وہاں ہے بالمعروف، اور یہاں ہے صاحبھما معروفا، اس میں ہمارے مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ بیوی کے ساتھ تو جب ضرورت پڑے حسن سلوک کی تو کرو، اور باپ اور ماں کے ساتھ کرتے ہی رہو، کرتے چلے جاؤ، تو ظاہر ہے کہ اس کی برکت ہوگی، باپ چاہے کیسا ہی ہو باپ فی نفسہ نعمت ہے، اس کے ساتھ معاملہ کرنا ہی ہے۔

درجہ بدرجہ ادب ضروری ہے

پہلے باپ کے ساتھ ادب، اللہ کے ساتھ ادب وہ تو تقویٰ ہے، باپ کے ساتھ ادب یہ حسن اخلاق کا بھی حسن و جمال ہے، ماں باپ کے ساتھ حسن ادب، پھر اس کے ساتھ اساتذہ ہیں، جو آپ کے رہنما ہیں جنہوں نے آپ کو راستہ دکھایا ہے، ان کے ساتھ ادب پھر پڑوسی کا ادب، تو اپنے بھائی کا ادب، قریب کے پڑوسی کا ادب، دور کے پڑوسی کا ادب، یہ سب اخلاق میں آئے گا، خادم کے ساتھ معاملہ۔

بعثت کے مقاصد میں سے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کو ﴿وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم:٤) کہا گیا ہے، اور آپ نے فرمایا بعثت لأتمم مكارم الأخلاق، (السنن الكبرى للبيهقي) مکارم اخلاق کے اتمام کے لیے جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم تشریف لائے، آپ کا معاملہ حضرت انس بیان فرماتے ہیں کبھی آپ نے مجھے ٹوکا ہی نہیں، یہ کیوں کیا یہ کیوں نہیں کیا؟ دس سال میں حضرت کی خدمت میں رہا، یہ اخلاق ہے، ظاہر ہے کہ آپ تو اخلاق کے اس درجہ پر فائز ہیں نہ کوئی ہوسکا ہے نہ آخرت تک کوئی ہوسکتا ہے، لیکن نمونہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے چھوڑا، آپ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیا کرتے تھے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے معاف کرتے تھے قرآن مجید میں جا بجا ہے، ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ﴾ (النحل:١٢٦)

صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے

یہ جومشہور ہے نا، صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، یہی اخلاق ہے، کہ خود برداشت کرلو، اور برداشت کروگے تو پھر اس کا پھل پاؤ گے، اور یہ ایک ایسا نظام ہے، خدا کا کہ ﴿فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ﴾(فاطر:٤٣) تو اس میں آپ دیکھ لیجئے جو ہمارے طلبہ ہیں، کوچنگ کر رہے ہیں، اس وقت بہت سے تعلق رکھتے ہیں، کہہ رہے ہیں پڑھانے والے بھی ۸-۸ گھنٹے کھڑے ہوکر پڑھاتے ہیں، لگا تار، اور پڑھنے والے دس دس گھنٹے پڑھتے ہیں لگا تار، ان کو کہیں کچھ کھانے کی فرصت نہیں ہے، کھاتے ہوئے ڈرتے ہیں، کہ بیمار نہ ہو جائیں، اور ادھر ادھر گھومنے کی بھی فرصت نہیں ہے، کچھ مزا اٹھالیں ابھی جوانی کا عالم ہے، کیوں؟ یہ تکلیف کیوں اٹھا رہے ہو بھائی، صبر کیوں کر رہے ہو آتنا؟ اس لیے کہ جانتے ہیں یہاں صبر کرنے کے بعد بہت کچھ ملنے والا ہے، یہی اخلاق ہے یہ وہ اپنے لیے کر رہے ہیں، ہم اللہ کے لیے کرنے والے بن جائیں، بس اتنا فرق ہے کہ اگر ہمارے اندر یہ بات پیدا ہو جائے، تو اس کے نتائج اچھے آکر رہیں گے جس کو فرمایا ادفع بالتی ھی احسن، بہتر طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اسی طرح کلام بھی بہتر کرنا چاہیے، یہی تو ادب ہے۔

باادب بانصیب بےادب بےنصیب

ایک جگہ لوگوں نے کہا کہ ادب پر کچھ کہہ دیجئے، عربی ادب پر، ایک جگہ مدرسہ میں جانا ہوا، تو ہمارے ذہن میں یہی آیا

باادب بانصیب بےادب بےنصیب

جو اچھا عربی ادب جانتا ہو، قرآن سمجھ لے گا، اور جو عربی نہیں جانتا وہ بےنصیب، وہ نہیں سمجھ پائے گا قرآن میں کیا ہے، اس لیے ادب عربی جاننا ضروری ہے، اور اردو بھی جاننا ضروری ہے، ادب ادب ہے، ادب کا فائدہ تو ہونا ہی ہونا ہے، تو جو ادب کا فائدہ

ہے وہ مل کر رہے گا، نصیب غیر منقوص ملے گا آپ کو، اسی لیے فرمادیا گیا، و مایلقها الا الذین صبروا و ما یلقها الا ذو حظ عظیم، ہر ایک کو نہیں ملا کرتا، جن کے نصیب ہیں ان کو ملتا ہے، تو آدمی اپنے اندر وہ بات پیدا کرے، اخلاق والی، تو اخلاق کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ اخلاق کیا چیز ہے؟ سب جانتے ہیں، اخلاق کو برتنا پہلے جاننا۔

جاننے کے ساتھ ماننا ضروری ہے

آج کل جاننا تو بڑھ گیا بہت، ماننا ختم ہو رہا ہے، اور یہی ماننا جب آخری درجہ میں ختم ہو جائے گا، تو آدمی یبیع دینه بعرض من الدنیا، (مسند احمد بن حنبل) میں مبتلا ہو کر اسی میں سارا عالم تباہ ہوگا، کیونکہ جاننا تو بڑھتا چلا جا رہا ہے، اور ماننا کم ہوتا چلا جا رہا ہے، اور دو جزء لازمی ہیں جاننا اور پھر ماننا ہی ایمان ہے، ایمان اسی کا نام ہے، کہ جاننا اور پھر ماننا، تو اسی طرح آپ دیکھتے چلے جایئے، ہمارے حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو دعوت دینی ہے تو پہلے یہ طے کرلو، کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنی ہے، یا اس کی اصلاح کرنی ہے، تو اگر بڑھاس نکالنی ہے، تو الٹا سیدھا باتیں کر کے، اپنے کو خوش کرلو، اور اگر اس کی اصلاح مقصود ہے تو دل پر پتھر رکھ کر بات کہو، جو اس کے لیے نافع ہو، اور اس انداز سے کہو، جو اس کے لیے فائدہ مند ہو۔

ہمارے حضرت مولانا لطیفہ بھی سناتے تھے حضرت رائے پوری تشریف فرما تھے حضرت مولانا بھی تشریف رکھتے تھے تو ایک صاحب آئے اور کہنے لگے: فلاں صاحب سے میرا مناظرہ ہوا، اور باتیں ہوئیں ایسا جواب دیا دانت توڑ دیئے اس کے، دندان شکن جواب دیا، حضرت رائے پوری مسکرائے اور ہلکے سے کہا، آپ نے تو دانت ہی توڑ دیئے، اب بے چارہ گنا کیسے کھائے گا؟ تو اس وقت ضرورت دانت لگانے کی ہے، ٹوٹ چکے سب کے دانت، اسی لیے ہاضمہ خراب ہے، آپ دنداں ساز ہیں، دنداں شکن نہ بنئے، دانت لگانے کی ضرورت ہے تا کہ سب کھا سکیں، اس وقت لوگ نگل نگل کر کھا رہے ہیں، معلومات بڑھتی جارہی ہیں، لیکن پیٹ خراب ہوتا جارہا

ہے، کسی کا فکر کا پیٹ، اصل گمراہی فکر کی گمراہی ہے، کیونکہ ہاضمہ درست نہیں ہے، اور ہاضمہ درست کب ہوگا؟ جب علمی رسوخ پیدا ہو، اور وہ جب چبا کر کھاتا ہے تب ہاضمہ بنتا ہے، کیونکہ دانت کے چاروں طرف مسامات ہیں، جس سے ایک چورن نکلتا ہے چورنِ سیال، وہ کھانے میں شامل ہوکر کھانے کو ہضم کرتا ہے، اگر آپ نگل لیں تو وہ بات نہیں پیدا ہوگی، تو آج نگل تو بہت لوگ رہے ہیں چبا کر نہیں کھا رہے ہیں، اس لیے تعمق اور رسوخ ختم ہوتا جارہا ہے، اس وجہ سے کبھی ادھر پریشان ایک کسی نے کچھ کہہ دیا، تو خلجان، اس نے کچھ کہہ دیا تو خلجان، اور راسخ کیا ہوتے ہیں؟ ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (آل عمران: ۷) یہ رسوخ کی صفت ہے، راسخ ہونے کے بعد جب آدمی کا کھونٹا مضبوط ہوتا ہے، تو ہلتا نہیں ادھر ادھر، اگر کھمبا ٹھیک سے نہ گاڑا جائے اور تار لگادیئے جائیں تو کیا ہوگا؟ ایک آندھی چلے گی کھمبا گرے گا اور ساری بجلی فیل ہوجائے گی، اندھیرے میں بیٹھے رہیں گے سب، اسی لیے جواب بھی نہیں پاتے، تو ضرورت اخلاق کی ہے اور جہاں تک اس کے اثرات کا تعلق ہے، تو وہ جیسا میں نے عرض کیا حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک کسی نے انکار نہیں کیا ہے اور آج دنیا میں جو بیماریاں نظر آرہی ہیں ایمان کی وہ اخلاق ہی کی وجہ سے ہیں، اور اس کے واقعات تو بہت ہیں۔

دوراول کا اخلاقی معیار

ہمارا جو دوراول ہے وہ ہر چیز میں معیاری ہے، حضرت علی کا واقعہ آتا ہے، کہ یہودی کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور قتل کرنے جارہے ہیں کہ اس نے تھوک دیا، بس فوراً ہٹ گئے، وہ یہودی بھی حیران رہ گیا بات کیا ہے؟ کہا پہلے تو اللہ کے لیے قتل کررہا تھا اب نہیں کروں گا اب کروں گا تو اپنے لیے ہوجائے گا، اس طرح کے سینکڑوں واقعات میں سمجھتا ہوں دنیا میں جہاں کہیں بھی اسلام پھیلا ہے، وہ اسی اخلاق سے پھیلا ہے، جس کی مثالیں تاریخ میں بہت ہیں، پورا انڈونیشیا ملیشیا یہ سب اخلاقیات کا نقشہ ہے، کہ اہل ایمان وہاں

گئے، تجارت کی غرض سے، انہوں نے ایک طرف تو ان کو تجارت سے فائدہ پہنچایا، اور دوسرے طرف اپنے اخلاق سے ایسا گرویدہ کیا کہ ان کے ہو کر رہ گئے، اور اخلاق کی مار ایسی ہوتی ہے اور جو لوگ اس گُر کو سمجھ لیتے ہیں، وہ تربیت بھی اچھی کرتے ہیں۔

اخلاق دودھاری تلوار ہے

ہمارے ایک گجرات کے صاحب آئے تھے انہوں نے بہت سی باتیں سنائیں تو انہوں نے کہا ہمارے مدرسہ میں ایسا نظام ہے کہ لڑکے خود اپنا کام کرتے ہیں کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، مگر اس کے لیے ہم کو محنت کرنی پڑتی ہے، اور جب بھی میں داخل ہوا ہوں ان کے مدرسہ میں تو واقعی دنگ رہ گیا اتنی صفائی ستھرائی اور اتنا نظام میں نے اب تک تو کہیں نہیں دیکھا، اس کے بعد انہوں نے بہت سے واقعات سنائے، وہ بڑے دلچسپ ہیں، لیکن ایک واقعہ سنایا کہ پورے سال کوئی لڑکا گیٹ سے باہر نہیں نکلا، ایک لڑکا نکلا تو میں نے اس کو بلا کر کہا کیوں نکلے؟ اور اس کو سمجھایا کہ تم کو نکلنا ہی ہے اور جانا ہی ہے، تو بتا کر جاتے، پھر باورچی کو بلا کر بولے میں نے کہہ دیا کہ آدھی رات کو دو بجے بھی کھانا یہ مانگے تو اس کو دے دینا، تاکہ یہ باہر نہ جاسکے، اخلاقی مار اس کو کہتے ہیں، اور میری طرف سے آپ کو اجازت ہے، گیٹ کھلا ہے گیٹ کیپر کو بلایا کہ اگر یہ جانا چاہیں تو ان کو جانے دیجئے گا، اور کھانے والے سے کہہ دیا دیکھو جب یہ مانگے تب دینا ہے، بس ایسا اثر پڑا اس پر کہ وہ پھر نکلا ہی نہیں باہر، یہ اخلاقی مار ہے اور اگر ہم صرف سزا ہی میں لگے رہتے، تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ بلکہ بعض حضرات تو اس میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں، کہ ایسی سزا دیتے ہیں کہ اس کے اندر ضد پیدا ہو جاتی ہے، کہ اب تو کر کے رہیں گے، تو یہ اخلاق کے خلاف ہے۔

اخلاق کو اگر سمجھ لیں

اخلاق تو ہمہ جہت چیز ہے، جس لائن سے آپ دیکھیں، اس لیے میں نے

متفرق کچھ چیزیں کہہ دیں، کہ اگر ہم اخلاق کے راستہ پر اپنے کو ڈال دیں تو آج بھی ہمارا معاشرہ بدل سکتا ہے، ہمارے اخلاق کی خرابی کی وجہ سے، میں تو کہتا ہوں اسی وجہ سے لوگ اسلام نہیں لا رہے ہیں، اگر ہمارے اخلاق درست ہو جائیں تو آج ہمارا معاشرہ بالکل درست ہو جائے گا، پورا بدل جائے، سمجھانے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی، اب جو نومسلم آتے ہیں یا اسلام کو سمجھنے کے لیے تو ان سے پہلے یہی کہنا پڑتا ہے، بھائی مسلمانوں کو نہ دیکھئے گا اسلام کو دیکھئے گا، پھر اس پر ایک اشکال اور ہوتا ہے، کہ سارے مذہب اچھے ہیں، تو کئی جوابات دینے پڑ جاتے ہیں، اگر اخلاق اچھے ہوتے تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، تو اخلاق نے تو ہمیشہ جیت پائی ہے، ہمیشہ اس نے بڑے بڑے علاقوں کو فتح کیا ہے، اور کامیابی سے اپنی منزل طے کی ہے۔

ضرورت عمل کی ہے

میرے دوستو! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر وہ بات پیدا کرنے کی کوشش کریں لیکن وہ کوشش معلومات سے نہیں ہوگی، کہ ایسا کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے، اخلاق والے کے ساتھ رہیے اور اخلاق والوں کے حالات پڑھئے، تب یہ بات پیدا ہوتی ہے، صرف اخلاقیات کا نظریہ پڑھ لینا اس سے کبھی فائدہ نہیں ہوگا، اور ضرورت اس وقت بہت ہے، ضرورت حد سے زیادہ ہے، تو کم سے کم اخلاق والوں کے حالات پڑھیں، سیرت کا مطالعہ خوب کریں، ان کے اخلاقیات کو خوب پڑھیں، صحابہ کے حالات کا مطالعہ کریں، اور جو ہمارے بلند کردار کے علماء و مشائخ رہے ہیں ان کے حالات کا مطالعہ کریں، ان کے اخلاقیات کے قصے پڑھیں، تو حیرت میں پڑ جائے آدمی کیسے کیسے عجیب واقعات ان سے وابستہ ہیں، اس طرح آج بھی ہم اپنے ساتھ کچھ برقرار رکھ سکتے ہیں، اور جو موقع اللہ نے ہم کو دیا ہے مدارس میں رہ کر اس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور جو ذمہ داریاں اللہ نے دی ہیں، اس کا کچھ حصہ نباہ سکتے ہیں، کیونکہ اخلاق جیسا کہ میں نے کہا باادب جب ہو جائے گا، تو بے ادبی خود نکل جاتی ہے، اور اکثر بد

اخلاقی پیدا ہوتی ہے تکبر سے، حسد سے بے جا غصہ سے، اور دوسروں کو حقیر سمجھنے سے اور جہالت ونادانی سے، جب آدمی جاہل ہوتا ہے، تو اس طرح کی حرکتیں بھی کرتا ہے، تو آدمی کو چاہیے کہ اپنے اندر سے یہ تمام چیزیں دور کرے، تاکہ اخلاق ان کی جگہ لیں اور آدمی بااخلاق ہوکر اور باکردار ہوکر سب کے ساتھ معاملہ کرسکے، پوری انسانیت کے ساتھ، جس کے وہ اجزاء ہیں، جن کی طرف میں نے اشارہ کیا، جس میں فرداول والدین ہیں، اور پھر الاقرب فالاقرب، اوراس کے بعد اور اسی طرح جتنے ہمارے سامنے لوگ ہیں، وہ سارے کے سارے مخاطب ہیں ہمارے، اور ہمارے اخلاق کے منتظر ہیں، کہ آپ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں، تو مسکرانے سے لے کرآخر تک ان کا خیال کرو، اگر وہ پریشان حال ہیں، تو پریشانی دور کرنے کے لیے تگ ودو محنت کریں۔

اخلاق یہ ہے

ہمارے قاری صدیق صاحب جو آخری دور کے بزرگوں میں سے ہیں ان کا حال آپ اٹھا کر دیکھئے کہ انہوں نے کیا کام کیا؟ کوئی غیر معمولی غیر مسلم بھی بیمار ہوجاتا تھا تو اس کو لادے لیے چلے آرہے ہیں اسپتال میں، داخل کیے، یہی تو اخلاق ہے، تو وہ ان کو کیا مانے گا ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا اور کتنے لوگ اسی طرح مسلمان ہوئے ہیں، آپ حالات اٹھا کر دیکھئے کہ ذرا سی خدمت کردی، انہوں نے اچھا معاملہ کردیا، اچھا سلوک کیا، فوراً آپ کے ہوگئے، اور یہ تو اتنے پیاسے ہیں میں آپ کو بتارہاہوں میرا تجربہ ہے اور بہت سے لوگوں کا ساتھ ہے، میں کہہ رہاہوں ان کے گھروں کے حالات اتنے ناگفتہ بہ ہیں اتنے خراب ہیں، کہ اگر آپ ذرا سا بھی اخلاق کا ایک خوشہ لے کر ان کی خدمت میں پہنچ جائیں، انشاءاللہ وہ آپ جیسے ہونے کو تیار ہیں، لیکن ہم پیش تو کریں ان کو اور ظاہر ہے کہ جب تقویٰ اختیار کرے گا تو ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) مکرم بنتا ہے تقویٰ سے، یعنی اللہ کے ساتھ ادب سے مکرم ہوتا ہے، اور بندوں کے ساتھ ادب اختیار

کرنے سے معزز ہوتا ہے، اور اس سے محبوب خدا بنتا ہے۔

ان سنتوں کو اپنانا ضروری ہے

ہم سب کو چاہیے کہ کوشش کریں کہ ہم اپنے اندر زبان کا بھی اخلاق پیدا کریں ،اچھے چہرہ کا بھی کریں، امام بخاری نے تو ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، باب التجمل للوفود، جب کوئی ملنے آئے تو اس سے اچھے بن کر سنور کر ملو، اپنے حضرت مولانا کو میں نے دیکھا یہ بھی گویا کہ اخلاق کا جز ہے، آپ نے اس کا بہت اہتمام کیا جو آرہا ہے وہ بالکل ایسا ہی گرا آدمی نہیں ہے، کہ بنیان لنگی سے نکل آیا، مولانا شیروانی پہنتے تھے رومال ڈالتے تھے پھر کہتے تھے اب بلاؤ تب بات کرتے تھے، تو ہم نہیں سمجھتے تھے مولانا یہ کیوں کررہے ہیں؟ کچھ ہم کو تکلف معلوم ہوتا تھا لیکن جب امام بخاری کا یہ ترجمہ پڑھا التجمل للوفود تب سمجھ میں آیا، کہ مولانا ہی صحیح ہیں، آپ غلط ہیں، وہ حضرات سنت کے متبع ہیں، ان کے سامنے دقیق سے دقیق تر سنتیں ہیں، جس پر وہ عمل کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے کیا مقام عطا فرمایا ہے، سارے دنیا کی محبوبیت ان کے قدموں میں ڈال دی، اور ہم بداخلاق بدکردار سنت سے اپنے آپ کو ہٹانے والے ہم کو کیا ملے گا؟ تو یہ چھوٹی موٹی سنتیں نہ سمجھیں بہت اعلی درجہ کی سنتیں ہیں، جس کو سمجھ کر اور اس پر عمل کر کے ہم انسانیت کی کتنی بڑی خدمت کر سکتے ہیں، جس سے آج کل ہم محروم ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو اخلاق نبوی میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونستهديه ونسترشده فمن يهديه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ، ونشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ونبينا وشفيعنا وحبيبنا وقرة عيوننا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه وذرياته وأهل بيته وبارک وسلم تسليما كثيرا ،أمابعد!

میرے بزرگو دوستو اور دینی بھائیو!

اللہ تعالیٰ نے ہم اور آپ کو کسی نہ کسی درجہ میں دین کے کام کے لیے لے لیا ہے، اور کسی نہ کسی درجہ میں ہم لوگ دین سے وابستہ ہیں لیکن سنت الٰہی یہ معلوم ہوگی کہ جتنا ہم ادھر آگے بڑھیں گے، اتنا ہی ادھر سے ہماری تقویت کا سامان اور ہمارے افادہ کا سامان بڑھے گا اور جتنی نسبت ہماری ان سے قوی ہوگی اتنی ہی ہماری نصرت وحفاظت کے اسباب آئیں گے تو اس لیے ہماری اور آپ کی ذمہ داری کسی نہ کسی درجہ میں یہ ہے کہ ہم کسی اعتبار سے امامت سے تدریس سے دعوت سے وابستہ ہوگئے ہیں تو اس کا لحاظ رکھیں۔

لباس ہی کی لاج رکھ لو

ہمارے حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ایک

بہروپیہ تھا جو نئے نئے روپ دھار کر حضرت اورنگ زیب کو بے وقوف بنانے آتا تھا اور وہ کہتے تھے کہ میں اس طرح کے ڈھونگیوں کو دیتا نہیں ہوں، پھر کچھ دنوں تک وہ غائب رہا، ایک عرصہ کے بعد شہرت ہوئی کہ فلاں جنگل میں کوئی بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں بڑے مرتاض ہیں اور خلق خدا کو بڑا فیض پہنچا رہے ہیں، بادشاہ کی سواری ادھر سے گزرنے والی تھی تو کہا جا کے زیارت ہی کر لیتے ہیں، دیکھا تو واقعی بڑا بزرگ پایا، تو انہوں نے اس کے نام جاگیر لکھی کہا تا کہ اطمینان سے تم اپنے کام میں لگے رہو، تو اس نے کہا فقیروں کا یہ طریقہ نہیں، اور بادشاہ کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا، جب بادشاہ اپنی جگہ پہنچ گئے تو وہاں گیا اور کہا میاں آج دھوکہ کھا گئے میں وہی بہروپیہ ہوں، جو مختلف رنگوں میں آیا، لیکن آپ نے پہچان لیا، اور اب کی جو میں نے روپ دھارا تھا اس میں آپ نہیں پہچان پائے، ادھر بادشاہ نے یہ کہا تھا کہ نہیں اگر پہچان سکا کبھی، تو منھ مانگا انعام دوں گا، تو بادشاہ نے کہا تم عجیب آدمی ہو جو جاگیر میں لکھ کر دے رہا تھا وہ زیادہ تھی انعام تو اب اس سے کم ملے گا، جب پیسے ہی کے لیے کر رہے تھے تو لے لیا ہوتا کیوں نہیں لیا؟ تو اس نے کہا جس کا روپ دھارا تھا وہ روپ مکمل نہ ہوتا اگر میں جاگیر اختیار کر لیتا، تو حضرت مولانا کہتے تھے کم سے کم جب ہم اس سے وابستہ ہو گئے ہیں تو اس کا بھرم تو کسی درجہ میں رکھ لیں، اور جو ذمہ داریاں ہم کو دی گئی ہیں ان کو نباہنے والے بن جائیں، اب کہنے کو تو یہ جانشینی ہے انبیاء کی، لیکن کام ویسے بالکل نہیں ہیں۔

تین چیزیں ضروری ہیں

اس ذمہ داری کو جب لے ہی لیا ہے تو قرآن مجید کو بھی اٹھا کر دیکھئے تو تین یا چار باتیں آپ کو تمام انبیائے کرام میں مشترک ملیں گی، اور ان تینوں چاروں چیزوں میں ہم پوری کوتاہی کر رہے ہیں، کسی کو بھی مکمل طور پر حق ادا نہ کر کے دے رہے ہیں، ان میں پہلی چیز یہ ہے، دعوت الی التوحید، یہی بنیاد ہے، اور یہ ہر نبی کے ساتھ اس لیے ذکر کیا

گیا ہے کہا گیا ہے، ﴿مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ (الأعراف:٥٩) وغیرہ، اور پھر یہی نہیں کہ غیروں کے ساتھ ہو یہ بات کہنے کے لیے، بلکہ اپنوں میں بھی ہونا چاہیے، جیسے ﴿مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي﴾ (البقرة:١٣٣) حضرت یعقوب والا واقعہ، تو یہ ہر تقریر میں بیان کرنا چاہیے، اس کے علاوہ دو چیزیں اس کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، دوسری چیز جو فرض ہے وہ ہے کہ جس قوم کا جو مرض ہے اس کی نشاندہی کرنا ہے جہاں آپ کام کر رہے ہیں، وہاں کیا بیماری ہے اور اس کے ازالہ کے اسباب کیا ہیں؟ لیکن سب ڈرتے ہیں کہ صحیح بات کہہ دیں گے تو تقریر ہی میں نہیں بلایا جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے حکمت سے بات کی جائے، مگر کہنا ضروری ہے اور ہمارے اکابر جہاں گئے وہاں کے عیوب ضرور بتائے، ہم نے حضرت مولانا کو بارہا دیکھا، قرآن میں بھی دیکھیں حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ ناپ تول کا تذکرہ ہے، حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ بداخلاقی کا تذکرہ ہے، یہ بار بار کیا ہی اسی لیے گیا ہے تاکہ ہم سمجھیں، اب جاننا بھی ضروری ہے کہ مرض ہے کیا؟ اور اس کے لیے علم اور حالات سے آگہی چاہیے، اور تیسری چیز ہے اجرت والی، اس لیے کہ اس کا اثر بھی غیر معمولی پڑتا ہے، اور یہ بھی ہر نبی کے ساتھ ہے، اور اجرت اگر کوئی لے گا تو نہ تو اثر رہے گا اور نہ ہی بات صحیح کہہ پائے گا، اسی وجہ سے جو اجرت والے ہیں بس وہ لچھے دار تقریر کرنے ہی میں رہ جاتے ہیں اور خوش کر دیتے ہیں اور خوش ہو جاتے ہیں، ایسے کو کوئی پسند ہی نہیں کرے گا جو سود کی برائی کرے، بلکہ اس کی جائز کی ترکیبیں بتانے والا ہی بلایا جائے گا، تو یہ علماء کی ذمہ داری ہے اور جو جانشینی چاہتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے، اور اس کے ساتھ اور چیزیں ہیں جن کا تعلق ذات سے ہے جیسے ﴿أَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾ (الأعراف:٦٨) میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اور دوسرے امانت دار، اور یہ بھی ہر نبی کے ساتھ ملے گا اس لیے کہ اگر امانت ادا کرنے والا نہیں ہے، تو پھر بات کیسے بنے

گی؟ جو اس کو ملا ہے وہ بے کم وکاست کہنا چاہیے، یہ نہ سوچیں کہ ہمارا حلقہ ناراض ہو جائے گا انسانیت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جو قرآن کہتا ہے اس کو بیان کر دیجئے، کہ کیا لکھا ہے؟ اور خیر خواہی بھی ہو، تو جتنا زیادہ ہم اس پر اتریں گے اتنا ہی امت کو فائدہ پہنچے گا، اور جتنا کمزور ہوں گے اتنے ہی اثرات لنگڑے لولے ہوں گے۔

کڑھن پیدا ہونا اندر کی سنت ہے

یہ تو ظاہری چیزیں ہیں، البتہ اندر سے بھی کیفیت ہونا چاہیے، جس کی مثال ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾ (الکھف:٦) جس کا ترجمہ سمجھنا مشکل ہے، اب تو ماہرین لسانیات بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کماحقہ ہو ہی نہیں سکتا، تو عربی کا کہاں سے ہو جائے گا؟ یہ تو سدا سے جوان ہے، اور جوان ہی رہے گی، باقی سب زبانیں بوڑھی ہیں، اسی لیے عربی سے جو وابستہ بھی ہو گیا وہ بھی جوان، تو جب تک قرآن باقی ہے عربی باقی ہے، اور کسی زبان کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور بخع کے معنی کی ترجمانی یہ ہے کہ کوئی شخص کنوئیں میں گر رہا ہے، آپ نے پیچھے سے پائجامہ پکڑ لیا، وہ اتنا بھاری ہے کہ گرا جا رہا ہے، آپ بھی اس کے ساتھ جھکے جا رہے ہیں، تو پیچھے سے کوئی کہے اللہ کے بندے کیا تو بھی اس کے ساتھ چلا جائے گا کنوئیں میں؟ تو اس کیفیت کا نام ہے، بخع جس کے ساتھ آپ کو تسلی دی جا رہی ہے، کہ آپ اپنی جان نہ دیں، لیکن آپ ہیں کہ بے چین ہیں، تو یہ بے چینی کسی بھی درجہ میں آنا سنت ہے، جس کو ہم نے چھوڑ دیا ہے، آج سب کا زور باہر کی سنتوں پر ہے اندر کو سب نے چھوڑ دیا ہے، حالانکہ اندر سے بقاء ہے، اور باہر سے پرواز ہے، اور اگر نہ ہو تو باہر سے کیا ہو گا؟ کبوتر ہے پر کاٹ دیں آپ، تو اڑ نہیں پائے گا، البتہ زندہ رہے گا، بچے بھی ہوں گے انڈے بھی ہوں گے اور کہو کہ ہے بڑے خوبصورت پر والا، بڑا اچھا، لیکن مردہ ہے، تو اس کو عجائب گھر میں رکھ دو

جا کر، تو ظاہر و باطن دونوں مکمل ہوں تب پرواز ہوگی، اور آدمی اڑ کر پہنچے گا، تو یہ اندرونی والی کیفیت ہونی چاہیے، اور اس کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر کی جذبہ کی گرمی کو ابو طالب کے سمجھانے پر آنکھوں کے ذریعہ سے ظاہر کیا اور آپ کا وہ جذبہ جس کے سامنے لوگ ٹک نہیں سکتے اس طرح آپ نے ظاہر فرمایا، کہ اگر میرے ایک طرف سورج دوسری طرف چاند رکھ دیں تب بھی میں اس سے باز آنے والا نہیں ہوں، یہ وہ جذبہ ہے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کو دیکھئے أینقص الدین و أنا حی، یہ ہیں وہ جذبات جن کو پیدا کرنا پڑے گا ورنہ کام نہیں ہوسکتا۔

ہندوستان میں قابل نمونہ شخصیات

ہندوستان کے اندر آدمیوں میں خاص کر تین کو دیکھئے، ایک مجدد الف ثانیؒ، دوسرے حضرت سید احمد شہیدؒ، تیسرے حضرت رشید احمد گنگوہیؒ، ان کو اگر آپ ہندوستان میں نمونہ بنائیں گے تو دعوت کا کام کر سکتے ہیں، حضرت مجدد صاحب کو دیکھو ان تمام چیزوں کو جو تصوف و سلوک میں در آئی تھیں کان پکڑ کر باہر نکال دیا، اور جب لوگوں نے ان سے کچھ کہنا چاہا تو بولے کہ نہیں میرے اندر رگ فاروقیت حرکت می آید، وہ پھڑک اٹھی اور اس طرح کی باتیں برداشت نہیں کیں، کہ بدعت سیئہ ہے یا حسنہ، بدعت بدعت ہے، اس کے اندر سوائے ظلمت کے کچھ نہیں ہوتا، نہ حسنہ ہے نہ سیئہ، ذرا جلال دیکھئے، اور اسی جلال نے اکبر کے تخت کو پلٹ دیا تھا، اورنگ زیب کو بٹھایا تھا لاکر، یہ مجدد صاحب کے تجدیدی کارناموں کا ایک نمونہ ہے۔

بالکل یہی حضرت سید احمد شہید کے یہاں آپ اٹھا کر دیکھ لیجئے ایک مرتبہ حضرت سید صاحب میں اور حضرت شاہ اسماعیل شہید میں کوئی نظریاتی اختلاف ہوا، بعد میں شاہ صاحب کو اندازہ ہوا صحیح سید صاحب کا ہی نظریہ ہے، تو شاہ صاحب نے کہا حضرت آج کے بعد آپ کی بات مانوں گا سرمو انحراف نہیں کروں گا تو کہا

مولانا یہ تو شرک فی النبوۃ ہے، یہ مقام تو صرف نبی کے لیے ہے، کہ آنکھ بند کر کے ماننا ہے، باقی کسی کا یہ مقام نہیں ہے، اور یہ ان کے اس طرح کے کئی واقعات ہیں، تو آنکھیں بند کر کے صرف نبی کی ماننا ہے، ورنہ وہیں سے بدعات وخرافات وتوہمات کے دروازے کھلتے چلے آتے ہیں تو یہ اندر کی سنتیں ہیں، اور مولانا گنگوہیؒ کو دیکھ لیجئے کیسے پورے حلقہ دیوبند کو صحیح کیا ہے، پورا حلقہ ہمارے ندوہ کا ہو یا مظاہر کا، یا دیوبند کا، سب رشیدی ہے، اور جاء الرشد لاجل الرشید، لولا الرشید لماجاء الرشاد، معمولی آدمی نہیں ہیں، حاجی صاحبؒ سے مولانا کا کوئی مسئلہ ہو گیا فرمایا حاجی صاحب ہمارے پیر ضرور ہیں، لیکن مسئلہ ہم سے پوچھیں آکر، سلوک ان سے میں پوچھتا ہوں، مسئلہ مجھ سے پوچھنا ہوگا، عالم میں ہوں، تو حاجی صاحب کو یہ کسی نے بتایا، تو حاجی صاحب نے فرمایا: رشید احمد در ملک ہندوستان نعمت کبریٰ وغنیمت بائیدہ است، یہ ہیں پیر، آج کل کے پیر کو ذرا سا کہہ دو تو کہیں گے کہ نسبت سلب ہو جائے گی، لوگ مولانا کو پڑھتے نہیں، ان کے تو بڑے احسان ہیں۔

عقل کا صحیح استعمال مطلوب ہے

جتنے اکابر ہیں ہمارے تھانوی ہوں مدنی ہوں، خلیل احمد ہوں مولانا عبدالرحیم ہوں، یا محمد علی ہوں، کوئی بھی ہو سب رشیدی ہیں، مولانا نے سب کو ٹھیک کیا ہے، ان میں سے کئی کو اجازت بھی دی تھی حاجی صاحب نے، مولانا نے پوچھا کیا فرمایا حاجی صاحب نے؟ کہا اجازت دی ہے، کہا نہیں جب تک میں نہیں دوں گا تب تک نہیں چلے گی، تو یہ سب مخلص لوگ تھے ان کو اپنی ذات کی فکر نہیں تھی، آج اپنی عزت کی فکر ہے یہ ہے کیا چیز؟ اس کی حفاظت کرنی چاہیے، لیکن کہاں تک اس کو بھی بتایا ہے قرآن مجید میں، پورا موضوع ہے کہ کن کن چیزوں میں ان کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ وہ چیزیں ہیں جو ہمارے علم میں ہونی چاہئیں، اسلام نے عقل کو ڈبیا میں بند کر کے رکھنے کا حکم نہیں دیا

ہے، یہاں تو بار بار ہے، أفلا یتدبرون، یعقلون، لأولی الألباب، آیتیں بھری پڑی ہیں، تو استعمال کرو لیکن ہر چیز کا استعمال صحیح ہو، اسی لیے عقل کا استعمال اگر صحیح نہیں کریں گے تو وہ معطل ہو جائے گی، اور ہر چیز میں تین باتیں ہیں، افراط، تفریط، اعتدال، ہر چیز میں ہیں ظاہر میں بھی باطن میں بھی، ایسے ہی عقل میں بھی ہے۔

حلال وحرام کا بھی امتیاز باقی رکھیں

بہر حال ہمارے اندر کسی درجہ میں یہ جذبات پیدا ہونا چاہئیں، جس کو جتنے ہو جائیں گے وہ اتنا ہی کام کرے گا، اور جس کو نہ ملے تو ہوتا ہی رہے گا، اور کیا، اور اگر حلال وحرام میں فرق کا ذوق بھی مٹ گیا تو پھر کیا حلال؟ اللہ خیر، یہ تو ہر وقت چیک کرنا چاہیے، حالانکہ حرام پیسے کے آنے سے تو ساری صلاحیتوں پر زنگ لگ جاتا ہے، تو سب سے پہلے حرام لقمہ سے بچنا ہوگا، تب تو لائق ہو سکتا ہے، اس مبارک کام کا، تو ہم کو اللہ نے جو مقام دیا ہے، اس کے لیے اپنے کو تیار کریں، اور اس کے جو اسباب ہیں ان کو اختیار کریں جن میں سے ایک ہے حرام سے بچنا، جو اس وقت سب سے مشکل ہے، اور سب سے اہم، اور اس وقت حالات کی خرابی میں مال کی خرابی بھی ایک وجہ ہے، یہاں تک کہ حلال کو بھی آج ہم نے حرام کر لیا ہے، جھوٹ بول کر اور غلط مال کی سپلائی کر کے، اور اب پیسہ ایسا ناپاک ہے، کہ جس کے اندر چلا جائے وہ ناپاک ہو جائے، تو یہ ان تمام چیزوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، تو تھوڑی بہت احتیاط کرنی ہی چاہیے، اور پھر مدد بھی ہوگی، اور غیر معمولی اس کے نتائج سامنے آئیں گے تو آج کے ماحول میں ہماری ذمہ داری بھی کچھ زیادہ ہے، بس آپ ہمارے لیے دعا کریں اور ہم آپ کے لیے کہ اللہ ایسے مواقع نصیب فرمائے جن سے دین کی نصرت کا کچھ سامان ہو سکے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین.

عصر حاضر میں علماء کو علم راسخ کی ضرورت

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ، ونشهد أن لا اله الاالله وحده لا شريک له ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وقرة أعيننا ومولا نا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه وذرياته وأهل بيته وبارک وسلم تسليما كثيراً، أما بعد!

محترم صدر مجلس اور علمائے کرام طلبائے عزیز!

ہم اور آپ اس وقت ایک عجیب وغریب دور سے گزر رہے ہیں، یہ دور اگر یوں کہیں کہ تداخل فصلین کا ہے، یا برزخی دور ہے ایک موسم آرہا ہے، دوسرا موسم جارہا ہے، اور ایک وقت جارہا ہے، دوسرا وقت آرہا ہے، جیسے مغرب سے پہلے کا وقت ہوتا ہے یا طلوع آفتاب سے پہلے، کہ ایک طرف تو وہ رات میں شامل ہوتا ہے، دوسری طرف وہ دن میں اب اس کو دن بھی کہنا مشکل ہے، اور رات بھی، تو ایسے دور میں امراض بہت ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا جب گرمی آتی ہے، جاڑا جاتا ہے یا گرمی جاتی ہے جاڑا آتا ہے، اور نئے ماحول کی آمد ہوتی ہے، تو اس کو قبول کرنے کی صلاحیت ذرا دیر میں پیدا ہوتی ہے، پھر اس کے بعد حالات ٹھیک ہوجاتے ہیں، اس وقت بھی کچھ ایسے ہی حالات ہیں کہ گرمی اور سردی دونوں ایک دوسرے سے مل رہے ہیں، تو طرح

طرح کے امراض میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں، ہمارے دار العلوم میں جب تداخل فصلین کا وقت ہوتا ہے، تو پورے ندوہ کی مسجد کھانستی ہے خاص طور سے جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں یا سجدہ میں جاتے ہیں، تو ایک ہنگامہ برپا ہوتا ہے، تو آسانی سے لوگ کہہ دیتے ہیں کہ موسم بدل رہا ہے، جن کے اندر جسمانی اعتبار سے صلاحیت اچھی ہے ان پر امراض کا اثر نہیں ہوتا، اور جن کے اندر کمزوری بہت پہلے سے ہے وہ بہت جلدی متاثر ہو جاتے ہیں، ایسے ہی معاملہ اس وقت بھی ہے کہ موسم بدل رہا ہے حالات تغیر پذیر ہیں، اور لوگ پہچان نہیں پا رہے ہیں، کہ رات آرہی ہے یا دن آرہا ہے؟ اور اس کی وجہ سے طرح طرح کے حالات پیش آتے چلے جا رہے ہیں، اور ہم لوگ ان کا مداوی نہیں کر پا رہے ہیں، اس کے لیے ہم کو اپنے آپ کو تیار کرنا پڑے گا اور اس کا اصول حدیث میں بیان کیا گیا تھا کہ ہماری اصلاح انہی بنیادوں پر ہوگی جن سے ہمارے پہلوں کی ہوئی ہے، وہ ہم نہیں بدل سکتے جو بنیادوں کو بدل دے گا، اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی، یا اصلاحی کاموں میں جو اپنی بنیادوں کو بدل دے گا اس کے اصلاحی کام بہت دیرپا نہیں ہوں گے، دوررس نتائج اس کے سامنے نہیں آئیں گے ہم کو وہی نمونہ اختیار کرنا پڑے گا وہی بنیادیں اٹھانی پڑیں گی، جو ہمارے بزرگوں نے سلف نے اٹھائیں تھیں، اور اسی پر چل کر ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔

نمائشی دور سے متاثر نہ ہوں

آج چونکہ دور نمائش کا ہے، تو اس کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں، لیکن آپ سب جانتے ہیں کہ وہ پندرہ روزہ ہی ہوتی ہے، یا ایک مہینہ کی، پندرہ سال تو کوئی نہیں چلا کرتی، لیکن جب وہ لگتی ہے تو بہار آتی ہے، اور لوگوں کی خوب آمد ہوتی ہے، لیکن اگر ایک آندھی آجائے تو یہ سب غائب ہو جائے، اس لیے کہ یہ تو نمائش تھی، اب جو عمارتیں مضبوط بنیادوں پر بنائی جاتی ہیں، ان عمارتوں کو آندھیاں ڈھا نہیں پاتیں، اور ان کے اندر جلتے ہوئے چراغوں کو ہوائیں گل نہیں کر پاتیں، وہ اسی طرح جلتے رہتے ہیں، لیکن

وہ عمارتیں بنتی دیر میں ہیں، اور آج کل کا مزاج یہ ہوگیا ہے جو ملے جلد ملے فوراً ملے، اسی لیے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، اور کہتے ہیں ایسی گولی دے دیجئے کام پر جانا ہے طبیعت بالکل ٹھیک ہوجائے، تاکہ اس وقت تو کام ہوجائے چاہے بعد میں جان ہی چلی جائے، اور پہلے کا جو طریقہ علاج کا تھا اس میں دیر تو لگتی تھی لیکن جب آدمی شفایاب ہوجاتا تھا تو ہی جاتا تھا یہ نہیں کہ روز کا رونا ہے، سر کے درد کے لیے، یہاں تک کہ کینسر میں پہنچ جاتے ہیں، تو ضرورت ہے اس کو سمجھنے کی اور یہ ہر لائن سے ہو رہا ہے، کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے یہاں تک کہ ہمارے یہ مدارس جن سے بڑی امیدیں قائم تھیں اور واقعی آج بھی امیدیں وابستہ ہیں، لیکن ضرورت ہے ان کو بروئے کار لانے کی ورنہ تو پھر چاند ہے لیکن بدلی میں چھپا ہوا ہے، تو اس سے کیا فائدہ؟ تو ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ باہر آئے، اور اپنی ضیا پاشیوں سے پورے علاقے کو منور کردے، اور روشنی دے، یہ بات آج نہیں ہو پا رہی ہے، کیونکہ آج معلومات اور مدارس تو بڑھتے جا رہے ہیں، لیکن علم گھٹتا جا رہا ہے اور رسوخ پیدا کرنے کی کوشش کم ہوتی جا رہی ہے، اور بس یہ ہے کہ ڈگری مل جائے یہ بات چل پڑی ہے، تو ڈگری ہولڈرس تو زیادہ ہوگئے، لیکن علم ہولڈرس کم ہوگئے، اس لیے دیکھنے میں عالم ہیں لیکن ہیں نہیں۔

کاغذی سند نے اعتبار ختم کردیا

عالم وہی ہے جس کو استاد کہہ دے چاہے سند ملے یا نہ ملے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب سولہ سال کے تھے تو ان کے والد نے ان کو اجازت دی تھی اور کہا کہ اب تم افتاء، قضا، درس سب کے لائق ہو، بس یہ کہنا سب سے بڑی سند تھی، لیکن اس سند نے کاغذ پر آنے کے بعد اپنی معنویت کو کھودیا، جب تک دل میں تھی یہ سند بہت اچھا تھا، اب تو یہ نوٹ کی طرح سے رہ گئی ہے جو سونے کا بدل ہے اگر سونا نہ ہو، اور اس سے زیادہ روپئے چھپ جائیں تو کسی وقت بھی اعلان ہوجائے گا وہ نوٹ ختم بے کار، تو ایسے ہی یہ سند بیکار کرنسی تو ہے لیکن سونا اس کے پیچھے نہیں ہے، اس لیے ثمنیت نہیں ہے، اور

سونا وہ علم راسخ ونافع ہے، اگر سند حاصل کرنے والے کے اندر یہ بات ہے تو وہ اس لائق ہے اور اس کو سند بھی مل جائے گی اور وہ چلے گی، اور اگر نہیں تو پانچ سو کے نقلی نوٹ کی طرح سے رہ جائیں گے، جس کو لینے پر ہر کوئی چیک کرتا ہے، اور مولانا دریابادی نے لکھا ہے کہ آج تک چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی ایسا عالم نہیں ہے جس نے اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا ہو اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ہر مذہب کا عالم ہر سال اسلام میں داخل ہوتا ہے لیکن اسلام کا کوئی بڑا عالم کوئی مذہب اختیار نہیں کرتا، لیکن افسوس کہ علماء کی ایک تعداد آج عیسائی ہو رہی ہے، قادیانی ہو رہی ہے، اور ہندو ہو رہی ہے، یہ مجھے علم ہے، اور اس میں ہر مدرسہ کے فارغ ہیں، جو بڑے بڑے مدرسے ہیں، تو اب یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں، کہ کوئی عالم دوسرا مذہب نہیں اختیار کرتا۔

اسی لیے حضرت مولانا نے ایک دن فرمایا کہ میں لوگوں کو جانتا ہوں اتنا جانتا ہوں اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ میں کتنا جانتا ہوں تو میرے پاس آنا چھوڑ دیں وہ، یہ میں نے خود سنا، اور بہت سے وہ لوگ جو حضرت مولانا کے مقرب تھے لیکن میں ان کے بارے میں حضرت مولانا کی رائے جانتا ہوں کیا ہے؟ تو مولانا نوٹ چیک کرنے کی طرح فوراً آدمی کو دیکھ کر بتا دیتے تھے کیا ہے یہ؟ حضرت مولانا تو اس تعلق سے بڑا پریشان رہتے تھے اور بہت روتے تھے کہ کیا ہو گیا ہے؟ اور یہ لوگ کدھر جا رہے ہیں؟۔

علماء اپنا مقام پہچانیں

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غلط جماعتوں کے لوگ غلط تحریکوں کے لوگ بھیس بدل کر نمائشی رنگ کے لیے سامنے آرہے ہیں اور ہمارے علماء ان سے اس طرح متاثر ہو رہے ہیں، کہ حیرت ہوتی ہے، ہو کیا گیا ہے؟ علماء کو تو خدا اس نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا، اور ایک بات اب میں ان علماء کے تفرقے کو دیکھ کر کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب سے دو سو سال قبل تک جماعت بنانے کا تصور تھا ہی نہیں ملتا ہے، تنظیم وغیرہ کا، یہ سب تحریف اور انحرافات کی شکلیں ہیں، اہل باطل نے یہ جماعتیں بنائی

ہیں، اہل حق نے کبھی نہیں بنائی ہیں، اخوان الصفا، خوارج، معتزلہ، قرامطہ، وغیرہ وغیرہ، لیکن اہل حق نے تو اللہ کے رسول نے جو علم کا راستہ دکھایا تھا وہی لوگوں کو دکھاتے رہے، امارت وخلافت ہے جماعت نہیں ہے، اس لیے کہ خلیفہ سب کا ہوتا ہے جماعت تھوڑوں کی ہوتی ہے، اور اس سے عصبیت بھی پیدا ہوتی ہے، اور تحریف کی شکلیں بھی نمودار ہوتی ہیں، کہ آدمی اپنی جماعت کی گاتا ہے حق بات نہیں کہتا، اسی لیے حضرت مولانا الیاس صاحب نے کام جب شروع کیا تو بار بار فرمایا یہ کام ہے جماعت نہیں ہے، اس کو جماعت مت بنانا، اور اس پر اپنے آئندہ خدشات کا اظہار فرمایا، جو ملفوظات میں ہے، تو کام سب سے متعلق ہوتا ہے جماعت کچھ افراد سے متعلق ہوتی ہے، اور جب جماعت بن جاتی ہے تو آدمی پھر جماعت کو دیکھتا ہے حق کو نہیں دیکھتا۔

لومۃ لائم کی پرواہ نہ کریں

حالانکہ اصول تو یہ ہے کہ آدمی قرآن وحدیث کو دیکھ کر صحیح بات بیان کرے، ہمارے علمائے کرام جن کو اللہ تعالیٰ نے علم راسخ عطا فرمایا تھا انہوں نے ہمیشہ یہ کام انجام دیا، اور لومۃ لائم کی انہوں نے پرواہ نہیں کی، کسی سے وہ ڈرے نہیں، بہت سے علماء تو وہ ہیں جو تنہا رہ گئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہی کی لاج رکھ لی، جیسے امام احمد بن حنبل معتزلہ کے مقابلہ میں اکیلے کھڑے ہوئے تھے حالانکہ اس وقت ان کا ایسا عروج تھا کہ جو ذرا بھی پڑھا لکھا ہوتا تھا معتزلی ہو جاتا تھا، لیکن آج معتزلہ مردہ ہیں احمد بن حنبل زندہ ہیں۔

اور یہی نہیں بلکہ حضرت مولانا نے لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت کی علامت یہ ہے کہ احمد بن حنبل سے محبت کریں ابن دقیق نے بھی یہ بات لکھی ہے، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے ارتداد کے موقع پر ابو بکر، اور احمد بن حنبل اگر یہ دو نہ ہوتے تو آج دین کا نقشہ کچھ اور ہوتا، انہوں نے دین کو سنبھال دیا اور یہ بتا دیا کہ حق اپنی شان کے ساتھ رہے گا اور انحرافات کی شکلیں باقی رہنے والی نہیں ہیں۔

علم گھٹنے کی علامت

آج مسئلہ بہت غور طلب ہے کیونکہ آج ہمارے وہ لوگ جن کو رہنمائی کرنی چاہیے وہ آج پیچھے چل رہے ہیں، ان کی حیثیت اس ٹٹو کی ہوگئی ہے جو جانور کے پیچھے بھاگا پھرتا ہے، کوئی ان کی حیثیت نہیں ہے، اور ایسی باتیں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں زبردستی، جن کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ بات بڑھتی ہی چلی جارہی ہے، اور یہ علامت ہے اس بات کی کہ علم بڑھے گا اور وہی مدرسے بڑھتے جارہے ہیں، کتابیں چھپتی چلی جارہی ہیں، اور لائبریریاں بھرتی چلی جارہی ہیں، اور آج سجانے کے لیے علم بڑھ رہا ہے، پڑھنے کے لیے نہیں، اسی لیے علم گھٹتا چلا جارہا ہے، اور بعض دفعہ پڑھنے سے بھی علم گھٹتا ہے، کیونکہ دو چیزیں ہیں افراط ،تفریط، اور اس امت کو اللہ نے وسط بنایا ہے جس کو وسطیت کہتے ہیں، یعنی بالکل سینٹر میں ہو، یعنی مکر والی عقل علم سے جڑ جائے، تو ہے یہ مکار کو عیار کو علم آجائے تو کیا ہوگا ؟ تو آج ہمارے اندر وسطیت کی کمی آگئی اور وجہ یہ ہے کہ ہم آج پڑھ تو رہے ہیں، لیکن اس زمانہ میں جن سے پڑھتے تھے وہ سب اللہ والے ہوتے تھے اندر کا روگ بھی نکل جاتا تھا اور علم دانشمندی کے ساتھ آتا تھا اب مکاری کے ساتھ آتا ہے جو نقل کرے ،کاپی بدلے، سند جھوٹی نکلوالے، تو پھر وہی الٹی سیدھی کتابیں لکھے گا، اس لیے عقل صحیح ہونی چاہیے اور یہ جبھی ہوگی جب علم کا مطالعہ گہرا ہوگا۔

نیک صحبت ضروری ہے

عقل صحیح ہوتی ہے کسی کے پاس رہ کر، حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ سائیکل موٹر سب کو چلانے کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے، تو اتنا مہتم بالشان علم اس کو تم استاد کے بغیر کیسے سیکھ لوگے؟ کسی کے پاس رہنا پڑے گا تب جا کے عقل سیٹ ہوتی ہے، ورنہ تو پھر عالم ہو کر بھی جاہل ہو جائے گا یعنی جو صحیح عالم نہیں ہوگا اس سے مسئلہ

پوچھا جائے گا تو وہ اپنی رائے سے فیصلہ کرے گا اور وہ جاہل ہے عالم نہیں، حالانکہ جب کوئی مسئلہ پوچھے تو نہ جاننے پر کہہ دینا چاہیے بتادوں گا، اس سے تو کچھ نہیں ہونے والا، لیکن چونکہ اس مفتی پنے کو بھی چھپانا ہے، اس لیے بتائیں گے ضرور، تو آپ لوگ علم راسخ پیدا کیجئے ورنہ ہوا کے اندر غبارے کی طرح اڑتے چلے جائیں گے۔

علم راسخ کی علامت

علم راسخ کے لیے کچھ باتیں ہیں وہ پیدا کیجئے اس کی کچھ شاخیں ہیں اگر وہ نہیں ہوں گی تو عالم کبھی نہیں بن سکتے، علم کے ساتھ یقین خشیت تقوی عمل، خشوع ہونا ضروری ہے، جب یہ پانچ شاخیں علم میں لگتی ہیں، تو وہ سدا بہار درخت کی طرح ہوتا ہے ثمر ریزی کرتا ہے اور ایسا عالم وہ ہے جس کے لیے سمندر کی مچھلیاں دعائیں کرتی ہیں، اور کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اس کی وہی تعریفیں ہیں جو حدیث میں آتی ہیں وہ عالم بننے کی ہم لوگوں کے اندر کسی درجہ میں کوشش ہونی چاہیے، اور اس کے جو آداب وابواب ہیں اس کے اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور آداب وابواب دونوں کی بجا آوری ضروری ہے، تو جلدی کسی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے، آج کل فتنے بہت ہیں، اور اس کے لیے چیک اپ بہت ضروری ہے، قرآن میں ہے ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبة:۱۱۹) سچوں کی صحبت اختیار کرو اور سچائی کے تین درجے ہیں، قول کی سچائی عمل کی سچائی حال کی سچائی، اگر یہ معلوم کرلیں تو آپ غلط راستہ پر نہیں جائیں گے تو اگر ان باتوں پر آپ دھیان دیں گے تو بچ سکتے ہیں، کیونکہ جو باتیں میں نے کہی ہیں پوری زندگی کے تجربہ اور دنیا کو دیکھ لینے کے بعد کہی ہیں اس لیے میں تو بتا سکتا ہوں، تو ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کا خیال رکھیں ورنہ علماء ہی کی بدنامی ہوتی ہے، کرتا ایک ہے، اور بدنام سب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور علم راسخ عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

صحیح علم انسانیت کا سبق سکھاتا ہے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئآت أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ، ونشهد أن لا اله الاالله وحده لا شريک له ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وقرة أعيننا ومولا نا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه وذرياته وأهل بيته وبارک وسلم تسليما كثيراً، أمابعد!

بزرگان گرامی قدر، سامعین کرام اور عزیز طلبہ!

جس عنوان کے تحت یہاں پر حاضری ہوئی ہے وہ عنوان بھی اگر ہم دیکھیں تو اپنے اندر ایک کشش رکھتا ہے، اور ایک حیرت نما استعجاب بھی رکھتا ہے، کہ انسانوں کو انسانیت کا پیغام سنایا جائے، یہ عجیب بات ہے، کہ شکر سے کہا جائے آپ کو شیریں بنانا ہے، اگر یہ کہا جائے تو حیرت میں پڑیں گے لیکن بسا اوقات یہ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ آپ نے پڑھا ہوگا

ہر کہ در کان نمک رفت نمک شود

کہ نمک کی کان میں اگر گدھا گر جائے تو نمک ہو جاتا ہے لیکن جب نمک کی کان میں گرنے سے کوئی نمک نہ بنے، تو اس پر کہنا پڑتا ہے کہ اپنی نمکینی ٹھیک کرو، اور اس کے کہنے کے لیے بھی بڑے اونچے سہاروں کی ضرورت ہے، کیونکہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ہر چیز کو ٹھیک کرنا آسان ہے، لیکن اگر نمک خراب ہو جائے تو اس کو ٹھیک کون

کرے گا؟ فمن یصلح الملح اذا الملح فسد؟ اور پھر لکھا ہے یا معشر العلماء أنتم ملح الارض، تو پیام انسانیت کا عنوان بھی کچھ اسی انداز کا ہے، کہ انسانیت جب انسان سے نکل جائے اور اس سے کہا جائے تم انسان بن جاؤ، تو حیرت بھی ہوتی ہے لیکن کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ اس کو کہنا پڑتا ہے کیونکہ انسان انس سے ہے، اس لیے کہ اگر انسان انس سے نہ ہو، تو یہیں پتہ چلتا ہے، کہ انسانیت ختم ہوتی جارہی ہے، گویا کہ ہر چیز کی کچھ علامت ہے جس سے آدمی پہچانتا ہے، کہ اس کے اندر وہ چیز ہے یا نہیں، اسی لیے آپ دیکھیں گے جو جتنا بڑا ہوتا ہے اتنا ہی اس کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اللہ کے نبیوں کو دیکھئے، یہودی آرہا ہے تب بھی استقبال، کافر آرہا ہے تب بھی، دل ہے یا سمندر، اور جو جتنا چھوٹا ہوتا ہے اتنی ہی اس کے اندر تنگی آتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ یہ میرا ہے یا نہیں میرے پاس کا ہے یا نہیں، فلاں کا ہے یا نہیں۔

حقیقت علم کو جانئے

اسی سے معلوم ہوا کہ آپ نبی کے جانشین نہیں ہیں، نبی کی جانشینی علماء کو ملتی ہے ،وہ ورثۃ الأنبیاء ہیں، اور ان کی خاص شق ہے علم، من أخذ أخذ بحظ وافر، تو اب اس کا مطلب یہ نہیں، کہ اور چیزوں میں جانشینی نہیں، صرف علم میں ہے، علم تو اعلیٰ ترین شق ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بات کا بتنگڑ بنالیا جائے، بال کی کھال نکالنا آجائے، ایسا ہر گز نہیں، اگر کوئی سمجھتا ہے تو غلط سمجھتا ہے، علم نام ہے یقین کا، خشیت کا، تقویٰ کا، عمل کا، یہ پانچ شاخیں ہیں، علم کی، اس کے بغیر معتبر ہونا مشکل ہے، اور ہم لوگوں نے اس کے برخلاف علم کو فلسفیانہ موشگافیوں کا نام دے دیا، حالانکہ اپنا بنانے کا نام علم ہے، دل کے دروازے کھولنے کا نام علم ہے، جب ہم اسی کو نہ سمجھے تو علم ہمارا کس کام کا؟ اور آج ہمارے حالات کچھ اسی طرح کے ہیں، کہ علم کہتے تو بہت ہیں، مگر اس کے آثار نظر نہیں آتے، کوئی اپنے حلقوں میں جڑا نظر آتا ہے کوئی دوسروں کو زیر کرتا ہوا نظر آتا ہے، دماغ کی سلوٹوں کو درست کرنے والے کم نظر آتے ہیں۔

رسوخ فی العلم اس کو کہتے ہیں

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا اگر الفاظ قرآن پر غور کیا جائے تو یہ خود اپنا تعارف کرادیتے ہیں، اور پھر فرمایا خاتم النبیین کا جولفظ ہے، بس یہی کافی ہے، کہ آپ آخری نبی ہیں، اور پھر فرمایا کہ ذرا ختم کو دیکھو قرآن میں کتنی جگہ استعمال ہوا ہے فرمایا تین جگہ ہوا ہے، ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ﴾(یٰس:٥٦)اور﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ﴾(المطففين:٢٦)اور ایک جگہ ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾(البقرة:٧)اب اس میں ہے کیا دل پر مہر لگادیں گے یعنی باہر کی چیز اندر نہیں جائے گی، زبان پر مہر لگادیں گے اندر کی چیز باہر نہیں آئے گی، اور ختامہ مسك، مشک پر مہر لگادی نہ باہر کا اثر اندر نہ اندر کا باہر، بالکل پیک ہوگیا، فرمایا بس ایسے ہی جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوات والتسلیمات ہیں، کہ جو آپ سے پہلے نبی ہو چکے ہیں، ان کو نبوت سے کوئی خارج نہیں کرسکتا، اور آپ کے بعد جو نبی ہونے کا دعوی کرے گا وہ نبی ہو نہیں سکتا، تو آپ خاتم النبیین ہیں، یہ علم ہے، کہ تردد نہ ہو مسئلہ بھی حل کردیں۔

سید احمد شہیدؒ نے ایک حدیث کا مسئلہ اسی طرح حل کیا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باہر گئے تو آتا ہے فاعجبته، عورت ان کو اچھی لگی، آپ گھر تشریف لائے حضرت سودہ کے پاس، تو اب یہاں أعجبته میں لوگ عجیب عجیب باتیں کہتے ہیں سید صاحب نے فرمایا کہ یہ تو آپ کے کمال کی علامت ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی کو پیشاب کرنا ہو صحت مند ہو، سڑک پر راستے میں دیکھا کہ ایک شخص نالی پر بیٹھا ہوا کر رہا ہے، تو اس کو بھی اپنا خیال آگیا تو وہ وہیں نہیں کرتا ہے بلکہ گھر آکر کرتا ہے، تو ایسے ہی آپ کو بھی خیال آیا تو اسی کا نام ہے علم، کہ تردد نہ ہو، کھینچا تانی اور چپ کرنے کا نام علم نہیں ہے۔

علامہ ابراہیم بلیاوی پر ایک بار دورہ پڑا الحاد کا، تو حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کے پاس الہ آباد آئے دوڑے ہوئے دروازہ پر ہی سے کہا وصی اللہ۔شاگرد ہیں۔مجھے بچالے میرا ایمان خطرہ میں ہے، تو شاہ صاحب نے فرمایا: حضرت کتے کا کام رکھوالی

کرنا ہوتا ہے جب چور گھس آئے گھر میں، غلام حاضر ہے آجایئے، بس فوراً ٹھیک ہو گئے کہا میں صحیح ہو گیا اب بیعت کر لے کہا نہیں، غلام کی یہ مجال کہاں؟ فرمایا میں تجھ کو حکم دیتا ہوں، تو پھر بیعت ہوئے، اس طرح تربیت کر کے انہوں نے تردد سے نکال لیا، تو یہ علم ہے اگر یہ آتا ہے تو انسانیت پیدا ہو جاتی ہے، جس کے انتظار میں ہیں ہم لوگ آج کل، کہ وہ کہاں روپوش ہو گئی ہے۔

رسوخ فی العلم پر یاد آیا کہ ایک عرب نے بتایا ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران:۱۲۳) اس میں مفسرین لکھ دیتے ہیں کہ ببدر سے مراد فی بدر ہے، ''ب'' فی کے معنی میں آتا ہے، تو عرب وہ بولے کہ کیا اللہ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ب، فی کے معنی میں آتا ہے؟ پھر بتایا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تمہاری مدد کی بدر سے، بدر میں نہیں، یعنی پوری انسانیت سے کہا جا رہا ہے اللہ نے تمہاری مدد کی بدر کے ذریعہ سے اور یہ گویا کہ ان تهلك هذه العصابة کی توضیح ہے، تو اب دیکھئے کہ اگر قرآن وحدیث سے انسان کی آشنائی ہو تو اس کی کیفیت بدل جاتی ہے۔

اگر صحیح علم ہوتا تو یہ حال نہ ہوتا

علم جب اندر آتا ہے تو آدمی کو بے چین کر دیتا ہے کیف طاری ہو جاتا ہے، جیسے گرمی سے آنے والے کو ٹھنڈا شربت مل جائے، تو اگر یہ بات پیدا ہو جاتی تو اس کی کیفیت بدل جاتی، اور روح رقص کرنے لگتی، آج ہمارا حال یہ ہے کہ جس میں کجی رہے تو کجی رہے، حالانکہ یہ ہمارے کجی کی علامت ہے، لیکن آپ کو کیوں اللہ نے بھیجا ہے دنیا میں اور کس کے بارے میں یہ آیتیں آئی ہیں ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران:۱۱۰) تو آدمی کو ماہی بے آب ہونا چاہیے، اور میں نے حضرت مولانا کو دیکھا ہے اس لیے جانتا ہوں، مولانا معین اللہ صاحب ایک مرتبہ تشریف رکھتے تھے مولانا اسحاق صاحب آگئے، وہ بڑا اچھا کلام اقبال پڑھتے تھے تو مولانا نے کہا حضرت ایک مجلس ہو جائے

حضرت نے کچھ نہیں کہا انہوں نے سمجھا شاید سنا نہیں، پھر کہا پھر کہا، یہاں تک کہ عشاء کے کھانے سے فراغت کے بعد کہا حضرت اسحاق آئے ہوئے ہیں ایک مجلس ہوجائے تو مولانا نے فرمایا، میاں معین اللہ تم تو سوجاؤ گے مزا لے کر، مجھے رات بھر نیند نہیں آئے گی، گولی بھی پھر کھاؤں گا تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یہ تھی تڑپ، ایک مرتبہ تو حضرت مولانا کو دیکھا تین مرتبہ انگلی اٹھا کر فرمایا اللھم فاشھد اللھم فاشھد، اے اللہ تو گواہ رہنا سب کچھ تو کہہ دیا ہے، اور اگر وہ حالات اپنوں کے کیا جس کے بھی دیکھتے تھے تو بے چین ہوجاتے تھے اسی لیے مولانا نے کہا کہ یہاں غیروں کا بھی حق ہے ان کو بھی ہدایت کے راستہ پر لایا جائے۔

قریب جاکر ہی مسائل حل ہوں گے

اسی کے پیش نظر مولانا نے پیام انسانیت کے کام کو شروع کیا، اور کہا اس کے بغیر وہ آپ کے قریب ہی نہیں آئیں گے اس کا اب تجربہ مجھے بھی ہورہا ہے، تو ہمارا یہ جو اسلام اور قرآن اور نبی ہیں، یہ سب کے ہیں ہمارے ہی نہیں ہیں، یہ سب لوگوں کو بتائیں، یہ جائیداد ہماری نہیں بلکہ سب کی ہے، یہ تو ہم نے ان کا حق مار لیا ہے، جو کہ ناجائز ہے، اور ایک بات اور ہے کہ سارے برادران وطن دو باتوں میں اٹکے ہوئے ہیں ایک تو اس میں کہ آپ ہمارے ملک کے خلاف ہیں، اور آپ کے اندر انسانیت نہیں ہے، تو یہ دو چیزیں ہم کو بتانی ہیں، صحیح طور سے، ہمارے سوامی صاحب وندے ماترم کے سلسلہ میں بہت اچھی بات کرتے ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ دیش بھکت ہیں یا نہیں؟ کہا نہیں، تو پھر کیا ہیں؟ کہا میں پرمیشور بھکت ہوں اور جو ایک کو مانتا ہے وہ اسی کا بھکت ہوتا ہے ہاں اس دھرتی کا پریمی ہوں ایسے ہی مسلمان بھی پریم کرتے ہیں اس دھرتی سے، تو محبوب سمجھیں معبود نہیں، یہ چیزیں ہم اسی وقت ثابت کرسکتے ہیں، جب ہم ان میں جائیں اور اگر نہیں جائیں گے تو ثابت کیسے کریں گے؟ اور جانے کے لیے پیام انسانیت کا دروازہ ہے، کہ ہم دیش کی حفاظت چاہتے ہیں، انسانیت کی خدمت چاہتے ہیں، اس کو لے کر

آگے ہم بڑھیں گے تو آپ ہمارے ساتھ آئیے تو وہ فوراً اس پر لبیک کہتے ہوئے آجاتے ہیں، اور یہ ایک ذریعہ ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کا، خاص طور سے اگر وہ یہ آیت سنتے ہیں، تو حیرت میں پڑ جاتے ہیں، ﴿مَن قَتَلَ نَفساً بِغَيرِ نَفسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحيَا النَّاسَ جَمِيعاً﴾ (المائدة: ۳۲) اور اگر ہم اس وقت کام کریں تو اندازہ ہوگا کہ وہ تو لالچ کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں آپ کو، وہ تو منتظر کھڑے ہیں آپ کے، لیکن ہم خود ان سے بھاگ رہے ہیں، تو کیا علاج ہے؟ حضرت مولانا کے زمانہ میں بعض پروفیسر حضرات بھی آئے اور اسلام قبول کرلیا، اسی راستہ سے، اور اس وقت سارے مذہب دیوالیہ ہیں، لیکن آپ اپنا دبائے ہوئے بیٹھے ہیں، اور آپس میں جھگڑ رہے ہیں، حالانکہ اگر نہ دباتے تو ہم صحیح رخ پر لگے ہوئے ہوتے تو فکر ہم سب کو کرنی ہے اور شفا جیسے بھی ممکن ہو سکے ہم کو حاصل کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں بہت بڑا ثواب ہے، تو ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ پہلے تو ان کی سطح کے مطابق بات کریں، اور برادران وطن کو سمجھائیں کہ ہم لوگ دہشت گرد نہیں ہیں، ہم انسانیت کے ماننے والے ہیں، لیکن یہ کہہ کر ہی نہیں ہوگا بلکہ ایجابی طور پر پیش کرکے ہوگا، تو ان کے ساتھ ہم کو اچھا سلوک کرنا چاہیے، تو ہمارے حالات خود بخود درست ہوجائیں گے تو ہمیں اس کام کو لے کر آگے بڑھنا ہے اور اس کی ترتیب بھی بنانا ہوگی، ہمارے حضرت مولانا کہتے تھے ملک کیسے بچایا جائے؟ تو ان لوگوں کو حیرت ہوتی تھی یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ تو اس میں وہ لوگ قریب آتے تھے۔

غلط فہمی کی انتہاء ہوگئی

آج ان میں بہت ڈر بیٹھا ہوا ہے ان کے اندر جس کا عالم میں بتا نہیں سکتا، میرے ساتھ اس طرح کے واقعات کئی مرتبہ پیش بھی آچکے ہیں، کہ وہ کتنا ڈرتے ہیں، ایک ہائی کورٹ کے وکیل ہیں، بہت اونچے، ان کو ندوہ میں ہمارے دوست لے آئے تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے تو میں نے سمجھ لیا مجھے تجربہ تھا میں نے کہا لگتا ہے آپ ڈر رہے

ہیں؟ بولے میں ڈر نہیں رہا ہوں ہم نے کہا ڈریئے نہیں بالکل اطمینان سے رہیے، چائے پیجئے، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہاں آپ کو کوئی چھ نہیں کرسکتا، بلکہ رات کے بارہ بجے ٹہلتا دیکھ کر آپ کے سونے یا چائے کو تو پوچھ سکتا ہے، پھر میں نے ان کو پورا ندوہ دکھایا تو بڑی حیرت میں تھے وہ۔

اسی طرح سے ایک نوجوان میرے پاس آتا تھا غیر مسلم، تو اس کے گھر والے کار سے کہیں جا رہے تھے راستہ میں پہیہ بھسٹ ہو گیا گاڑی کا، اور جہاں پر ہوا اس جگہ مسلمان ٹوپی لگائے بیٹھے ہوئے تھے تو بولا میرے گھر کی خواتین سیٹوں کے نیچے چھپنے لگیں، کہ آج تو گئے کام سے دہشت گردوں کے یہاں پھنسے ہیں، ادھر دھماکہ زور کا تھا سب مسلمان دوڑے ہوئے جب آئے تو یہ اور ڈر گئے کہا اب تو خیر نہیں، بہر حال انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ تو کوئی ان میں بتانے کو تیار نہیں تو اس نوجوان نے بتایا پہیہ اڑ گیا ہے، تو مسلمانوں نے دکان سے لاکر نیا لگوا دیا تو وہ سب لوگ بڑی حیرت میں رہ گئے کہ مسلمان بھی ایسے ہوتے ہیں، ہم تو اس طرح کے لوگوں کو دہشت گرد سمجھتے تھے، تو ان مسلمانوں کی وجہ سے کام ہو گیا وہاں، لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ بہت سی جگہ ہمارے ہی مسلمانوں کی وجہ سے کام رکا ہوا ہے، تو اگر ہمارا عقیدہ درست ہو، اور معاملات بھی غرض کہ ہم نمونہ پیش کریں، مکمل طور پر تو اثر ہوگا۔

پیغام آگے بڑھاتے رہیں

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان سب باتوں کا تدارک کریں، ورنہ ہم وارث خاص طور پر اسی کے ہیں، آیا تو یہ ہے کہ بلغوا عنی ولو آیة، کہ اس قافلہ کو بڑھاتے چلے جاؤ، ورنہ غائب ہو جائے گا، سب کچھ جزیرہ کی طرح، اس کو اگر بڑھایا نہ جائے تو وہ بھی ختم ہی ہو جاتا ہے، تو ہم کو اپنے آپ کو اس کام کے لے تیار کرنے کی ضرورت ہے، اور اگر لگیں گے اس میں تو اللہ اور راستے کھولتا چلا جائے گا اور یہ یاد رکھیں ہمارے حضرت مولانا فرماتے تھے اور لوگوں سے غصہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ سمجھانا چاہیے، انشاء اللہ پھر دیکھیں کہ کام ہوگا یا نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے لیے قبول فرمائے۔

عصر حاضر کے تقاضے اور ہماری ذمہ داریاں

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئآت أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ، ونشهد أن لا اله الاالله وحده لا شريک له ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وقرة أعيننا ومولا نا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه وذرياته وأهل بيته وبارک وسلم تسليما كثيراً، أمابعد!

بزرگان گرامی قدر اور دار العلوم کے طلبائے عزیز!

''عصر حاضر کے تقاضے اور ہماری ذمہ داریاں'' اس میں خاص طور سے علمائے کرام کی ذمہ داریوں کا جہاں تک تعلق ہے اس کو تو سب جانتے ہیں، اور کوئی بھی بیان کر سکتا ہے، کہ علماء کی ذمہ داریاں کیا ہیں، اگر وہی نہیں جانتے ہیں اپنی ذمہ داریاں کیا ہیں اپنے کام میں لگے رہنے کی وجہ سے تو کیا کہیں لیکن حقیقۃً عالم کہتے ہی اس کو ہیں جو اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہو اور عصر حاضر کے تقاضوں سے آگاہ ہو، یہ باتیں اگر نہ ہوں تو اس کو عالم کہنا ذرا مشکل ہے، تو اب تذکیر کا بھی چونکہ حکم قرآن مجید میں ہے تو اس کو یاد دلاتے رہنا بھی ذمہ داری ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں بھی آتا ہے جب وہ جدا ہوتے تھے تو والعصر پڑھتے تھے، اس میں ایک دوسرے کو یاد دلانا ہی ہے والعصر یعنی عصر حاضر کے تقاضے زمانہ شاہد ہے، یا زمانہ کی قسم، تو اللہ میاں نے یہ بتایا ہے کہ زمانہ کے تقاضوں کو

سمجھو، اور پھر فرمایا ان الانسان لفی خسر، کہ اگر تقاضے نہیں جانو گے تو خسارے میں رہو گے، کیونکہ اگر کوئی نہیں جانے گا کہ آگے کیا ہے؟ تو چلے گا کیسے؟ اب اس پر بھی دو باتیں اور بتلا دیں و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر، ایک تو حق کی تلقین کرو اور یہ بھی بڑا عجیب و غریب ہے غور کریں حدیث میں تو سمجھ میں آجائے گا اللہ حق ہے کتاب اللہ حق ہے رسول حق ہے، کتنے حقوق ہیں، یعنی پہلے حقوق اللہ، پھر حقوق العباد، یہ سب آگئے، تو ان کی تواصی ہونی چاہیے، ایک دوسرے کو تلقین، حق بات کہو، سچ بات کہو، تو اب اگر آپ نہیں کہیں گے تو ظاہر ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے، الحق مر۔

حق کہتے رہیں

اگر آپ اس پر محنت کرتے رہیں، تو کچھ دنوں کے بعد اس کا پھل میٹھا ہو جائے گا، اور مزا بھی آئے گا اور اگر ہم اس سے ہار رہے ہیں تو یہ توحید سے پوری طرح نا آشنا ہونے کی علامت ہے، تو حق پورا پورا دینا چاہیے، اور دلانے کی کوشش ہو جیسے والدین کے انتقال کے بعد دو بھائیوں میں سے ایک زبردستی مال لے لے، اور دوسرے کو نہ دے، تو اس کو برا لگے گا تو مال برابر تقسیم ہونا چاہیے، تو وراثت کی تقسیم صحیح ہو یہ بھی حق ہے، لیکن کہو گے جس سے، اس کو برا لگے گا، لیکن اس کو اچھے انداز سے کہو، جیسے کڑوی دوا پر میٹھی چیز لگا کر کھاتے ہیں، تو آسان ہو جاتی ہے تو اسی لیے جو حکمت کے بغیر سے کہتے ہیں، وہ اکثر دھوکہ کھاتے ہیں، تو اس کو بھی ٹوکنا حق ہے، تو پہلے تو کڑواہٹ سے گزرنا ہی پڑے گا، اس کے بغیر دنیا میں گزر رہی نہیں ہے، کسی بھی میدان میں، تو ہم کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنی چاہئیں، اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ہم خود کیا ہیں؟

بزرگوں کو نمونہ بنائیں

اس کے لیے مناسب ہے تاریخ دعوت و عزیمت پڑھ لیجئے، کہ کیسے ان لوگوں نے اپنے زمانہ کے تقاضوں کو سمجھا اور کس طرح کام کیا؟ اور ان میں سے کسی نے بھی نہیں پوچھا

تھا کہ تقاضے عصر حاضر کے کیا ہیں؟ بلکہ صراط مستقیم پر چلتے رہے اور جہاں دیکھا وہیں رک کر صحیح کر دیا، تو ہمارا معاملہ تو اس سے الٹا ہو گیا ہم کو چلنے سے پہلے ہی تقاضے چاہئیں، ایسا ہر گز نہیں، اور پھر ہم یہی چاہتے ہیں کہ ہم کرلیں ہم نہیں کر سکتے، بلکہ محنت ہی کر سکتے ہیں، اور کہہ سکتے ہیں، کرنا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اگر ایسا ہی رہا تو ہمارا اندر اور باہر الگ ہو جائے گا اور یہ کام شیطان کا ہے اور جو سچے لوگ ہوتے ہیں، ان کے یہاں اندر باہر الگ الگ نہیں ہوتا، یوں کہہ لیں کہ زبان اور دل کے جذبات میں لڑائی نہیں ہوتی، تو یہ منافقین وشیاطین کا شیوہ ہے اور جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں وہ سیدھی راہ پر چلتے رہتے ہیں ان کے لیے کھلی کتاب ہوتی ہے، اور اس کے نقوش بالکل جلی ہوتے ہیں، جیسے آپ نے فرمایا غصہ ہو یا خوشی جو میرے منھ سے نکلتا ہے وہ سب لکھو ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (النجم:۳) تو جو آپ کا متبع ہو گا اس کا حال بھی ایسا ہی جلی ہوگا۔

نور علم مطلوب ہے

لیکن اور کوئی ہے تو دکھاوے میں کچھ اندر کچھ، عجیب صورت حال ہوگی، اس کا تعلق اسلام سے اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے نہیں ہے، تو ہمارے علماء کی ذمہ داریوں میں سب سے اول یہ ہے کہ وہ اپنے کو صحیح علم کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں، اور علم روشنی ہے اور روشنی انسان کو انسان بناتی ہے، اسی لیے جو دعائیں آئی ہیں ان میں ”نورا“ کا لفظ بہت ہے، جب انسان صبح کو اٹھتا ہے تو نور والے الفاظ جو دعا میں بتلائے گئے ہیں وہ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ بتا سکے انسان کے لیے روشنی کی ضرورت ہے، جسم کے عضو میں، سب میں، اور واقعی ہے ہی انسان کے لیے روشنی کی ضرورت، اور یہ دعائیں اس لیے ہیں کہ جتنی بیماریاں ہیں ان سے ظاہری و باطنی طور پر بالکل ہم صحیح رہیں، تو یہ دعا کرائی گئی، اور کوئی کرے تو ظاہر بھی ہوتی ہے، کبھی لڑائی نہ ہونے کی شکل میں، اور کبھی کسی اور شکل میں، ایسے ہی جیسے اگر ابھی رات ہوتی اور روشنی

نہ ہوتی تو کوئی اس کے اوپر گرتا کوئی گڈھے میں گرتا لیکن اگر بلب جلا ہو تو کوئی نہیں ٹکرائے گا ایسے ہی جب اندر روشنی آتی ہے، تو اندر کی مخالفتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں، کیونکہ روشنی اور تاریکی میں لڑائی ہوتی ہے، روشنی روشنی سے تو صحیح رہے گی، لڑائی نہیں ہوگی، ایک بلب ہے دوسرا جلا دو، اور روشنی ہو جائے گی کوئی بات نہیں۔

اپنے کو سفید بنائیں

آج کل سب سے بڑا مسئلہ یہی سچائی کے ختم ہو جانے کا ہے، حالانکہ اس امت کو تو اندر و باہر دونوں ہی طرف سفید رہنے کا حکم ہے، آپ نے فرمایا: أحب الثیاب الی البیاض، (سنن الترمذی فی باب ما یستحب من الأکفان) کوئی دھبہ نہیں ہونا چاہیے، لیکن آج کل ہم باطنی وظاہری طور سے میل خورے ہو گئے ساری گندگیاں آچکی ہیں، اور کپڑا ابھی کالا ہے، اس لیے نظر نہیں آتا، نہ غیروں کو اور جب قریب جاؤ تو بدبو مار رہا ہوتا ہے، تو اس وقت سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہم زبان کے سچے ہو جائیں، عمل کے سچے ہو جائیں، حال کے سچے ہو جائیں، تو انشاء اللہ صدیق بن جائیں گے، اسی لیے کہا گیا ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ (التوبة: ۱۱۹)

تصوف وسلوک میں اجازت کی حقیقت

اسی لیے ہمارے مولانا شبیر صاحب نے لکھا ہے جو پیر حضرات جاہ و مال میں لگے ہوئے ہیں ان سے بیعت ہونے سے کیا فائدہ بجائے نقصان کے، چاہے ان کو کیسی ہی اجازتیں ہوں ایسا نہیں ہے کہ اجازت ہے تو جنت کے بالا خانے پر پہنچ گئے، ارے بھائی یہ تو بہت بڑا دھوکہ ہے، نفس کا فریب ہے یہ، یہ معاملہ بھی سند ہی کی طرح سے ہے، جیسے مدارس میں علماء کو مل رہی ہیں، تو کیا ان کو اس سے جنت مل گئی؟ تو ایسے ہی ان بزرگان دین پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی، اگر کوئی سمجھ رہا ہے، تو وہ جھوٹا ہے، حضرت تھانوی کو دیکھیے، کتنوں سے خلافت سلب کر لی، حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ ان کے

کوئی خلیفہ تھے، حضرت نے ان کے بارے میں تحقیق فرمائی معلوم ہوا گڑ بڑ ہیں، اجازت دے چکے تھے، تو اس وقت وہ بیمار تھے تو خط لکھا، کہ میں نے سنا ہے آپ بیمار ہیں، مزید بیمار کرنا نہیں چاہتا، اس وجہ سے میں نے آپ کو اطلاع نہیں دی، آپ کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے اس وجہ سے آپ سے خلافت واپس لی جاتی ہے، میری طرف نسبت نہ کیجئے گا، تو ہمارے اکابر یہ کرتے تھے۔

ہمارے حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے ہمارا مزاج واپس لینا کا نہیں ہے خلافت، ورنہ بعض حضرات ایسے ہیں، جن سے واپس لے لیتا، لیکن بات یہ ہے کہ اگر اس راستہ پر پڑے گا یعنی سنت کے راستہ پر اور سچے راستہ پر، تو آدمی ترقی کرے گا، ورنہ ہزار اجازتیں ہوں تو کچھ نہیں ہوگا، حضرت شیخ الحدیث کو میں نے کئی مرتبہ سنا کہ میں تم کو اجازت اس لیے دے دیتا ہوں سمجھتا ہوں ظاہراً تم اس راستہ پر چلنے لگے ہو لیکن اب اگر کوئی واپس آجائے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ یہ میں نے خود سنا۔

اللہ والوں کی دنیا ہی اور ہے

آج کل تو ہر چیز میں فنکاری ہوتی چلی جارہی ہے، ہمارے حضرت مولانا کے یہاں ایک صاحب آئے یوسف خان دلیپ کمار جن کا نام تھا، یہ مولانا کے پاس آکر بیٹھ گئے بہت دیر ہوگئی تو اس نے اپنا تعارف کرایا کہ حضرت میں نے بڑا کام کیا ہے فلمی دنیا میں اور میں ایسا ہوں تو مولانا نے فرمایا، بہت اچھے ٹھیک ہے آپ جا سکتے ہیں، تو بعد میں اس نے اپنا بیان دیا کہ زندگی میں دو ہی مرتبہ شرمندگی سب سے زیادہ اٹھانی پڑی ہے بس جن میں سے ایک حضرت مولانا کے پاس جب میں گیا تو سمجھ رہا تھا مجھے تو سب ہی جانتے ہیں، لیکن انہوں نے مجھے کچھ حیثیت کا ہی نہیں جانا۔ تو اب یہ حضرات تو الگ ہی دنیا میں رہتے تھے بھائی، لیکن اب اللہ اکبر، پہلے تو لوگ کہتے تھے، میں یہاں ہوں میرا دل مدینہ میں ہے، اور آج الٹا ہے میں یہاں ہوں میرا دل ممبئی میں ہے۔

اتباع سنت اصل ہے

سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ ہم اپنے دل کو سچا کریں، اور اتباع سنت کا اہتمام کریں، ایک نے ہمارے دوست سے پوچھا کہ بیوی کیسی ہونی چاہیے؟ تو انہوں نے کہا پہلی شرط یہ ہے کہ پاک دامن ہو، تو انہوں نے کہا اس کو چھوڑ دیجئے تو انہوں نے کہا آپ پوچھنا چھوڑ دیجئے، تو اس وقت اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ ذمہ داریاں کیا ہیں علماء کی؟ تو میں کہوں گا سب سچے ہو جائیں، جھوٹے ہوتے جا رہے ہیں، یہ ایک عجیب وغریب ڈھونگ ہے، اگر صحیح ہو جائے تو ایک آدمی سچا ہزاروں پر بھاری ہے، اور پھر عصر حاضر کے تقاضے تو بہت ہیں، جن کو کم وقت میں بیان کرنا مشکل ہے۔

کوششوں کا محور غلط ہے

ہمارے حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے جھاد فی غیر جھاد، مسلمان جہاں محنت کر رہے ہیں غیر جگہوں میں، وہاں سے ہٹ کر مسلمان صحیح جہاد کریں، تو حالات ٹھیک ہو جائیں، اس کے علاوہ تقاضوں میں سے اولاً عقیدہ ہے، پھر بداخلاقی کو دیکھئے معاملات کو معاشرت کو دیکھئے یہ سب تقاضے ہیں، جن پر بولنا ضروری ہے ہمارے علماء کو، اور علماء کو اجرت نہیں لینی چاہیے، اور برداشت اور صحیح معنی میں تواضع ہونی چاہیے۔

اخلاص وتواضع ضروری ہے

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک مرتبہ دو قادیانیوں کو جوابات دیے، علمی اعتبار سے، انہوں نے مضامین لکھے بداخلاقی پر، تو ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سلمان صاحب بہت خفا ہوئے، جب زیادہ ہوئے تو سید صاحب نے بلایا کہا سلمان آؤ اور یہ بکس کھولو اور یہ خطوط نکالو، پھر دکھایا اور کہا ان خطوط میں جن میں تین تین سطر کے القاب ہیں، اس پر کبھی تم نے نہیں کہا کہ ابا جان یہ زیادہ ہیں، اب اگر برائی کر دی کسی نے تو آگ بگولی ہو رہے ہو، تو یہ ہیں ہمارے بڑوں کی باتیں، اب ہم اپنے کو دیکھیں، کہ ہمارا رویہ کیسا

ہے؟ تو اجرت نہ طلب کرنے کے ساتھ اخلاص بھی لانے کی ضرورت ہے۔

نیک صحبت کی ضرورت

کوئی بھی آج تک ایسا نہیں ہے، جس کو بغیر صحبت کے سند مل گئی ہو، لیکن ہم لوگوں نے سمجھ لیا کہ فارغ ہو گئے تو فارغ ہی ہو گئے، اور سیکھنا سکھانا کچھ بھی نہیں، اسی وجہ سے آج ہر شخص فرعونیت وقارونیت میں مبتلا ہے، تو ضرورت ہے کسی صاحب نسبت کے ساتھ رہنے کی، اور اگر کوئی غلط نسبت والا ہے تو جہنم بھی طے ہے اس کو بھی دیکھ لیں، اب اگر صحیح نسبت ہوگی تو آپ کی فہم قرآن وسیرت النبی اور صحابہ سے ملے گی، ورنہ ایسا نہیں ہے، کہ خود پڑھ لیا، خود سمجھ لیا، اگر یہ ہے تو ضلوا فأضلوا، ہی میں مبتلا ہو کر رہ جائیں گے، تو اس کے لیے گہرائی بھی علم میں ضروری ہے، اس کو بھی پیدا کریں، انشاء اللہ اس کے بعد حالات کیسے ہی ہوں انشاء اللہ آپ نہیں گھبرائیں گے ورنہ آپ غلط چیزوں میں ہی الجھے رہیں گے اور آخرت میں تو نہ جانے کیا حال ہوگا بس ان چند باتوں کو سیکھنے اور سمجھنے کی عمل کرنے کی ہم کو کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

حقیقی طالب علم بننے کی ضرورت

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد الأولين والآخرين امام الأنبياء والمرسلين رحمة للعالمين محمد بن عبد الله الأمين وعلىٰ آله الطاهرين وصحبه الغر الميامين وعلىٰ من تبعهم ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين، أما بعد!

میرے بزرگو، دوستو، دینی بھائیو اور عزیز طلباء!

آپ حضرات نے جلسہ منعقد کیا ہے اور اس میں اظہار جشن کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جشن اچھا لگتا ہے اور جشن میں وہ سب ہوتا ہے جو آپ نے کیا ہے، بلکہ اس سے زیادہ بھی ہوتا ہے، یہ بجلیاں آپ نے لٹکائی ہیں، یہ قمقمے یہ مرکری آپ نے سجائی ہے، اور اس سے بظاہر اپنے آپ کو روشن کیا ہے، کیونکہ جب یہ روشنی بڑھتی ہے تو جس پر پڑتی ہے وہ روشن ہو جاتا ہے، یہاں جتنے بیٹھے ہوئے ہیں رات ہونے کے باوجود ان سب کے چہرے ان روشنیوں کی وجہ سے چمک رہے ہیں، اور امید یہ ہے کہ اندر سے بھی آپ خوش ہیں، کہ آج جشن کا دن ہے، جس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آپ کو خوشی عزیز ہے، اور جشن میں یہ ساری چیزیں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہوتی ہی ہیں، لیکن ہم کو اور آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے، کہ خدا نے ہم کو انسان بنایا ہے، جو ساری مخلوقات میں افضل ہے پھر علم سے وابستہ کیا ہے جس کی وجہ سے سارے مسلمانوں میں افضل ہیں، پھر علم دین سے تعلق قائم کیا ہے جس کی وجہ سے

سارے علم والوں میں ممتاز ہیں، تو اب ظاہر ہے کہ جب آپ کو اتنی امتیازی شان حاصل ہے اور اللہ نے آپ کو منتخب فرمایا ہے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے، کہ ہمارا انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟ آپ کو اللہ نے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ "العلماء ورثة الأنبياء"، (سنن أبی داؤد فی باب الحث علی طلب العلم) علماء انبیاء کے جانشین ہیں، اور انبیاء کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا ہے، ابھی ہمارے قاری صاحب نے تلاوت بھی کی ﴿الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ﴾ (الأحزاب: ۳۹) جس میں اللہ کے پیغامات اور احکامات پہنچانے کی بات کہی گئی ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو پہنچاتے ہیں، گویا کہ ذمہ داری آپ کی یہ ہے کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو پہنچانے والے بن جائیں، اسی وجہ سے ہر موقع کے لیے پیغام دیا گیا ہے، تو خاص طور سے یہ انتخاب آپ کے لیے کیا گیا ہے، تو یہ بات آپ کے اندر ہونی چاہیے۔

کرسی کا تقاضہ کیا ہے؟

اسی کے ساتھ یہ بات آپ یاد رکھیں کہ جس چیز کے لیے آپ کو عہدہ دیا گیا ہے، یا مقام و مرتبہ دیا گیا ہے، اگر وہ کام آپ نہیں کریں گے تو اس جگہ سے آپ کو ہٹا دیا جائے گا، میں یہاں بٹھایا گیا ہوں اس وقت کچھ کہنے سننے کے لیے اگر یہاں بیٹھ کر میں خاموش بیٹھا رہوں تو دو چار منٹ کے بعد بہت ادب سے چاہیں کہیں لیکن آ کر بڑے ادب سے کہیں گے مولانا آپ نیچے آ جائیے، ادھر بیٹھ جائیے، اس لیے کہ اس کا یہ تقاضہ ہے آپ بیٹھے کیوں ہیں؟ پیغام دینا ہے، اس لیے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے، اور ہر کہنے والے کو یہ سمجھنا بھی چاہیے کہ ہوسکتا ہے سننے والا آج نہیں تو کل اس سے بہت آگے جائے گا، اور کتنے سننے والے ایسے ہیں جو بہت آگے ہیں لیکن جب کرسی پر آپ بیٹھے ہیں تو آپ کو یہ کام کرنا ہے، ایسے ہی جب آپ کا انتخاب ہوا ہے، آپ کو چنا گیا ہے، خداوند قدوس نے آپ کو یہاں کا طالب علم بنایا ہے علوم نبوت

کو حاصل کرنے کے لیے رکھا ہے، تو آپ کو ان تمام علوم کو سیکھنا ہوگا اور آپ نہیں سیکھتے ہیں تو جیسا کہ میں نے عرض کیا یا تو ادب سے کہا جائے گا جناب تشریف لے جائیں، یا پھر کان پکڑ کر باہر کر دیا جائے گا، اور یہی اس وقت ہو رہا ہے، یا تو اس کو ہٹا دیا جاتا ہے، یا خدانخواستہ وہ وقت آجائے کہ کان پکڑ کر باہر نکال دیا جائے۔

حقیقی طالب علم مطلوب بن جاتا ہے

اس لیے ایک بات یاد رکھئے جو طالب علم واقعی طالب علم ہوتا ہے وہ فارغ ہونے سے پہلے مطلوب ہو جاتا ہے، اور جو صرف طالب علم رہے مطلوب نہ ہو تو وہ پھر حقیقی طالب علم نہیں ہے، اسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا بعض کو جن کو بہت سے اساتذہ کہنے لگتے ہیں کہ میاں تم کو فلاں جگہ پڑھانا ہے، تم کو یہ کام کرنا ہے، کہیں اور نہ جانا، اس لیے کہ وہ مطلوب ہو جاتا ہے، اور جس درجہ کا طالب ہوگا، اتنا ہی وہ مطلوب بنے گا یہاں تک کہ وہ مطلوب العلماء بن جائے گا، پھر مقبول العوام والعلماء بن جائے گا، اور اس سے بڑھ کر مقبول عند اللہ ہو جائے گا، اور محبوب خدا بن جائے گا، یہ ذریعہ ہے اس کا، لیکن یہ ہوگا اسی وقت جب آپ کا تعلق اس سے ہو جائے جس کے لیے آپ ہیں۔

آج اندر کی مایا لٹ چکی ہے

لیکن یہ یاد رکھئے جب آدمی کی اندر کی مایا لٹ جاتی ہے، تو ظاہر پرستی میں لگ جاتا ہے، ہمیشہ سے یہ بات چلی آرہی ہے، جشن کیوں ہوتا ہے؟ جب اندر کا جشن ختم ہو جاتا ہے تو آدمی باہر کے جشن کے چکر میں پڑتا ہے، اور جس کے اندر جشن ہوتا ہے اس کو باہر کے جشن کی ضرورت نہیں ہوتی، آج افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا حال بس یہ ہے کہ صورت ہمیں حالت مپرس، مشہور مقولہ ہے، کہ صورت دیکھو، حالت نہ پوچھو، تو آج مجمع دیکھئے، مجمع میں صورتیں دیکھئے، اگر بڑا جشن ہو جائے، بڑا مجمع ہو، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کو کوئی زیر نہیں کر سکتا، لیکن مجمع کا حال یہ ہے کہ زیر تو بہت دور کی بات پورا مجمع

اس وقت زیرو ہے، کوئی حیثیت نہیں ہے، اور یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، جن کا نام آپ لیتے ہیں، جن کا دم بھرتے ہیں، انہوں نے یہ کہا ہے کہ "غثاء کغثاء السیل" (مسند احمد بن حنبل) آخر میں تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے پانی کے اوپر پھینا ہوتا ہے، پھینا بہت نظر آتا ہے، ﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾ (الرعد: ۱۷) پھینے کا تعلق اوپر سے ہے نفع کے کا تعلق اندر سے ہے، نفع جا رہا ہے، پھینا آرہا ہے، کوالٹی کا اندر سے تعلق ہے، کوانٹٹی کا تعلق باہر سے ہے، کوالٹی جا رہی ہے کوانٹٹی آرہی ہے، کیفیت کا تعلق اندر سے ہے، اور کمیت کا تعلق باہر سے ہے، کیفیت ختم ہو رہی ہے، کمیت دیکھی جا رہی ہے، سر گنے جاتے ہیں جمہوریت میں کہ کتنے آدمی میرے ساتھ ہیں، یہ ہے آج کل کا دور، اسی وجہ سے آپ بزرگوں کے حالات اٹھا کر دیکھ لیجئے ایک ایک صحابی سارے عالم پر بھاری، اور ہم سارے کے سارے اپنے اوپر بھاری، اس کا نتیجہ کیا ہے؟ کہ مدرسے کھلتے جا رہے ہیں عمارتیں بنتی جا رہی ہیں، طلباء بڑھتے جا رہے ہیں، فارغین بڑھتے جا رہے ہیں، سندوں کے گٹ کا گٹ دیا جا رہا ہے، لیکن ابھی تک مستند نہ ہو پائے، کیا ہے ان کے پاس؟

اکابر کا اندر جگمگ تھا

ہمارے پرانے لوگوں کو دیکھئے نہ ان کے پاس عمارتیں تھیں، نہ ان کے پاس اتنی بھیڑ ہوتی تھی چند طلباء پڑھتے تھے لیکن ایک ایک ان میں سے پورے علاقے کو بدل دینے کے لیے کافی تھا، آپ اپنے بزرگوں کے حالات کو دیکھئے، اور وجہ یہ تھی کہ ہمارے اکابر کا اندر جگمگ کر رہا تھا، اور ہمارے باہر جگمگ ہے، اندر اندھیرا اور پھر اندھیر، اور باہر قمقمے اور چمک، اور اس زمانہ میں باہر اندھیرا اندر چمک، زمین و آسمان کا فرق ہو گیا، باہر کا تعلق دنیا سے ہے اندر کا تعلق دین سے ہے، اسی لیے یاد رکھئے جس کا اندر صحیح ہے تو وہ مزے ہی مزے میں ہے، کوئی اس پر خوف نہیں، اور جنت کا مزا محسوس کرنے لگتا ہے وہ، اور اس کے برخلاف جو جہنمی ہوگا اہل کفر اہل شرک میں سے

اس کی بے چینی بڑھتی جاتی ہے، نہ وہ خود اپنے بس میں رہتے ہیں، نہ گھر والوں کے،لیکن ہمارے مسلمانوں کے وہ بوڑھے جو صاحب ایمان ہیں ان کو دیکھیں ایمان تازہ ہوجاتا ہے،ان کو دیکھ کر، اللہ اکبر! اس عمر میں بھی کیا اطمینان ہے؟ کیا سکون ہے؟ یہ اسی وقت ہوتا ہے جب جشن ہمارے اندر ہو، اس کو علامہ ابن تیمیہ نے بھی لکھا ہے، اور کئی اکابر نے یہ بات کہی ہے، کہ میری جنت میرے سینے میں ہے۔

علم کا چشمہ کب جاری ہوگا؟

اسی لیے یہ بھی یاد رکھئے ایک علم ہے ظاہری ایک علم ہے باطنی اور اصلاً تو علم ایک ہی ہے لیکن ظاہری اس کو کہتے ہیں جو آپ لوگ حاصل کررہے ہیں، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہورہا ہے، اور ظاہری علم ہوتا اس لیے ہے کہ باطنی علم نکالا جاسکے، اور اگر نکلنے لگتا ہے تو پھر چشمے اس میں پھوٹنے لگتے ہیں، اور یہ سب اخلاص سے ہوتا ہے، اور اخلاص کے معنی ہیں بغیر ملاوٹ والی چیز، تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر اخلاص پیدا کریں، اور قرآن وحدیث سے صحیح تعلق قائم کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح توفیق سے نوازے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

نازک حالات میں اپنے مقام سے آشنا ہونے کی ضرورت

آپ اپنی انجمنوں کے افتتاح کے لیے جمع ہوئے ہیں، تاکہ آپ خود ایک وقت انجمن بن جائیں، اور اسی کے لیے یہ انجمن آرائی ہے، جس میں آپ سب تشریف فرما ہیں، لیکن میں آپ کے سامنے دو تین باتیں رکھوں گا، امید ہے کہ آپ غور سے سنیں گے، ابھی کہنے والے نے یہ بات کہی کہ زمانہ فتنوں کا ہے، اور فتنے اتنے زیادہ ہیں، کہ سب ان کو سمجھ بھی نہیں پاتے، اس لیے اس زمانہ میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے، اور اب فتنے بہت بڑھ گئے ہیں، اور احتیاط کم ہوگئی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت قریب ہے، کیونکہ جب دنیا میں کوئی اللہ اکبر کہنے والا نہیں رہ جائے گا، تو اس وقت قیامت آئے گی، کوئی عقیدۂ توحید پر قائم نہیں رہ جائے گا، تب قیامت آئے گی، جب کعبہ اپنی جگہ پر نہیں رہ جائے گا، تب قیامت آئے گی، ایسا محسوس ہورہا ہے کہ سب اسی طرف کھنچے چلے جارہے ہیں، علامات قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ سال مہینہ کے برابر ہوجائے گا، مہینہ ایک ہفتہ کے برابر ہوجائے گا ہفتہ ایک دن کے برابر ہوجائے گا، ایک دن ایک گھڑی کے برابر اور ایک گھڑی پھلجڑی کے برابر ہوجائے گی، تو آج بھی ایسا ہی ہوگیا ہے، کہ پتہ نہیں چلتا کہ سال کب ختم ہوگیا۔

اصل جوان کون ہے؟

اب تو آگے بڑھ کر کب جوانی آئی کب چلی گئی، میں تو یہ کہتا ہوں پہلے جوانی بڑوں کو ہمارے بزرگ جو گزرے ہیں ان کے یہاں آئی ہی نہیں تھی۔ ہمارے جوان کا نام تو

نوجوان ہے، لیکن نوجوان ہماشا ہیں، دو دور ہیں ایک طفولیت کا دور ہے بیچ کا دور غائب ہوگیا، اس کے بعد کہولت کا دور شروع ہوجاتا ہے، اور اس کے بعد شیخوخت کا دور ہے، اور اس کے بعد دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، تو جوانی اس کا نام تو ہے نہیں، جوانی نام ہے فکر کی جوانی کا، علم کی جوانی کا، عمل کی جوانی کا، لیکن یہ چیزیں اب بالکل رخصت ہوچکی ہیں اضمحلال اتنا آگیا ہے کہ کسی کو جوان کہنا مشکل ہے، آدمی اسی وقت توانا اور طاقت ور رہتا ہے جب اس کے اندر ہر چیز جوان ہو، فکر صحت مند ہو اگر صحت مند نہیں ہے تو آدمی صحیح نہیں ہے اسی طرح اگر اس کا عمل اچھا نہیں ہے، تو وہ آدمی اچھا نہیں، یہاں تک کہ اگر اس کا علم بھی اچھا نہیں تو وہ آدمی اچھا نہیں، اور ایک علم وہ اچھا نہیں جو علم نافع نہ ہو۔

دنیا طلبی کے لیے علم دین کا سودا جائز نہیں

ایک علم وہ اچھا نہیں جو ہے تو نافع لیکن اپنی نیت کی وجہ سے ہم نے اس کو غیر نافع بنادیا، جس کو حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جو دنیا طلبی کے لیے علم دین حاصل کرتا ہے وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا، اور حدیث میں جو قیامت کی علامت بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "تعلم لغير الدين" (كنز العمال) یعنی علم حاصل کیا جائے گا غیر دین کے لیے اس سے مقصد دین نہیں ہوگا، اب ایسی تمام چیزیں سامنے آچکی ہیں، جن سے محسوس ہوتا ہے، کہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں، اور یہ کسی نہ کسی درجے میں ہوتا ہے۔

حالات بگڑتے چلے جائیں گے

کیونکہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام سورج ہیں اور سورج سے جتنی دوری ہوتی چلی جائے گی، اتنا ہی اندھیرا بڑھتا جائے گا، اور اس کے جو فوائد ہیں کم ہوتے چلے جائیں گے، اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے، "لا يأتي عليكم زمان الا الذى بعده أشر منه" (صحيح البخاري في باب لاياتي

زمان الا الذی بعدہ شر منہ) جو زمانہ آگے آرہا ہے وہ برا ہی ہوگا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بارے میں پوچھا گیا غالباً حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا تھا کہ حجاج کے بعد وہ کیسے آگئے، تو کہتے تھے کہ اس کے بعد زمانہ خراب ہی آئے گا، تو انہوں نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ اگر ایسا ہی ہوتا چلا جائے تو سانس لینا مشکل ہو جائے، اللہ تعالیٰ سانس لینے کا موقع دیتا رہتا ہے، تو اچھے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں، اس وقت بھی اللہ کا کرم ہے کہ آپ کے سامنے اچھے حضرات بیٹھے ہوئے ہیں، آپ ان حضرات کو غنیمت جانیں، اور ان سے فائدہ اٹھائیں، اور اپنی حیثیت کو جانیں۔

کرنے کے کام

اس سب کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ آج ہم عربی زبان کی طرف دھیان دیں اور جو اردو انجمنیں ہیں ان کا بھی خیال رکھیں، اس لیے کہ ہماری اردو زبان بھی اس وقت کسمپرسی کے عالم میں ہے، اچھے اچھے پڑھے لکھے اچھی زبان نہیں جانتے اور الفاظ کا غلط استعمال کرتے ہیں، اس میں بھی بڑی توجہ کی ضرورت ہے، کہ جو زبان آپ استعمال کریں وہ اچھی ہونی چاہیے اور زمانے کے مطابق بھی ہونی چاہیے، ہمارے لکھنے والے اور تقریر کرنے والے بسا اوقات وہ زبان استعمال کرنے لگتے ہیں، جو اردوئے معلیٰ ہے اور پرانی زبان ہے، جو اب آج کل نہیں چلتی، پڑھنے والا بے چارہ خود بھی نہیں سمجھتا کہ کہیں سے نقل کر کے آیا ہے، اور جو سننے والے آپ کے طلبہ بیٹھے ہیں وہ نہیں سمجھ پاتے، ایسی زبان کا استعمال کرنا چاہیے، جو روز مرہ کی ہے، اور عام استعمال میں آرہی ہے ہاں اس کو سمجھنا چاہیے کیونکہ ہمارے بڑوں نے اس زبان کو استعمال کیا ہے، اس کا جاننا بھی ضروری ہے، بس میرے بھائیو اور دوستو! زیادہ باتیں کہی نہیں جاسکتیں کیونکہ ہمارے اکابر بیٹھے ہوئے ہیں ان کے سامنے لب کشائی بھی مناسب نہیں ہے، حکم دیا گیا اس لیے میں نے دو چار باتیں آپ کے سامنے رکھ دیں، اللہ تعالیٰ ہم کو نیک سمجھ عطا فرمائے اور علم راسخ عطا فرمائے جس سے زمانہ کے فتنوں سے بچا جاسکے۔

قرآن دائمی معجزہ ہے

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین الأولین والآخرین امام الأنبیاء والمرسلین خاتم النبیین محمد بن عبد اللہ الأمین وعلیٰ آلہ الطاھرین وصحبہ الغر المیامین وعلی من تبعھم ودعا بدعوتھم الیٰ یوم الدین، أما بعد!

بزرگان دین، اور ہمارے عزیز طلباء!

آج ہم لوگ بچیوں کے ختم قرآن کی تقریب میں جمع ہوئے ہیں، گویا کہ اس تقریب کا تعلق کلام پاک سے ہے، اور یہ کلام پاک ایک ایسا کلام ہے کہ آج دنیا میں کسی مذہب کے پاس کسی علاقہ میں کسی گروہ کے پاس ایسا کلام موجود نہیں، اور کلام کے متعلق خود صاحب کلام نے ایک ایسی بات فرمادی ہے جو ہمارے لیے باعث اطمینان اور اس کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کا احساس دلانے والی بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر:۹) اللہ تعالیٰ بہت تاکیدی الفاظ میں یہ فرمارہے ہیں، کہ "الذکر" کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس لیے کہ خالق کائنات کے علم میں یہ بات ہے کہ ہم نے جس انسان کو پیدا کیا ہے، وہ کسی بھی چیز کی حفاظت خود نہیں کرسکتا، اس لیے جن چیزوں کی حفاظت ضروری سمجھی، اس کا ذمہ خود لے لیا، اور یہ فرمادیا کہ ہم ہی نے اس کو نازل کیا ہے، اور ہم ہی اس کی

حفاظت کرنے والے ہیں، اور حفاظت کی شکلوں کا القاء والہام اپنے بندوں کے دل میں کردیا، اور علماء کے ذریعہ یہ بتادیا کہ تم جس قدر ان اسباب کو اختیار کروگے، یعنی جتنا تم کلام الٰہی کی حفاظت کی کوشش کروگے اللہ تعالیٰ اتنا ہی تمہاری حفاظت فرمائے گا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔

انسانوں کی حفاظت قرآن سے وابستہ ہے

اور ہماری حفاظت اس سے وابستہ کردی، اب اگر ہم میں سے کوئی شخص چاہتا ہو کہ اس کی حفاظت ہو تو اس کو چاہیے کہ کلام الٰہی کی حفاظت کرے، اور کلام الٰہی کی حفاظت کے مختلف پہلو اور مختلف شکلیں ہیں، ان میں سے ایک شکل تو سیدھی سیدھی یہ ہے کہ کلام الٰہی کے الفاظ سے اس کے ظاہر کی حفاظت کی جائے، جس کی یہ شکلیں ہیں جو ہمارے سامنے آرہی ہیں، مکاتب قرآنیہ، مدارس قرآنیہ، تحفیظ القرآن کے مدارس قائم کیے جارہے ہیں، یہ ظاہر کی حفاظت کی ذمہ داری گویا کہ نبھانے کی کوشش کی جارہی ہے، جس درجہ میں ہم اس کی حفاظت ظاہری طور پر کررہے ہیں، اسی درجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھی محفوظ کر رکھا ہے۔

ظاہر کی حفاظت

آپ اگر اس پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوجائے گی، آپ جائزہ لیتے چلے جائیں ہم ظاہر کی حفاظت کررہے ہیں، تو آج ہمارا ایک ظاہر لوگوں کے سامنے ہے، اتنی بڑی تعداد میں ہم ہیں، اتنے ہمارے ملک ہیں، اور ہمارے ساتھ نہ جانے کیسی کیسی امیدیں ہیں، اور کیسی کیسی آرزوئیں وابستہ ہیں، اس میں قرآن کی ظاہری حفاظت کو بڑا دخل ہے، یہ تو ایک ظاہری اس کی حفاظت ہوئی اس کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کو دشمن دوڑا رہے ہوں اور وہ بھاگا ہوا چلا جارہا ہو، وہ جاکر ڈی ایم صاحب کے بنگلے میں داخل ہوجائے، اور ڈی ایم صاحب اس سے یہ کہیں کہ

گھبراؤ نہیں اب تم محفوظ ہو، اور اس کو ایک کمرہ میں بٹھا دیں، اور کہیں کہ تم اس میں اطمینان سے رہو، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کمرے میں تالا لگا کر وہ اپنے گھر چلے جائیں نہ کھانے کو دیں، نہ پینے کو دیں، نہ کھڑکی سے وہاں ہوا آنے کی گنجائش ہو، نہ روشنی کا انتظام ہو، نہ اور ضروریات زندگی وہاں موجود ہوں، کسی چیز کا انتظام نہ ہو، بس یہ کہہ دیا جائے کہ آپ محفوظ ہیں، تو اس محفوظیت کا مطلب آپ خود سمجھ لیں گے کہ کیا ہوگا؟ وہاں چند روز تو وہ زندہ رہے گا لیکن اگر کمرہ میں اس کو اسی طرح بند رکھا گیا تو کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہو جائے گا۔

ہاں اس کی لاش کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اگر خوبصورت ہے تو دیکھنے میں اچھا لگے گا کہ لاش بڑی اچھی ہے، چہرہ بڑا خوبصورت ہے، لیکن جان نکل چکی ہے، اس لیے کہ جان کے لیے پانی کی ضرورت ہے، جان کے لیے کھانے کی ضرورت ہے، جان کے لیے جتنی ضروریات اس سے متعلق ہیں ان سب کی ضرورت ہے، ورنہ جان نکل جائے گی، آج ہمارا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔

قرآن کو ہم نے بند کر کے رکھ دیا

تو آج ہمارا معاملہ ایسا ہی ہو گیا ہے قرآن مجید کو ہم نے بند کر کے رکھ دیا ہے، اور بند کر کے رکھنا ہر طبقہ کی طرف سے کسی نہ کسی درجہ میں ہوا ہے، ہمارے عام طبقے کی بھی طرف سے ہوا ہے، خواص کی طرف سے بھی ہوا ہے، اور ہمارے پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے بھی ہوا ہے، بے پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے بھی ہوا ہے، سب نے قرآن مجید کے ساتھ جو وابستگی ہونی چاہیے اس وابستگی میں کمی کی ہے، میں نہیں کہتا کہ بالکل رشتہ ٹوٹ گیا ہے، اور ناوابستہ ہو گئے ہیں، وابستگی تو ہے ہر مسلمان کو ہے، قرآن سے تعلق ہے، اور قرآن سے محبت ہے، اور قرآن سے بہت سے لوگوں کو بہت زیادہ عشق ہے، لیکن تنہا یہ بات کافی نہیں ہے، یہ ویسے ہی ہے کیونکہ آپ نے اس کو بند کر کے ایسا رکھ دیا ہے، کہ اس کے فوائد سامنے نہیں آرہے ہیں، اس کے نتائج سامنے

نہیں آرہے ہیں، کیونکہ بند کرنے کی ہزاروں شکلیں ہیں، اب قرآن مجید کی ہم ظاہری حفاظت کررہے ہیں، تو وہ ہماری ظاہری حفاظت ایک حد تک کررہا ہے۔

باطن کی حفاظت

اگر قرآن مجید کی باطن کی حفاظت ہم کرنے لگ جائیں اور ہمارا ہر طبقہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر قرآن مجید سے اپنی وابستگی مضبوط کرلے، تو پوری دنیا میں انقلاب آسکتا ہے، آج پوری دنیا کا نقشہ بدلا جاسکتا ہے، آج جو بے عزتی کی ایک کیفیت ساری دنیا میں طاری ہے، وہ کیفیت عزت میں بدل سکتی ہے، آج جو ذلت کا ساری مسلمان قوم دنیا میں منھ دیکھ رہی ہے، وہ عزت کے بام عروج تک پہنچ سکتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک بات یادرکھنے کی ہے کہ جتنے انبیائے کرام آئے سب کو اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا فرمایا اور یہ حکم دیا کہ معجزہ کے ساتھ تمہارا تعلق بڑا مضبوط اور اچھا ہونا چاہیے، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی جب باہر آئی، تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کیا کہا﴿وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ﴾(الأعراف:۷۳) دیکھو اس کو گزند نہ پہنچنے پائے ،اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے، یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ تم لوگوں کی طلب پر دی ہے، لیکن جب ان لوگوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ کے عذاب نے آگھیرا، اور ان کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔

قرآن کریم ایک دائمی معجزہ ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کو جن کی نبوت دائمی ہے، جن کی رسالت دائمی ہے، اب کوئی نبی آنے والا نہیں، اگر کوئی دعوی کرتا ہے، تو وہ جھوٹا ہے، اور اس کے جھوٹ پر دلیل خاتم النبیین کہنا تنہا کافی ہے، تو نبی پاک کی رسالت دائمی ہے، تو آپ کو معجزہ بھی دائمی عطا فرمایا گیا، اور یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا، اور جس طرح ان معجزات کے ساتھ عزت وذلت وابستہ ہے، قرآن مجید سے

، جولوگ اس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، "ورائهم ظهريا" قرآن مجید نے کہا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو پس پشت ڈال دیا، جو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی وہ نہیں کرتے، اس کا نتیجہ آج ساری دنیا میں نظر آرہا ہے، میں کہتا ہوں کہ جو غیر مسلم ہمارے درمیان بیٹھتے ہیں، آج ہم نے قرآن مجید کو ان سے پوشیدہ رکھا ہے، قرآن کو اگر ایک طرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ "هدى للمتقين" ہے تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا گیا ہے ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة:١٨٥) قرآن کو جب شہر رمضان کے ساتھ وابستہ کیا گیا تو فرمایا گیا ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة:١٨٥)

قرآن ہدایت نامہ ہے

سارے قرآن میں آپ اٹھا کر دیکھئے جہاں قرآن کا تذکرہ ہے، وہاں آپ کو ملے گا کہ قرآن ہدایت نامہ ہے، اصحاب ایمان کے لیے، اصحاب یقین کے لیے، اصحاب نیازمندوں کے لیے، ماننے والوں کے لیے، ایمان بالغیب رکھنے والوں کے لیے، لیکن جب قرآن کا تذکرہ رمضان کے ساتھ آیا تو فرمایا سارے لوگوں کے لیے ہدایت نامہ ہے، یہ ہدایت نامہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، صرف ایمان والوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ "هدى للناس" ہے لیکن یہ کیسے ہوگا؟ کیا ہم نے اس ہدایت کو اپنایا نہیں، حالانکہ جب قرآن مجید میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں، تو کہتے ہیں "اهدنا الصراط المستقيم" اے اللہ! صراط مستقیم کی ہدایت فرما، اور صراط مستقیم کی ہدایت کیا ہے؟ صراط مستقیم عقیدے کی، صراط مستقیم عبادات کی، صراط مستقیم معاملات کی، صراط مستقیم تجارت کی، صراط مستقیم سیاست کی، صراط مستقیم حقوق کی ادائیگی کی، جس کی کوئی انتہا نہیں، جب آپ نے ہدایت مانگی اللہ نے فرمادیا ﴿إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يِهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ (بني اسرائيل:٩) یہ قرآن وہ ہدایت دے گا جو تم طلب کر رہے ہو، تو ضرورت اس بات کی تھی کہ ہر رکعت میں ہم پورا قرآن مجید تلاوت

کرتے ،لیکن اللہ تعالیٰ نے آسان کر دیا کہ تھوڑا تھوڑا بھی پڑھ لے گا تو اس کا کام ہو جائے گا، ہدایت مل جائے گی، مگر پیاس پیدا کر دے، اس طرح برابر پڑھتے رہیں اور سمجھ کر آگے بڑھتے رہیں، جو آسانی سے پڑھ سکتے ہو تلاوت کر سکتے ہو، پڑھو، لیکن تلاوت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم قرآن کے الفاظ کو تنہا پڑھتے رہیں، ہاں الفاظ کا پڑھنا اور اس کی تلاوت کرنا بھی مطلوب ہے جو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اور یہ ہمارے بچے الحمد للہ کر رہے ہیں، اور ہمارے بڑوں کو بھی کرنا چاہیے، ایک حصہ کی تلاوت ضرور ہونی چاہیے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہم سے کہا جا رہا ہے، اوامر قرآنی کیا ہیں؟ احکام قرآنی کیا ہیں؟ نواہی قرآنی کیا ہیں؟ ان کے متعلق رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے کیا فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں کیا تشریحات فرمائیں؟ تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے، آنکھوں کو اس قرآن کے اعتبار سے کیسے استعمال کیا جائے، دماغ کو قرآن کے اعتبار سے اور دل کو کیسے استعمال کیا جائے؟ جناب رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سلسلہ میں کیا نمونہ دیا ہے، آپ کے کیا اقوال ہیں؟ آپ کی کیا تعلیمات ہیں؟ اگر اس طرح ہم قرآن مجید کی حفاظت کریں، تو ہماری حفاظت کا نرالا ہی انداز ہوگا، اور قرآن کی ہدایت ساری دنیا میں عام ہو جائے گی۔

قلوب پر تلاوت کا اثر

آج کتنے لوگ ہیں، یہ غیر مسلم حضرات جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے، ان کے دل متاثر ہو جاتے ہیں، اس طرح کتنے لوگ ہیں جو تلاوت کو سن کر ہی ایمان میں داخل ہو گئے، اور کتنے وہ لوگ ہیں جو اپنے فن کے ماہر ہیں کوئی قانون کا ماہر ہے، قرآن کے در پر وہ آتے ہیں تو ان کو معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ در ہے جس سے ہماری پیاس بجھ سکتی ہے، اور وہ "لا الہ الا اللہ" پڑھنے لگتے ہیں، لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ قرآن پر ہم نے خود بھی عمل نہیں کیا، اور جب ہم خود بھی قرآن پر عمل نہیں کرتے ہیں، تو کس طرح اس پر دوسرے عمل

کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ ہم قرآن کو طاقوں میں رکھ دیں اور الماریوں میں سجادیں، بلکہ قرآن ہماری زندگیوں کے اندر انقلاب برپا کرنے آیا تھا، لیکن ہمارا تعلق اس سے کمزور ہوگیا اس کے حقوق کی ادائیگی میں ہم کوتاہی کرنے والے ہوگئے، اس کے پیغام کو عام نہیں کیا، نہ خود سمجھے اور نہ دوسروں کو سمجھایا جس حد تک ہم نے کوتاہی کی ہے اسی حد تک آج ہم شکست خوردہ ہیں، اسی حد تک ہم پسپائی کا شکار ہیں، اور آج ہم پیچھے کی طرف چلے جارہے ہیں۔

تو میرے بھائیو! یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ آج ہمارے بچوں کو قرآن کی تعلیم دی جارہی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو قرآن کا ترجمہ بھی سکھائیں، سورہ فاتحہ کا معنی معلوم ہوجائے، اور ہمارے پڑھے لکھے لوگ جو نماز پڑھتے ہیں، ان کو کچھ نہ کچھ سورتیں یاد ہونی چاہئیں، اگر ان کو چھوٹی چھوٹی سورتوں کے معنی بھی یاد کرادیئے جائیں، خاص طور سے سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، وغیرہ کا، تو بھی ہم قرآن کی حفاظت میں آجائیں گے، اور اللہ کی حفاظت میں آجائیں گے اور دنیا کی کوئی قوم اور دنیا کا کوئی دشمن ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا، بس اتنی بات اگر ہم سمجھ لیتے ہیں، تو ہم انشاء اللہ کامیاب ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اسباب کے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جس سے قرآن کریم کی قدر و قیمت پہچانی جاتی ہے، اور اس کی حفاظت ہوتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

قرآن پاک زندہ بھی زندگی بخش بھی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئآت أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ، ونشهد أن لا اله الاالله وحده لا شريك له ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وقرة أعيننا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه وذرياته وأهل بيته وبارك وسلم تسليما كثيراً كثيراً، أمابعد!

دوستواوردینی بھائیو!

قرآن مجید کا یاد کرلینا یا یوں کہیے کہ قرآن مجید کا یاد ہوجانا،قرآن مجید پڑھانا ،اس مبارک کام میں لگنا یہ اللہ کا کرم ہے،اور ہماری سعادت مندی ہے،قرآن مجید جب یاد ہوجائے تو اس پر شکر کا بجالانا اور اللہ کی حمد وثنا کے لیے جمع ہونا اور اللہ کا نام لینا اور اس میں شرکت کرنا یہ اس کا کرم ہے اور ہماری سعادت مندی ہے،اس لیے ہمارے اندر یہ بات ہونی چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کریں کہ کیسی عظیم الشان سعادت ہم کو عطا فرمائی،اور کیسی غیر معمولی دولت سے ہم کونوازا،یقیناً ہم اس لائق نہیں تھے محض ان کا فضل وکرم ہے ورنہ ہم نہ قرآن یاد کرسکتے تھے نہ اس کو پڑھ سکتے تھے اور نہ قرآن کے معانی کو سمجھ سکتے تھے،نہ سمجھا سکتے تھے،یہ ان کا کرم بالائے کرم ہے۔

قرآن پاک نیاز مندی کا طالب ہے

جو اس دربار میں آکر مانگتا ہے تو اس کے لیے دربار کے دروازے کھل جاتے ہیں، جو بھکاری بن کر آتا ہے، اس کی جھولی میں کچھ نہ کچھ دے دیا جاتا ہے، اسی لیے جو نیاز مندی کے ساتھ، طلب کے ساتھ، تڑپ کے ساتھ آتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے، اور اگر بے نیاز بن کر آتا ہے، مستغنی ہو کر آتا ہے تو اس کو نکال دیا جاتا ہے، اسی لیے قرآن مجید کی پہلی آیت میں فرمایا ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (البقرة:۲)

متقین کے معنی بھی نیاز مند ہیں

دار العلوم ندوۃ العلماء میں قرآن مجید کے ہمارے غیر معمولی استاذ مولانا محمد اویس صاحب ندوی نے جب یہ آیت پڑھائی تھی مجھے یاد ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں متقین کا ترجمہ بڑا مشکل ہے، اور ظاہر ہے کہ عربی کا ترجمہ آسان نہیں ہے، تو انہوں نے کہا کہ بعض دفعہ ترجمہ قرآن کی دوسری آیتوں سے سمجھ میں آتا ہے، یہاں پر انہوں نے ایک آیت پڑھی تھی ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى، وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَى، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى﴾ (الليل:۵-۱۰) اب یہاں انہوں نے فرمایا کہ استغناء کے مقابلہ میں اتقا کو لایا گیا تو یہاں پر ھدی للمتقین ترجمہ یہ ہوگا کہ استغناء نہیں برتتے ہیں، تو ان کے لیے ہدایت ہے، یعنی جو دربار قرآنی میں نیاز مندی کے ساتھ آئے گا کشکول طلب لے کر آئے گا، دامن پھیلا کر آئے گا، اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گا، کتاب والے سے یہ کہے گا کہ مجھے عنایت فرما دیں، بڑا محتاج ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو کچھ دے دے گا، جتنی طلب، جتنی تڑپ ہوگی اسی قدر ملتا ہے اور جس قدر آدمی نیاز مندی کے ساتھ آئے گا، اتنا ہی قرآن پاک کھلتا چلا جائے گا، اس لیے کہ یہ قرآن ہے، اللہ کا کلام ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کی ہدایت کے لیے ہم کو عنایت فرمایا ہے، تو ہماری ذمہ داری ہے کہ اسی

انداز سے اس کو ہمیں لینا چاہیے ابھی قرآن مجید پڑھانا شروع کیا لیکن ہم نے سمجھا ہی نہیں کہ قرآن ہے کیا؟ اکثر و بیشتر لوگ قرآن سمجھتے ہی نہیں کہ قرآن کیا ہے؟

یہ تو پاور ہاؤس ہے

قرآن مجید کے بارے میں سمجھانا بڑا مشکل ہے، جیسے پاور ہاؤس میں بجلی کا خزانہ ہوتا ہے، کہ اس سے کارخانے چلتے ہیں اس سے ٹرینیں دوڑتی ہیں، اس سے گھر کا نظام چلتا ہے، فرج اس سے ٹھنڈا ہوتا ہے، ہیٹر اس سے گرم ہوتا ہے، قمقمے اس سے جگمگا جاتے ہیں، سب اسی پاور ہاؤس کا نتیجہ ہے، قرآن پاور ہاؤس ہے، اس کے اندر کرنٹ ہے، ذرا سوچ سمجھ کر چھوئے گا اگر ایک طرف یہ بجلی دیتا ہے، پنکھا چلاتا ہے، تو دوسری طرف اگر غلط ہاتھ لگ جائے تو اٹھا کر پھینک دے گا، غلط تار بچ ہو گیا تو جلا کر خاکستر کر دے گا، قرآن معمولی چیز نہیں ہے، قرآن ایک مضبوط قلعہ ہے، جو اس کے اندر آ گیا محفوظ ہو گیا، قرآن پاک ایک گہوارہ ہے، امن کا، خوشی کا، ترقی کا، فوز و فلاح کا، جو اس سے وابستہ ہو گیا وہ نہال ہو گیا۔

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائے مال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

شیخ الحدیث کی عزت کیوں؟

ایک جگہ ہم نے بیان کیا قرآن پاک کی اہمیت پر روشنی ڈالی تو تقریر کے بعد ایک لڑکا دوڑا ہوا میرے پیچھے آیا کہ مولانا آپ نے قرآن مجید کے بارے میں جو بتلایا اس سے تو آنکھیں کھل گئیں، لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی، وہ یہ کہ قرآن جب اتنا عظیم الشان ہے تو عزت شیخ الحدیث کی کیوں ہوتی ہے؟ کہیں بخاری ختم ہو رہی ہے، اس کا بڑا ہنگامہ بڑا مجمع بلایا جاتا ہے، تو اس کے بہت سے جوابات ہیں، ہم نے کہا شیخ الحدیث کی عزت اس لیے ہوتی ہے، کہ وہ قرآن پاک پر عمل کرتا ہے، قرآن مجید پر عمل کرنے کی

وجہ سے شیخ الحدیث عزت پاتا ہے، اس سے یہ نکتہ بھی حل ہو گیا کہ قرآن مجید پڑھنے سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے، جب تک ہم اس پر عمل پیرا نہ ہو جائیں، اور اس سے اپنے آپ کو جوڑنے والے نہ بن جائیں، ایک تو سیدھی سیدھی بات یہ ہے۔

دوسرا جواب

اور دوسری بات یہ ہے کہ ابھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نعت پڑھی جا رہی تھی پیارے عزیز واس میں ایک شعر مولانا محمد اسرار صاحب ندوی نے پڑھا

تو درودوں میں ہے تو سلاموں میں ہے
تو نمازوں میں ہے تو اذانوں میں ہے
سارے عالم میں پھیل ہے خوشبو تری
سارے جگ میں تیرے نام لیوا بہت

بس مسئلہ حل ہو گیا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول کو جوڑ لیا ہے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الشرح: ٤) پوری دنیا میں ہر وقت یہ نام لیا جا رہا ہے، کیونکہ کہیں نہ کہیں سورج غروب ہو رہا ہے، کہیں نہ کہیں صبح صادق ہو رہی ہے، دونوں جگہ اذان ہو رہی ہے، تو نام دونوں کا لیا جا رہا ہے، اسی لیے شیخ الحدیث کی عزت ہوتی ہے، اسی سے مسئلہ حل ہو گیا، جو قرآن پاک کو بغیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کے پڑھے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

رسول اللہ کے ساتھ ہی قرآن سمجھ میں آتا ہے

جو ساتھ لگ کر چلے گا وہی اس مقام پر پہنچے گا، اور جو قرآن مجید کا نام لے کر غلط تشریحات کرنے لگتے ہیں، من مانی باتیں کرنے لگتے ہیں، تفسیر بالرائے کرنے لگتے ہیں، اور غلط اس کے الفاظ کے معنی بیان کرنے لگتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ قرآن جیسے کہ میں نے کہا کہ کلام اس ذات گرامی کا ہے جو صاحب جمال بھی ہے، اور صاحب جلال بھی، اگر

کوئی اس کے آداب کی رعایت رکھ کر آئے گا تو وہ صاحب جمال ہے، اور جو کوئی رعایت نہیں کرے گا وہ صاحب جلال ہے، تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید اس کو اوپر پہنچادے گا، ورنہ نیچے گرادے گا اسی لیے ﴿یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْراً وَّیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْراً﴾ (البقرة:٢٦) قرآن پھینک بھی دے گا اٹھا کر، اور قرآن اٹھا کر اوپر بھی پہنچادیتا ہے۔

بارگاہ قرآن میں باادب جائیں

اس لیے جب قرآن کی بارگاہ میں آئیں تو ہوشیار ہو کر آئیں، کلام رب العالمین ہے، کلام صاحب جلال و جمال ہے، اس سے اپنے رشتہ کو جوڑنا پڑے گا اور پہلے ہی کہہ دیا گیا پہلا ادب بتایا ﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ (البقرة:٢) اس کتاب میں اتنی بھی شک کی گنجائش نہیں ہے، اگر شک کیا تو مارے گئے، شک کو اٹھا کر پھینک دو، پھر آؤ، یعنی شک تمہارے اندر ہے، اس میں نہیں، اس لیے آگے فرمایا ﴿وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ﴾ (البقرة:٢٤) اگر عیب ہے تو تمہارے اندر ہے، روگ ہے تو تمہارے دل میں ہے، قرآن میں نہیں ہے، اگر تم کو شک نظر آرہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے، تو جناب اپنی عقل کا علاج کرائیں، اور آپ اپنی اصلاح فرمائیں، اپنا علاج فرمائیں، تب یہاں آئیں، تب معلوم ہوگا کہ قرآن کیا ہے؟ اسی لیے قرآن پاک میں پہلے ہی کہہ دیا گیا ہے، کہ تقوی کے ساتھ آؤ، اور ریب کو شک کو دل و دماغ سے نکال کر جب قرآن کے دربار میں نہیں آؤ گے تو خطرہ اس بات کا ہے کہ نقصان ہو جائے گا، اس لیے قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ آدمی بہت احتیاط کے ساتھ اس میں داخل ہو تو بہت کچھ ملتا ہے، دروازے کھل جاتے ہیں۔

بدن بھی پاک ہو اور دل بھی

ایک جگہ ابھی مسئلہ اٹھا لوگوں نے کہا کہ قرآن مجید کو بغیر وضو کے چھو سکتے ہیں، تو ہم نے وہاں پر یہ آیت پیش کی ﴿لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ (الواقعة:٧٩) کہ

قرآن کو بھی وہ ہی چھوئے جو پاک ہو، اب اس کے دو مطلب سیدھے ہو گئے، قرآن مجید کو وہی چھوئے یعنی اس مصحف کو جو طہارت کے ساتھ ہوں، اور اس کے معنی وہ بیان کرے جو دل کے پاک ہوں، یعنی تقوی ہو، اور معاملہ یہاں صاف ہو گیا کہ اگر دل صاف نہیں تو کچھ نہیں ملے گا، اور اگر دل کو طاہر کر کے قرآن کو چھوئے گا تو صحیح معنی سمجھ میں آئیں گے، اور دل ناپاک ہے تو پھر قرآن سمجھ میں نہیں آئے گا، ایسے ہی اگر آپ پاک ہو کر قرآن چھوئیں گے تو اس کا فائدہ حاصل ہو گا اس لیے ظاہری پاکی بھی ضروری ہے، اور باطنی پاکی بھی ضروری ہے، کہ قرآن مجید کے دربار میں جب آئیں تو اس طرح آئیں کہ ظاہر بھی پاک ہو اور اندر بھی پاک ہو۔

قرآن پاک کے لیے دل خالی ہو

ہمارے حضرت مولاناؒ فرمایا کرتے تھے ایک جگہ لکھا بھی ہے کہ جب قرآن مجید کے دربار میں آئیں، تو دل و دماغ میں جو جھاڑ اور جھنکاڑ ہے اس کو جھاڑ کر آئیں، خالی کر کے آئیں، پیالہ بھر کر نہ لائیں، تب آئے گا قرآن پاک......آپ پیالہ پہلے سے بھرے ہوئے ہیں افکار دل میں ڈیرا جمائے ہوئے ہیں، خیالات اندر ٹپک رہے ہیں، اور نہ جانے کیا کیا تصورات آپ کے دل و دماغ میں ہوتے ہیں؟ مثلاً: آپ شربت لے کر آئیں، اسی میں دودھ ڈال دیا گیا، تو نہ شربت رہا اور نہ دودھ، اور اگر کوئی خراب چیز لے کر آئے، اور اس میں دودھ ڈال دیا گیا، تو دودھ بھی گیا، اور آپ کی چیز بھی، تو پہلے اپنے آپ کو صاف کریں، دل و دماغ سے ہر چیز نکال کر صاف کر دیں۔

حضرت مولانا کا ایک ملفوظ

یہاں تک کہ حضرت مولانا نے بہت آگے کی بات لکھی ہے اس کو پڑھ لیجئے گا، علماء کے لیے ہے، کہ وہ بالکل صاف کر کے آئیں، قرآن کے دربار میں خالی ہو کر آئیں، بھکاری ہیں ہاتھ خالی ہے، دامن خالی ہے، آپ عنایت فرمادیں، تو قرآن

مجید کہتا ہے، کہ لو یہ لے جاؤ، یہ موتی ہے، یہ اتنا قیمتی ہے یہ فلاں جوہر ہے، یہ ایسی چیز ہے، اس سے تمہارے قفل کھل جائیں گے، یہ چابی ہے جو ہر قفل پر لگ جاتی ہے، حضرت مولانا کی ایک تقریر میں ابھی پڑھ رہا تھا، تحفہ برما حضرت مولانا کی کتاب آئی ہے، برما کی تقریریں عجیب وغریب ہیں۔

فارغین کو حضرت مولانا کی نصیحت

تو اس میں حضرت مولانا نے لکھا ہے ہمارے طلباء کے سلسلہ میں کہ جب آپ فارغ ہوتے ہیں تو یہ سمجھئے کہ آپ کو چابی دی گئی ہے آپ کہیں اور جا کر جہاں تالے لگے ہوں ان کو کھولئے، یہ نہیں کہ آپ چابی ہی کھودیں، تو تالا کیسے کھولیں گے، تو یہاں اس میں تھوڑا سا اضافہ کرتے ہوئے ہم نے یہ بات کہی اپنے دار العلوم کے طلبہ کے سامنے الوداعی تقریر میں ابھی ہم نے کہا۔

آپ قفل کھولئے خود مقفل نہ بن جائیں

آپ اگر جامعہ ملیہ جائیں، علی گڑھ بھی جائیں، یا کسی اور جگہ جائیں، سب جگہ میں کہتا ہوں تالے لگے ہوئے ہیں، چابی آپ کے پاس ہے آپ وہاں جا کر وہاں کے تالوں کو کھولئے، نہ یہ کہ آپ ہی جا کر بند ہو جائیں، وہاں گرفتار ہونے کے لیے نہ جائیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قرآن کی دولت عطا فرمائی ہے، کہ اگر آپ اس کی چابی کسی قفل پر لگا دیں، تو وہ تالا کھل جائے گا، لیکن معلوم تو ہو کہ چابی ہمارے پاس ہے، ایسا سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے پاس ہے ہی نہیں، اور اگر ہے تو اس کو بے کار کر دیا، اس چابی کو خراب کر دیا، اس کے دندانے توڑ دیئے، اور اس کے دندانے ٹوٹے کیسے ہیں؟

قرآن کی چابی کام کب بند کرتی ہے؟

جب قرآن پاک کی بے ادبی کی جاتی ہے، قرآن مجید کے ساتھ گستاخی کا معاملہ کیا

جائے، ﴿وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَناً قَلِيلًا﴾ (البقرة:۱۷۴) قرآن مجید کوفروخت کرتے ہیں، بھاؤ تاؤ کرتے ہیں، کہ ہم تمہاری دوکان میں پڑھیں گے اتنا پیسہ مل جائے گا، فلاں جگہ چلے جائیں گے، اتنا پیسہ مل جائے گا، قرآن مجید سراپا دولت ہے، پوری دنیا جس کے آگے ہیچ ہے تم نے اس کی کیا قدر کی؟ تم نے اسے فروخت کرڈالا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

یہ میری عقیدت کے دعوے قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں ویسے بھی ستایا جاتا ہوں

قرآن مجید کے معنی قرآن کے مطالب قرآن مجید کے اندر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کا سودا نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن پاک کا دنیا سے کیا مقابلہ

دنیا کی دولت ایک طرف اور دنیا کی دولت کیا ہے ہزار دنیا ئیں آجائیں، ساری دولتیں ایک طرف قرآن کی ایک آیت ایک طرف اس کا کوئی معاوضہ نہیں دے سکتا، قرآن مجید کا معاوضہ کون پیش کرسکتا ہے؟ اس لیے پہلے تو اپنی چابی کو درست رکھیے، کہ کہیں داندانہ خراب نہ ہوجائے، اسی لیے آج قرآن بظاہر لے کر جاتے ہیں، لیکن تالا کھلتا ہی نہیں، کیونکہ دندانہ ہم نے پہلے ہی توڑ دیئے، اس کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔

انقلاب قرآن پاک کے صحیح استعمال کا مرہون ہے

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر قرآن مجید کا آج صحیح استعمال کرلیا جائے سارے عالم میں انقلاب آجائے، لیکن ہاں وہی نبی کے ساتھ جوڑ کر نبی کے بغیر جوڑے ہوئے کام نہیں چلے گا، غلط فہمی ہے ان لوگوں کو جو ایسا سمجھ رہے ہیں، قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، لیکن اس کلام کی توضیح وتشریح اور تفسیر نبی علیہ السلام نے اپنے اقوال واحوال سے اعمال سے اور صحابہ کی جماعت سے امت کے سامنے رکھ دی ہے، تاکہ امت اس

سے ہٹنے نہ پائے، اور غلط ترجمانی قرآن مجید کی کرنے نہ پائے۔

قرآن پاک عجمیوں کی بھی کتاب ہے

تو میرے بھائیو اور دوستو! یہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں غیر معمولی دولت دی ہے، اور اللہ نے اس کے اندر اتنی کشش رکھی ہے ابھی ایک جگہ میں گیا وہاں ایک قاری نے اتنی اچھی تلاوت کی کہ مجھے مزا آگیا، بس میں نے کہا کہ یہاں سے ایک اور مسئلہ حل ہوگیا، ہم نے کہا عربی میں قرآن مجید ہے تو عجمیوں کی کتاب کیسے؟ سارے عالم میں اس کو بیان کیا جائے، وہ الگ چیز ہے، سب کی کتاب ہے، سارے عالم کی کتاب ہے، لیکن ہے عربی میں، تو جب ہم نے ان کی قرأت سنی تلاوت سنی اور ہم نے کہا اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ عجمیوں کی بھی کتاب ہے کہ جو سمجھے یا نہ سمجھے لیکن قرآن اس کو کھینچ لیتا ہے۔

قرآن پاک اصلاح کا محتاج نہیں

قرآن یہ خود اصلاح کرتا ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت نہیں، یہ غلط فہمی ہے، دیکھئے ہمارے بچے تجوید سیکھتے ہیں، کہ تجوید سیکھو، قرآن کے حروف صحیح کرلو، کہتے ہیں تجوید سکھائی جاتی ہے، قاف ایسا نکلتا ہے، تو یہ قرآن کے الفاظ صحیح کرنا نہیں ہے، اپنے حلق کو صحیح کرنا ہے، قرآن آپ کے حلق کو صحیح کرتا ہے، اب یہ قرآن کو کیا صحیح کریں گے؟

قرآن پاک آواز کو جمال دیتا ہے

اس لیے آپ کی آواز خراب ہے، تب بھی قرآن سے آپ کی آواز اچھی ہوجائے گی، اور اگر اچھی آواز ہے تو بہت اچھی ہوجائے گی، تو اس سے یہ کہ قرآن اچھا پڑھتے ہیں، قرآن نے ان کی آواز اچھی کردی، ان کو جمال دے دیا، ان کو کشش دے دی، تو بہت سے لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ میں اپنی وجہ سے ہوں ایسا کچھ نہیں

ہے،جس کے ذہن میں یہ بات آجائے،وہ گیا کام سے۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں
فیضان محبت عام سہی عرفان محبت عام نہیں

قرآن کے دو عاشقوں کا تذکرہ

ہمارے قاری وددالحی صاحب ندوی تھے، بڑے اچھے مقرر تھے اور قاری تو اتنے اچھے تھے کہ جب پڑھتے تھے تو لطف آجاتا تھا،ایک جگہ میں ان کے ساتھ گیا،تو انہوں نے تلاوت فرمائی،طبیعت کھل گئی،اس وقت ان کی عمر ۸۰/سال سے اوپر تھی،اور تلاوت کے بعد وہ کہنے لگے کہ جانتے ہو کہ آج اس ۸۵/سال کی عمر کا آدمی تمہارے سامنے اس طرح تلاوت کررہا ہے،یہ اس قرآن کی برکت ہے،میرے حلق کا کرشمہ نہیں ہے،یہ قرآن کی برکت ہے،اور ابھی ہمارے حافظ اقبال صاحب کا انتقال ہوا ہے،اتفاق سے وفات سے پندرہ روز پہلے ان کے پاس ملنے چلا گیا،ندوہ میں انہوں نے ۴۰/سال پڑھایا ہے،جب ابھی ملنے گیا،تو میرا ہاتھ نہیں چھوڑ رہے تھے،پکڑ لیا،بڑی محبت سے ملے،اور کہنے لگے کہ مولانا عبداللہ صاحب میری ۹۵/سال کی عمر ہے،اور اب بھی چار گھنٹے قرآن شریف پڑھتا ہوں،پندرہ دن پہلے کی بات ہے،اور مجھے کوئی بیماری نہیں ہے،الحمدللہ مجھے کوئی بیماری نہیں ۹۵/سال کا ہوں،اور یہ قرآن کی برکت ہے،بالکل تازہ بات ہے،تو میں ان کو دیکھتا رہا،ہاتھ پکڑے رہے،میرے اور لڑکوں کے بیچ میں تھے،وہ اس وقت کہنے لگے میں صبح آجاتا ہوں،ناشتہ کی فکر نہیں ہوتی،میرے لیے یہ ناشتہ اصلی ہے،بس آکر رات تک وہیں بیٹھا رہتا ہوں،یہی میری غذا ہے،تو آج ۹۵/سال کا ہوگیا ہوں اور بالکل ٹھیک ہوں،ابھی انتقال ہوا ہے،بہار کے سفر میں جانے والے تھے ٹھیک تھے،لیکن وقت آگیا تھا،جب وقت آجائے تو آجاتا ہے،اطمینان سے چلے گئے،تو قرآن سے تعلق رکھنے والوں کا یہ حال ہے۔

قرآنی اوصاف پیدا کرلیں تو......

اور قرآن کے پیغام سے جو تعلق رکھتا ہے، قرآنی اوصاف پیدا کرلے اس کا مقام کتنا بلند ہوگا، اس کا اندازہ مشکل ہے، اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا "کان خلقہ القرآن" (مسند احمد بن حنبل) آپ سراپا قرآن تھے تو آپ سب سے اونچے مقام پر تھے، ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم: ٤) پھر جو جتنا قرآن کو اپنے اندر اتارلے گا اتنا ہی اونچا مقام اس کا ہوتا چلا جائے گا، یہ اصل بات ہے ہمارے حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا تھا، دراصل قرآن ان کے اندر کسی درجہ میں آگیا تھا، اسی لیے فرمایا تھا میرا جتنا کام ہے وہ قرآن مجید کے طفیل میں ہے اور اسی کا نتیجہ یہ تھا جو میں کہہ رہا تھا، کہ قرآن مجید میں کرنٹ ہے۔

قرآن والا بلند ہوتا ہے

یہ قرآن جب اندر پیدا ہوجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ قرآن والے کی شان بلند کردیتا ہے، کتنا قرآن بلند ہے اتنا ہی وہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے، اور قرآن کی اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے وہ کبھی نیچے نہیں رہتا، اوپر ہی رہتا ہے، تو جو قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو جتنا قائم کرلے گا وہ ہمیشہ اوپر رہے گا، اور ہمیشہ اوپر بڑھتا چلا جائے گا، تو اگر ہمارے طلباء جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں یہ بھی اگر قرآن سے اتنا تعلق واقعی قائم کرلیں ظاہر میں پڑھا اس وقت امت ظاہری اعتبار سے قرآن سے کسی درجہ میں وابستہ ہے، تو ظاہری اعتبار سے کچھ حفاظت ہورہی ہے، اور اب وہ ظاہری معاملہ بھی کم ہوتا جارہا ہے، میرے بچپن میں میں نے دیکھا، میں ندوہ سے گھر پیدل جاتا تھا تو راستہ میں کئی گھروں سے قرآن کی تلاوت کی آواز آتی تھی، اب وہ بھی ختم ہوتی جارہی ہے، اور جس دن خدانخواستہ گھروں سے تلاوت بھی چلی گئی اور یہ حافظ چلے گئے تو بس پھر آپ پریشانیوں کے لیے تیار ہوجائیں، اور امتحانات جو ہلادینے والے ہیں اور پوری طرح

کمر توڑنے والے ہیں، اس کے لیے تیار ہو جائیں۔

حضرت مولانا کا اہل برما کو انتباہ

ہمارے حضرت مولانا جب برما گئے تھے تو حضرت مولانا نے وہاں تقریر کی اور کہا دیکھئے دو باتیں آپ سے کہہ دیتا ہوں، مسلمان نرم ہو گئے ہیں، جس کو اگر یوں کہیں گے تھالی کا بیگن ہو گئے ہیں، ان سے کہیے محنت کیجئے کہ فولاد ہو جائیں، اور ہمارے غیر مسلموں کے دل پتھر ہیں، اور فولاد ہیں، ان پر محنت کیجئے کہ وہ نرم ہو جائیں، اور ان دو کام کے علاوہ کوئی کام نہیں، یہ برما میں تقریر کی، اور پھر یہ کہا کہ اگر آپ یہاں کام نہ کریں گے تو میں آپ سے کہتا ہوں اندلس میں سب کچھ تھا آپس کی لڑائی اور عیاشی تھی، ان دو چیزوں سے وہاں کے لوگوں نے کنارہ کشی کی اللہ تعالیٰ نے کان پکڑ کر نکال دیا، حضرت مولانا نے یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اندلس سے کان پکڑ کر نکال دیا، برما میں یہ بات فرمائی، آج تک برما میں لوگ یہ تقریر یاد کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں مولانا کے جانے کے جانے کے تین سال بعد دوکانوں پر تالے پڑ گئے، اور پورے برما میں مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک ہوا، جو آج تک ہو رہا ہے، یہاں کے سلسلہ میں بھی حضرت مولانا نے بات کہی تھی۔

آپ ہوشیار رہیں

میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ نے یہ دو کام نہیں کیے تو اللہ تعالیٰ آپ کے بھی کان پکڑ کر یہاں سے نکال دے گا آپ کی دوکانوں پر تالے لگ جائیں گے، آپ کے کارخانے سیل کر دیئے جائیں گے۔

اس لیے اپنے اختلافات کو بھلاؤ اور اپنے تنازعات کو ختم کرلو، اور دعوت اپنوں میں بھی دو اپنوں کے اندر بھی پختگی پیدا کرو اخلاق حمیدہ پیدا کرو، کردار کے اندر پختگی پیدا کرو، اگر یہ کرو گے تو باقی رہو گے اور اگر خدانخواستہ یہ کام نہیں کیا تو یہاں بھی خطرہ

اسی کا ہے جو وہاں ہوا تھا۔

تاجر تجارت پر دعوت کو مقدم کریں

اور ایک جگہ یہ بھی حضرت مولانا نے فرمایا کہ اگر میرے سامنے تاجر بیٹھے ہوں اور مجھے اگر موقع ملتا تو میں ان سے کہہ دیتا کہ دس سال کے لیے اپنی دوکانیں بند کر دو، دس سال کے لیے اپنے کارخانوں کو چھوڑ دو، اور دس سال دعوت کی محنت کر لو، میں کہہ رہا ہوں کہ دس سال کے بعد تمہاری دوکانیں چمک جائیں گی، اور جتنا تم کو اب نفع نصیب ہو رہا ہے، اس سے دس گنا نفع ہوگا، تو میرے بھائیو اور دوستو! آج ضرورت اسی بات کی ہے۔

ڈبیہ ہلانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا

اور ہمارے جو خاص طور سے انگریزی لائن کے لوگ ہیں وہ تو بے چارے قابل رحم ہیں ان کے پاس تو کچھ رہ ہی نہیں گیا، کچھ بھی نہیں رہ گیا، نہ عقیدہ ہے، نہ اخلاق ہے، نہ کردار ہے اور نہ کوئی اور چیز، چند ٹکے ہیں، چند سکے ہیں، جس کو اچھالتے رہتے ہیں، جیسے بچوں کا کھلونا ہوتا ہے، پہلے تو کھلونے ہوا کرتے تھے، میری دادی بھی تھی، مجھے یاد نہیں، مجھ سے بعض بڑوں نے کہا میں چھ مہینہ کا تھا دادی صاحبہ کا انتقال ہو گیا، تو سارے گھر والے کہتے تھے ڈبیہ میں پیسے ہوتے تھے اور جب تم روتے تھے تو وہ ہلاتی تھیں، ایسے ہی ہمارے اس وقت کے مال دار، اس وقت کے پیسے والے ہیں، جب مصیبتیں آتی ہیں، تو ڈبیہ ہلاتے ہیں، اس ڈبیہ سے کیا ہونے والا ہے؟ میرے بھائیو! تم کو میدان میں آنا پڑے گا، اور کام کے لیے ہمت کی کمر باندھنی پڑے گی، اگر یہ کام ہے تو کرو، ورنہ تمہارے پیسوں سے، تمہارے ان عہدوں سے، تمہارے ان منصبوں سے ایک رتی امت کا فائدہ ہونے والا نہیں ہے، امت کا فائدہ اگر ہوگا تو دعوت کے کام سے ہوگا، اور اپنے اندر قرآن کے جو اصول وضوابط ہیں وہ پیدا کرنے ہوں گے۔

عظمت قرآن

ابھی ایک جگہ بہت سے غیر مسلم بیٹھے ہوئے تھے مجھے معلوم نہ تھا، قرآن کی کشش پر میں نے پوری تقریر کردی، تو وہاں سے کئی غیر مسلموں کے ٹیلی فون آئے، کہنے لگے آپ نے ایسی تقریر کردی ہے کہ مجھے پڑھنا پڑے گا، قرآن شریف کیا ہے؟ اس لیے ہم نے کہا، یہ قرآن پاک کی کشش ہے، یہ اپنی طرف مائل کرتا ہے، عام پڑھے لکھے لوگوں کا حال یہ ہے کہ کہتے ہیں بائبل بھی اللہ کی کتاب ہے، اور تورات بھی اللہ کی کتاب ہے، اور زبور بھی اللہ کی کتاب ہے، وید بھی اور قرآن بھی کتاب ہے، ہم کہتے ہیں بس ایک لفظ اس میں بڑھا لیجئے بس معاملہ ختم ہو جائے گا، وہ ساری کتابیں تھیں، ہم انکار نہیں کرتے، تھیں، قرآن پاک اب بھی اللہ کی کتاب ہے۔

قرآن پاک میں فطری خوبصورتی ہے

قرآن جو ہے وہ اللہ کا کلام ہے، اس لیے وہ خراب نہیں ہوسکتا، جیسا ہے ویسا ہی رہے گا، وہی طاقت وہی توانائی، وہی اس کے اندر انقلاب انگیزی، وہی تاثیر آج بھی اس کے اندر پائی جاتی ہے، اسی لیے دیکھئے جب کوئی بدصورت ہوتا ہے تو اس کو خوبصورت بنایا جاتا ہے، آج کل تو بہت تماشے چل رہے ہیں، ہماری پلاسٹک سرجری نے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا، سب ہو رہا ہے، اور جب دلہن بنتی ہے، تو اس کو سجاتے ہیں، لیکن جو خود اپنی جگہ پر حسین ترین ہو اگر اس کو آپ خوبصورت بنائیں گے تو خراب ہو جائے گی، اس کو اگر خوبصورت بنانے لگے تو خراب ہو جائے گا، ایسے ہی قرآن ہے، آپ اس کو اچھا بنانے کی کوشش کریں گے خارجی چیزوں سے، تو یہ خراب ہو جائے گا، یہ خود حسین ہے، اس لیے وید کے لیے گیتا کے لیے، رامائن کے لیے، انجیل کے لیے تورات کے لیے، آپ دیکھ لیجئے اٹھا کر باجا گاجا، تالی تماشہ ہوتا ہے، تب جا کے کچھ مزہ آتا ہے، اور اگر قرآن کے ساتھ آپ تالی اور تماشہ کریں گے تو

بے کار ہو جائے گا، تو قرآن اپنی جگہ پر ہے، حسن وجمال کا پیکر ہے، لیکن آدمی اس کو سمجھے، اس کے اندر غیر معمولی کشش ہے، پاور ہے، طاقت ہے، انرجی ہے۔

قرآن پاک نے جو کیا صحیح کیا

ایک بات اور ہے کہ اللہ جو کہتا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، اور غلطی کا امکان نہیں اور بڑے سے بڑا دانا اور حکیم ڈاکٹر بڑے سے بڑا فلسفی مصلح جتنے گزرے ہیں، جتنے قیامت تک آئیں گے، کچھ کہیں غلط ہوسکتا، لیکن قرآن مجید میں ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى﴾ (النجم: ٤٣-٤٤) اس آیت کے ذیل میں لکھا یہی بات تو فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کا کہا ہوا ہے اور اللہ کا کہا ہوا کبھی غلط نہیں ہوسکتا، اس لیے جو کروگے وہ پاؤ گے۔

تعلیمات قرآنی پر عمل بہار کی ضامن ہے

اب اگر ہم الفاظ کو یاد رکھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر کی حفاظت فرمائیں گے لیکن اگر ہم قرآن مجید کے معنی اس کے احکام اس کے اوامر اس کی تعلیمات پر عمل کریں تو اس کی برکتیں بھی ہم کو حاصل ہوں گی، اور سارے عالم میں بہار آجائے گی، صالح انقلاب آجائے گا، لیکن قرآن کو پہلے سمجھو تو۔

ہمیں آسانی سے وید نہ مل سکی

آج ہمارے مسلمانوں کا حال بھی وہی ہوتا جارہا ہے جو غیر مسلموں کے یہاں ہے، ہم کو وید کی تلاش تھی، ہمارے یہاں ایک مہاراج جی ہیں، ان کی بھی ضرورت تھی، تو میں خود غازی پور گیا، اور بنارس میں ساری جگہ ڈھونڈھی بہت مشکل سے ایک جگہ وہ بھی بہت گراں، جا کے ایک جگہ ملی، پر بڑی مہنگی خرید کر لائے۔

قرآن پاک ہر جگہ ہے مگر پڑھنے والے نہیں

اور قرآن ہر جگہ ہے لیکن پڑھتے نہیں، اور اگر پڑھتے ہیں، تو الفاظ پڑھتے ہیں، اس پر مطمئن ہیں، بڑے بڑے حضرات ہیں، ایک انگریزی پڑھا ہوا آدمی ہمارے پاس آیا، کہا ہمارا لڑکا عربی پڑھتا ہے، اوہ اوہ...... ماشاء اللہ! آپ کا لڑکا عربی بھی پڑھتا ہے، ماشاء اللہ بڑا آسان سمجھ لیا عربی کو، آپ کا لڑکا پڑھتا ہے، بے چارے جانتے نہیں تھے جیسے چھوٹا سا آدمی ہو جس کے عقل نہ ہو، عربی کیا پڑھتا ہے، ہاں یہ کہیے کہ قرآن کے الفاظ پڑھ رہا ہے، قرآن کی تلاوت سیکھ رہا ہے، یہ ان کا بڑا کرم ہے، انہوں نے تلاوت بھی تو ثواب کے ساتھ رکھی ہے، کہ تم تلاوت ہی کرلو، تمہارا بیڑا پار ہو جائے گا، اے عجمیوں! تلاوت ہی کرلو تمہارا بیڑا پار ہو جائے گا، لیکن اگر تلاوت بھی نہ کی تو پٹخ دیا جائے گا، بھون دیا جائے گا، اٹھا کے پھینک دیا جائے گا۔

قرآن مجید اذہان بدل رہا ہے

قرآن مجید...... ارے قرآن مجید...... ایک ایک لفظ اس کا ایسا ہے کہ اس وقت لوگ اچھل اچھل کر جا رہے ہیں، آج جو قرآن مجید کے سمجھنے والے ہیں، ان کی کیفیتیں بدلتی جا رہی ہیں، جو سمجھ کر پڑھ رہے ہیں، اس لیے عرب سنتے تھے وہ یک لخت بدل جاتے تھے کیفیت بدل جاتی تھی، سمجھتے تھے کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے، اسی لیے کہ قرآن مجید میں آیا ہے ﴿فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (الانبیاء: ۱۰) قرآن میں تمہارا تذکرہ ہے، اگر پڑھ لو، کہ جناب والا کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

قرآن مجید آپ کی ذاتی کتاب بھی ہے

قرآن میں آپ کا تذکرہ ہے، اگر آدمی کو معلوم ہو جائے کہ کسی کتاب میں ہمارا تذکرہ ہے، تو ہم اس کتاب کو خرید کر لائیں گے دیکھیں گے ہمارا تذکرہ کیسے ہے کہاں ہے؟ ایسی قرآن میں سارے انسانوں کا تذکرہ ہے، ساری جماعتوں کا تذکرہ

ہے، حضرت احنف بن قیس کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے قرآن کھولا کہ میں معلوم کروں کہ ہمارا تذکرہ کہاں ہے؟ حضرت مولانا نے اسے بیان فرمایا ہے، افادات قرآنی میں، ہمارے مولانا رسال الدین حقانی ندوی دہرہ دونی نے اسے قلم بند کیا ہے، کہ انہوں نے قرآن پاک کھولا اور اہل جنت کا تذکرہ پڑھا تو کہنے لگے میں ان میں سے نہیں ہوں، پھر اہل جہنم کا تذکرہ پڑھا تو کہنے لگے میں ایسا شقی و بدبخت بھی نہیں ہوں، بولے یا اللہ کیا تیرے قرآن میں میرا ذکر نہیں ہے ﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُواْ بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُواْ عَمَلاً صَالِحاً وَآخَرَ سَيِّئاً﴾ (التوبة:۱۰۲) کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اچھے عمل بھی کیے اور کچھ برے عمل بھی کیے ہیں، خلط ملط ہے، کہنے لگے کہ ہاں یہ تیرا تذکرہ موجود ہے، تو ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا سب قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے۔

قرآن مجید اس زمانہ میں کھلتا جارہا ہے

اور پھر یہی نہیں اب تو قرآن کے سلسلہ میں بہت باتیں آگے کی آرہی ہیں، قرآن کھلتا جارہا ہے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ”لاتنقضی عجائبہ“ (المستدرك للحاكم) قرآن مجید کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے نئی نئی باتیں روز آتی چلی جائیں گی، اور آج بھی چلی آرہی ہے اب یہ موقع نہیں کہ اب اس کو یہاں بیان کیا جائے، بہت سی اس سلسلہ کی چیزیں ہیں جو اس وقت کھل کر آرہی ہیں، بڑے بڑے سائنس داں، بڑے بڑے اپنے علوم کے ماہرین وہ قرآن کے سامنے آکر دب جاتے ہیں دبک جاتے ہیں، کہ اللہ اکبر اس میں اور بہت سے سائنس داں جو یورپ کے ہیں انہوں نے تو قرآن کی آیات پڑھ کر یہ کوشش کی ہے کہ سمجھیں کیا ہے؟ اس لیے کہ وہ قرآن کو سمجھتے ہیں کہ اللہ کا کلام ہے، اور جب اللہ کا کلام ہے تو غلط نہیں ہوسکتا، جو کچھ دنیا سائنس کی ہے وہ غلط ہوسکتی ہے، لیکن قرآن کا کہا ہوا غلط کبھی نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔

عقائد کی درستگی کے ساتھ درجات ہیں

تو بس میرے بھائیو اور دوستو! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا تعلق قرآن مجید کے ساتھ ہو جائے اور اس سے محبت پیدا ہو جائے اس کا ادب آ جائے اس لیے قرآن مجید پڑھتے چلے جائیں گے، حافظ کے اماں ابا کا اللہ تعالیٰ اعزاز فرمائیں گے، کہ اس کے سر کا تاج ہوگا، جو سورج سے زیادہ درخشاں ہوگا لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھئے گا کہ صرف حدیثیں سنا دی جاتی ہیں، جن کا عقیدہ صحیح ہوگا انہیں کے ساتھ یہ سب ہوگا، جن کا عقیدہ صحیح نہیں ہوگا ان کو کچھ نہیں ملے گا، یہ بتا دیتے ہیں صاف صاف کہ آج کل اس میں بڑی بے اعتنائی ہے کہ یہ سب عقیدہ درست ہونے کے بعد ہی ہے۔

عقائد کا زبردست بگاڑ ہے

میں کہہ رہا ہوں اور بار بار کہتا ہوں ہر جگہ کہتا ہوں، ہمارے ہندوستان میں عقیدے کی طرف سے بہت بے اعتنائی ہے، اور اس کی وجہ سے لاتعداد لوگ ایسے ہیں جن کا عقیدہ درست نہیں، لاکھوں دے دو مدرسہ میں ہونے والا کچھ نہیں ہے، اتنا بھی نہیں ملے گا، اور جس طرح ایجنٹ دھوکہ دیتے ہیں لائیے ہم کھاتہ کھلوا دیں گے اور اپنی جیب میں پیسہ رکھ لیا، اب اس نے چیک نہیں کیا کہ کھاتہ کھلا ہے یا نہیں، آپ کہتے ہیں کہ جمع کراؤ ہزار لے جاتا ہے، اور گھر میں لگا دیتا ہے، اس لیے چیک کرتا رہے کھاتہ صحیح ہے یا نہیں، کسی کے چکر میں نہ پڑیئے، اسی لیے اس میں چکر میں نہیں ڈالا جاتا۔

عقیدہ آپ اپنا درست رکھئے

اس لیے پہلے عقیدہ درست کروائیے، پھر کھاتہ کھلوائیے، اس کے بعد کتنے اچھے کام کرو، اس لیے کہ اگر کھاتہ نہیں کھلے گا، اللہ کے یہاں جمع کچھ نہیں ہوگا، اور وہ عقیدہ سے کھلتا ہے، عقیدہ پہلے درست کیجئے، تو اس کے بعد سارے کام آہستہ آہستہ ہوتے جائیں گے، انشاء اللہ ہر کام آپ کا قابل قبول ہوگا، ورنہ کوئی کام قابل قبول نہیں ہوگا۔

علم اور دین سے صحیح تعلق پیدا کرنے کی ضرورت

قد جاء عن النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ،طلب العلم فریضة علی کل مسلم،أو کما قال علیہ الصلاة والسلام،(سنن ابن ماجة فی باب فضل العلم والحث علی طلب العلم)وقد جاء عنہ صلی اللہ علیہ وسلم: خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ.(سنن أبی داؤد فی باب ثواب قراء ة القرآن)

بزرگانِ قوم وملت، طالبانِ علوم دین!

آپ اور ہم دونوں اس وقت یہاں پر جمع ہیں اور ہمارا اور آپ کا جمع ہونا علم کے لیے ہے دین کے لیے ہے، نہ آپ کا ہم سے کچھ لینا دینا ہے اور نہ ہمارا آپ سے لینا دینا ہے، لیکن دونوں کا ہی لینا دینا ہے جب دین اور علم ہو تو لینا بھی ہے دینا بھی ہے، ویسے آپ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لینا بھی ہے دینا بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر یہ صفات رکھی ہیں کہ وہ دیتا بھی ہے لیتا بھی ہے، اور یہ صفت ہر انسان کے اندر خدا نے رکھی ہے، چاہے وہ چاہے یا نہ چاہے، یہ عمل تو چلتا ہی رہتا ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو الگ بنایا ہے اتنے بہت سے بیٹھے ہیں سب الگ ہیں اور ہیں ایک جگہ، کسی کا چہرہ دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، یہ شان ہے خالق کی، اللہ تعالیٰ مصور ہے، سب انسان ایک ہیں، لیکن سب الگ الگ ہیں، اسی طرح ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ ایسی چیزیں رکھی ہیں جو اسی میں ہیں اس کے دوسرے میں نہیں ہیں۔ تو ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تو صفت ملی ہے، اسی وجہ سے یہ تحقیق تقریباً ہو چکی

ہے کہ انسان مرجاتا ہے لیکن مٹ نہیں جاتا، اس کے جسم میں ہڈی ہوتی ہے ذرہ کہہ لیجئے آپ، ہزاروں سال ہونے کے باوجود مٹی میں مل جانے کے باوجود اس میں تباہ ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ یہ شیاطین وانس جو ہیں یورپ کے وہ ایسے انسان بنانے کے چکر میں ہیں لیکن ابھی تک وہ مکھی نہیں بنا سکے، تو انسان کیا بنائیں گے؟ اور قرآن مجید میں اسی لیے مکھی کے بارے میں کہا گیا ہے ﴿وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ﴾ (الحج:۷۳) تا کہ حقارت سمجھ میں آئے۔

توہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صفت دی ہے جو دوسرے میں نہیں ہے، قرآن میں تو ہے ہی ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (الرحمن:۲۹) تو کل یوم هو فی شان کی تجلی ہر آن ہے، ہر لحظہ ہے، ہر جگہ ہے، اور اس کا مشاہدہ کرنے والے کرتے رہتے ہیں، دیکھنے والے دیکھتے رہتے ہیں اور اس سے معرفت الٰہی ان کو حاصل ہوتی ہے، اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے "کل آیة تدل علی أنه واحد" جتنی نشانیاں بھی نظر آرہی ہیں چاہے وہ دیکھی جانے والی ہوں یا پڑھی جانے والی ہوں یا مشاہدہ کی جانے والی ہوں ان سب سے ان کی پہچان ہوتی ہے کیونکہ وہ خالق بھی ہے باری بھی ہے، مصور بھی ہے، بدیع بھی ہے، بدیع اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی مثال نہ ہو، اور لاکر کھڑا کردے، خالق اس کو کہتے ہیں کھڑا کرنے کے بعد اٹھادے، اور باری اس کو کہتے ہیں کہ اٹھانے کے بعد بنادے، اور مصور اس کو کہتے ہیں بنانے کے بعد سنوار دے، تو یہ ساری صفتیں خدا کی ہیں، جس کی نیرنگیاں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی نظر آرہی ہیں۔

ہماری وحدت کا راز

ہم اور آپ جو یہاں جمع ہوئے ہیں وہ اسی علم کی بنیاد پر، اور دین کی بنیاد پر ہم سب الگ الگ ہیں، یہاں اکٹھا ہوگئے، اور یہی ایک بہت بڑی علامت ہے، کہ بتادیا گیا، کہ اگر دین کی بنیاد پر اکٹھا ہونا چاہوگے تو ہوسکتے ہو اور علم کی بنیاد پر اکٹھا ہونا چاہوگے تو ہوسکتے ہو ان بنیادوں کو چھوڑ کر اگر کسی اور کو پکڑنا چاہا تو ہم بکھیر دیں گے تو ہماری وحدت اگر قائم رہے گی تو علم کی بنیاد پر قائم رہے گی، تو دین کی بنیاد پر قائم رہے

گی اسی وجہ سے علم بھی ایک ہے اور دین بھی ایک ہے، علم اکائی ہے، اس کے اندر سندیت ہے، ایک یونٹ ہے ایک وحدت ہے، اس میں کوئی نہیں اور اسی طرح دین بھی ایک ہے دو نہیں، قرآن مجید میں اسی وجہ سے دین کا لفظ کہیں بھی جمع کے ساتھ نہیں آیا ہے، اُدیان پورے قرآن میں آپ کو کہیں نہیں ملے گا ﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران: ۸۵) کہ دین اسلام کے علاوہ کچھ اور چاہو گے تو اللہ قبول نہیں کرے گا اور قبول نہ کرنے کا مطلب کیا ہے؟ گئے کام سے یعنی اللہ قبول نہیں کرے گا، اگر تنہا اور جتنی چیزیں ہیں جو امتیازات ہیں خصوصیات ہیں ان کو اپنی جگہ پر رکھ کر دین کو آپ نے وحدت کا ذریعہ بنایا اور علم کو وحدت کا ذریعہ بنایا، تو ہماری یونٹ قائم رہے گی ورنہ نہیں، کوئی اور بنیاد نہیں ہے، زبان بنیاد نہیں ہے، وطن بنیاد نہیں ہے برادری بنیاد نہیں ہے علاقہ بنیاد نہیں ہے، کوئی چیز بنیاد نہیں ہے۔

تعارف تقاتل کے لیے نہ ہو

اسی لیے قرآن مجید میں ان کو کہا گیا ہے کہ سب تو صرف تعارف کا ذریعہ ہیں یہ تعارف کا ذریعہ ہیں لتعارفوا، لیکن ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) تو جو دیندار ہوگا وہ اللہ کے یہاں معزز ہے، مکرم ہے، وہ جس کو اپنے جلو میں لے لے، وہ بھی معزز و مکرم ہے، یا اس سے جو جڑ جائے وہ بھی عزت والا ہو جائے گا تو معلوم ہوا جو دیندار ہوگا معزز ہوگا اور وحدت و یونٹ میں قائم رہے گا، اور باقی رہے گا، اور جو ادھر ادھر مبتلا ہو جائے گا یعنی تعارف کو تقاتل کا ذریعہ بنا دیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ آپسی انتشار ہوگا یعنی یہ قبائل اور نسلوں کا کو لتعارفوا کہا گیا ہے، اس لیے ہے یعنی اگر آپ سب کا نام ایک رکھ دیں یہ اتنے بہت سے لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں سب ہیں اللہ کے بندے تو آپ سب کا نام لوں میں عباد اللہ، اور یا سب کا عبد اللہ رکھ دیں، تو سب کہیں عبد اللہ، اب کون سمجھے گا، یہ عبد اللہ یا وہ عبد اللہ، پہچان تو کچھ بنانی پڑے گی، آپ کا نام ہے، عبد الرحمان، عبد الرحیم، آپ کا نام ہے فلاں، یہ سب پہچان کے لیے ہیں سب کے نام، سب عبد اللہ ہیں، لیکن اب اگر

کوئی کہے آپ سے اے عبدالکریم تو آپ کہیں نہیں میں عبداللہ ہوں، عبدالکریم نہ کہیں، غلط ہے، پہچان تو کچھ ہونی چاہیے، آسانی کے لیے پہچان ہوتی ہے۔

اس وحدت کو اگر تقسیم کیا

یہ برداریاں یہ قبائل یہ وطنیتیں یہ قومیتیں یہ دنیا کی سب چیزیں سب پہچان کے لیے ہیں، جب ہم پہچان کو اس سے نکال دیں گے تو انتشار و خلفشار کا شکار ہوں گے اور سہولتوں کے لیے ہیں ان سہولتوں کو سمجھ کر اپنائیں گے تو ہم کامیاب رہیں گے لیکن اس کو جب اصل قرار دے دیں گے تو ہم ناکام ہوجائیں گے نامراد ہوجائیں گے خلفشار پیدا ہوجائے گا تو یہاں ہم اس لیے جمع ہوئے ہیں جب دین کے نام پر جمع ہوئے علم کے نام پر ہوئے، بیٹھے آکر اور اگر یہی ہمارے سامنے پیش نظر رہے تو کبھی ہماری وحدت تقسیم نہیں ہوسکتی، ہمارا اتحاد پارہ پارہ نہیں ہوسکتا ہم خانوں میں تقسیم نہیں ہوسکتے ہم اکائی کے ساتھ پوری طاقت کے ساتھ پوری توانائی کے ساتھ وہ کام کرسکتے ہیں، جو وحدتیں کیا کرتی ہیں، جو یونٹیں کیا کرتی ہیں، اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے اسی لیے اس شخص کو گالی دی ہے جو ان یونٹوں کو بانٹے جو خانوں میں تقسیم کرے، اور ادھر ادھر کے نعرے لگائے اور ادھر ادھر کی ذہنیتیں پیدا ہوں اس کے اندر، اس کو آپ نے سخت ترین بات کہی ہے تو حدیث میں آیا ہے ہمارے حضرت مولانا نے ایک موقع سے فرمایا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پاک زیادہ کوئی پیدا ہی نہیں ہوا، اور آپ کی زبان پر کبھی حق کے سوا کوئی بات آئی ہی نہیں، اور اچھائی کے سوا برائی کبھی ان پر گزری نہیں، اور اچھے الفاظ کے علاوہ آپ کی زبان پر کبھی حق کے سوا کوئی بات نہیں آئی اور اچھائی کے سوا برائی کبھی ان پر گزری نہیں، اور اچھے الفاظ کے علاوہ برے الفاظ ان کی زبان پر کبھی آئے نہیں، اور آپ نے نماز و روزہ بھی چھوڑنے پر اتنی سخت بات نہیں فرمائی جتنی آپ نے اس طرح کے نعرے لگانے والے کو کہا، فرمایا "من تعزی علیکم بعزاء الجاھلیة فاعضوہ بابیه ولا تکنوا" (کنز العمال) ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ اتنی سخت بات کبھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز و روزہ کے تعلق سے بھی نہیں کہا، جو

اس طرح خانوں میں تقسیم کیا جانے بانٹا جانے جاہلیت کا نعرہ لگانے برادری وادی کا نعرہ لگانے قومیت کا نعرہ لگانے والے اور بے جا وطنیت کا نعرہ لگایا جانے پر فرمایا۔

لیکن وطنیت بھی اپنی جگہ پر، برادری بھی اپنی جگہ پر، اس کو تو قبول کیا ہے اسلام نے لیکن سب کو اس حساب سے ایک لڑی میں پرو دیا ہے، کہ اگر آپ اس کو لے کر آگے بڑھیں تو نہ برادری کا شیرازہ منتشر ہو اور نہ وطنیت پامال ہو، اور نہ ہماری قومیت ہمارے پیروں کے نیچے روندی جائے نہ ہماری اور جو چیزیں ہیں وہ ختم ہوں اور پامال ہوں لیکن اس طرح اسلام نے اس کو نکالا ہے کہ دین کی ایک لڑی میں ہم سب پروتے چلے جائیں اور پھر اس کو جس کے گلے میں ڈال دیا جائے وہ چمک جائے۔

دین وعلم ناقص نہ ہو

میرے بھائیو اور دوستو! یہ اتنی اہم بات ہے اکثر و بیشتر ہم اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور نظر انداز اسی لیے کرتے ہیں کہ ہمارے پاس صحیح دین صحیح علم نہیں، علم ہے لیکن ناقص ہے، اور دین ہے لیکن نامکمل دین صرف نام نہ عقیدہ کا ہے نہ عبادات کا ہے نہ معاملات کا ہے نہ تعلقات کا ہے نہ سیاست کا ہے نہ معاشرت کا ہے، دین تو ان تمام چیزوں پر حاوی ہے، اسی طرح علم یہ کسی خاص فن سے متعلق نہیں، نہ عورتوں کے ساتھ نہ مردوں کے ساتھ نہ بڑوں کے ساتھ نہ چھوٹے کے ساتھ نہ قریب کے ساتھ نہ بعید کے ساتھ، علم ہر ایک کے ساتھ "کل من دعا أنه مسلم فعليه أن يقرب العلم،طلب العلم فريضة على كل مسلم"(سنن ابن ماجة فی باب فضل العلم و الحث على طلب العلماء) یہ نہیں کہا گیا کہ طالب علم علم حاصل کرے، فلاں مدرسہ کا پڑھا ہے وہ علم حاصل کرے، فلاں علاقے کے لوگ علم حاصل کریں فلاں برادری کے لوگ علم حاصل کریں، فلاں خاندان کے لوگ علم حاصل کریں، بس اتنا کہا گیا ہے، علم حاصل کرو۔

جب علم آجاتا ہے

اگر علم آجائے تو اس علم کے آتے ہی چمک پیدا ہوجاتی ہے روشنی پیدا ہوجاتی

ہے، جیسے بجلی نہ ہو، اور اندھیرا گھٹاٹوپ ہو تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ ماچس ہے تو ماچس جلا لیتے ہیں، کوئی چیز ڈھونڈھتا ہے آپ کو اندر راستہ طے کرنا ہے اور کچھ نہیں ہے اس کو فوراً تو آپ ماچس جلالیں گے تھوڑا سا آگے بڑھ جائیں گے اور کچھ نہیں ہے تو موبائل ہے اس کو تھوڑی دیر کے لیے جلالیا آگے بڑھے، تو اندر ایک پرانا تیل کا پلیتا تھا آپ نے جلا دیا آگے بڑھے، اور روشنی تھوڑی سی ہوگئی، پھر معلوم ہوا کہ نہیں بلب جلا سکتے ہیں یا جرنیٹر چلا دیا، جرنیٹر سے ایک علاقہ میں روشنی ہوگئی اور اس کے بعد تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ بجلی آگئی، بڑھتا چلا جارہا ہے، چھوٹی سی لائٹ سے آپ آگے بڑھتے چلے گئے، تو اس کا نام علم ہے، علم روشنی کا نام ہے علم معلومات کے جمع ہو جانے کا نام نہیں ہے، علم کو آگے بڑھانا ضروری ہے ایک تو علم وہ ہے، کہ آپ یہاں کھڑے ہو کر کہیں کہ اگر کسی کے پاس دیا سلائی ہوتی تو اس کو جلا لیتے اور اگر جرنیٹر ہوتا تو چلا لیتے اور بجلی ہوتی تو لگا لیتے یہ کہہ رہے ہیں یہ معلومات ہیں اور ایک وہ ہے جس نے ماچس نکال کر جلایا تو روشنی ہوگئی، بس علم حقیقۃ اسی کا نام ہے، ہم لوگوں نے علم کو دو خانوں میں بانٹ دیا، اس لیے علم کی برکتوں سے محروم ہوگئے، اس کی وجہ سے آپ دیکھئے قرآن مجید میں علم کا جہاں بھی لفظ آیا ہے وہ اسی معنی میں آیا ہے، اسی لیے علم کو دو خانوں میں بانٹ دیا ہے، اگر قرآن مجید اور حدیث دیکھیں ایک علم نافع اور ایک علم غیر نافع، جب نفع پہنچانے والا علم ہے وہ گویا کہ علم ہے۔

علم اور معلومات کا فرق

جو نفع پہنچانے والا علم نہیں ہے تو وہ گویا کہ علم نہیں معلومات ہیں، معلومات آج کل بڑھتی چلی جارہی ہیں علم گھٹتا جارہا ہے اس وقت اضافہ معلومات کا ہے، اور علم کم ہوتا جارہا ہے یہ حدیث میں آیا ہے، کہ آخر میں علماء اٹھ جائیں گے علم اٹھ جائے گا علماء کے اٹھ جانے سے اس لیے کہ یہ علم وہ ہے جو علماء کے ساتھ چلے، یعنی ایک تو وہ ہے ماچس ہوتی جو جلاتی ہے یہ معلومات ہیں، اور ایک تیلی جیب سے نکالی اور جلادی یہ علم علماء کے ساتھ ہے اس لیے کہ بغیر علماء کے علم ہو ہی نہیں سکتا، تو جب عالم ہوگا تو علم ہوگا

اور اگر عالم کے پاس علم نہیں ہے، یعنی بتی نہیں ہے تو جلانے کے لائق نہیں ہے، وہ تو قارون ہے جو اپنے خزانے سے فائدہ نہیں اٹھا پا رہا ہے، وہ شداد ہے جو اپنی جنت میں داخل نہیں ہو پا رہا ہے، وہ گدھا ہے جس کی پشت پر کتابیں ہیں، ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ (الجمعة:۵) یہودیوں کے پاس معلومات کے خزانے ہیں لیکن علم سے کوسوں دور ہیں، علم کی روشنی سے محروم، اور علم کی برکتوں سے بالکل بے بہرہ۔

اول مرحلہ سے علم درجہ بدرجہ فرض ہوتا چلا جاتا ہے

میرے بھائیو! ضرورت اس بات کی ہے کہ علم آئے اور اسی لیے کہا گیا ہے طلب العلم فريضة على كل مسلم، (سنن ابن ماجة فی باب فضل العلم والحث على طلب العلماء) ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے، لیکن آپ آئے تو آپ پر علم کا حاصل کرنا فرض ہوگیا، پہلے تو اس طرح ہوا کہ آپ کے ماں باپ سے کہا گیا کہ جب آجائے تو اس کے کان میں علم کا صور پھونکو، تو آپ نے کیا کہا؟ ایک کان میں اذان دوسرے میں اقامت، تو علم کو اس کے اندر پھونک دیا، وہ سارے کلمے کہہ دیئے، جو الدعوة التامة سے تعلق رکھتے ہیں، اور جو آپ نہایت تک بتا دیتے ہیں، کہ یہ بچے کہاں جانے والے ہیں، آگے بڑھنے والا ہے، آپ نے صور پھونک دیا، اور اس کے بعد جب بالغ ہوگئے تو آپ پر عقیدہ سمجھ لینا یہ لازمی ہوگیا اور نماز پڑھ لینے کا طریقہ واجب ہوگیا، یہ ہے العلم، اب اس کے بعد اب اگر آگے بڑھتے ہیں تو جیسے زکاۃ آپ پر فرض ہوگئی، تو زکاۃ کا علم حاصل کرنا فرض ہے، آپ تاجر ہوگئے تو تجارت کا علم حاصل کرنا فرض ہے، آپ سیاست میں آگئے تو سیاست کا علم حاصل کرنا فرض ہوجائے گا، اسی طرح دیکھتے چلے جایئے، بیوی آگئی تو اس کے حقوق پہچانئے، اس سلسلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا وہ جاننا ضروری ہوجائے گا یہ علم فرض ہوتا چلا جارہا ہے، تو درجہ بدرجہ یہ علم فرض ہوتا چلا جارہا ہے۔

اصل علم ہے معلومات نہیں

ہمارے یہاں ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت شاہ مینا صاحبؒ بڑے بزرگوں میں ہیں وہ پڑھتے تھے ایک بڑے استاد سے کتاب الطلاق جب ختم ہوگئی تو استاد نے کہا کتاب الزکاۃ شروع کرنا ہے کہنے لگے حضرت نماز فرض تھی مسائل معلوم ہوگئے جب پیسہ آئے گا تو کتاب الزکاۃ پڑھ لیں گے آکر، یہ ان کی ذہنیت تھی تو اللہ نے کیسا نوازا، کیسا اونچا مقام عطا فرمایا شاہ مینا صاحب کو، کیونکہ خالص علم چاہتے تھے وہ معلومات نہیں چاہتے تھے، ہم لوگوں نے معلومات کو اصل بنادیا، اصل کو گھٹادیا، تو علم کے کورے ہیں، معلومات بڑھتی چلی جارہی ہیں، جیسے کسی کا سر اتنا بڑا ہوجائے اور بدن سکڑ جائے تو کیا ہوگا بے چارہ دیکھنے میں بھی برا ہے اور ظاہر ہے کہ سر اتنا بڑا ہو تو بسا اوقات گر گر بھی پڑے گا اور اچھل نہیں سکتا، تو آج کل ایسے ہی ہوگیا ہے علم کا سر تو اتنا بڑا ہوگیا ہے یعنی معلومات ڈھیر ساری ہیں لیکن عمل کچھ بھی نہیں ہے، اس کی روشنی ہے ہی نہیں، اس کا خروج ہے ہی نہیں، اس کی تاثیر ہے ہی نہیں، تو معلوم ہوا کہ علم تو گھٹتا جارہا ہے، معلومات بڑھتی جارہی ہیں۔

اعتدال مطلوب ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کی ہر چیز متواضع ہوتی تھی سر سے لے کر پیر تک، آپ بالکل کامل ومکمل انسان ہیں، یعنی جیسے ہاتھ تھا ویسے ہی سر تھا سر جسم سے بڑا نہ ہو، سر معتدل ہو، اور ہاتھ پیر بھی معتدل ہوں، پورا جسم اعتدال سے ہو، اسی طرح خَلق اور خُلق دونوں اعتبار سے کامل ومکمل ہو، اخلاق کے اعتبار سے کامل ومکمل ہو، اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے بھی کامل ومکمل ہو، اور انبیاء دونوں اعتبار سے کامل ومکمل ہوتے تھے، جسم بھی اعلی وکامل اور ان کے اخلاق بھی اعلی وکامل ہوتے تھے، یعنی ان کے اندر افراط وتفریط نہیں ہوتی۔

اسی لیے حضرت شاہ صاحب نے ایک بات لکھی ہے کہ لوگ بہت پریشان ہو جاتے ہیں، انہوں نے لکھا ہے انبیائے کرام اصل میں ان کی عقل افراط میں نہیں ہوتی، مفرطا في العقل نہیں ہوتے، بہت سے لوگ اس پر پریشان ہوتے ہیں، کہ عقل تو اچھا ہے جتنی بڑھتی جائے، ایسا نہیں ہے عقل کے بھی تین حصے ہیں ایک تو یہ ہے کہ عقل کم ہو جائے اس کو تو کہتے ہیں حماقت، بلادت، سفاہت، اور اگر عقل آگے بڑھ جائے تو دھوکہ دہی، یہ سب سکھاتی ہے، اور جب معتدل ہوتی ہے تو وہ سمجھ والی دانش والی اور عقل مند انسان اسی کو کہتے ہیں یعنی جو افراط وتفریط سے پاک ہو اسی لیے انبیائے کرام ہر اعتبار سے پاک ہوتے ہیں، غصہ سے سمجھ لیجیے آپ اور آسان ہو گیا ہے اس سے سمجھنا کہ غصہ کے تین درجے ہیں اگر غصہ سکڑ جائے غصہ ہی نہ ہو تو وہ ہے جبن (بزدلی)، کہ آدمی کسی کے سامنے کھڑے ہونے کے لائق نہیں ہے، یہ بھی پسندیدہ نہیں ہے، اور دوسرے ہے تھور، یہ افراط ہے یہ ہر وقت رہتا ہے، جیسے آج کل بہت سے لوگ کہتے ہیں میرا غصہ جو ہے میرے قابو میں نہیں ہے، یعنی میں بے وقوف ہوں، تو اگر اس کا ترجمہ کیا جائے تو یہ کہا جائے کہ آپ جناب بے وقوف ہیں، اس لیے غصہ کو قابو میں نہیں کر پائیں گے، تو جس کی اس طرح کی سمجھ پڑی ہے، اس کو کہتے ہیں، یہ تھور ہے، کہ ذرا سا مسئلہ ہوا فوراً اول فول بکنے لگا، اور تیسری چیز اعتدال والی جو شکل ہے، وہ ہے بہادری اور شجاعت، جو شجاع ہوتا ہے اور بہادر ہوتا ہے وہ نہ بزدل ہوتا ہے نہ طیش والا ہوتا ہے، اطمینان سے چلا جاتا ہے، یہ ہے اعتدال، تو اعتدال اصل میں ہونا چاہیے تو یہاں پر جو کہا گیا ہے علم کا حاصل کرنا فرض ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ جس چیز کی ہم کو ضرورت ہے معلوم کرنا چاہیے کتاب وسنت میں کیا رہنمائی اس کے اندر کی گئی ہے؟ جب رہنمائی کے ساتھ آپ آگے بڑھیں گے اور دین کے سلسلہ میں کیا روشنی دکھا رہا ہے یہ دو چیزیں اگر آپ لے کر چلیں گے تو پھر ہم لوگ غلط راستہ پر نہیں پڑ سکتے، نہ افراط کا شکار ہوں گے نہ تفریط کا شکار ہوں گے اور آج کل یہ دونوں چیزیں ختم ہوتی چلی جا رہی ہیں اور اس سے لوگ دور ہوتے چلے جا رہے ہیں، اس کا

نتیجہ یہ ہے کہ آج جو ہم کر سکتے ہیں، وہ نہیں کر پا رہے ہیں۔

جب اعتدال مفقود ہو جائے

جب ہم بے اعتدالی کا شکار ہو گئے ہماری وحدت پارہ ہو گئی، ہمارا شیرازہ بکھر گیا ہمارے دل پھٹ گئے، ہمارے دماغ اڑ گئے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی جگہ پر ہے لیکن کام نظر نہیں آرہا ہے، تو جب سب مل کر کریں گے اور سب ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اس کا ہاتھ پیر ہوتے ہیں سب جب ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے یہ جسم جو ہے اس میں دیکھئے آنکھ الگ ہے، ناک الگ ہے، زبان الگ ہے، پیر الگ ہے، اور سب کے الگ الگ کام ہیں، لیکن سب جڑے ہوئے ہیں تب جا کے پورا مکمل کام ہوتا ہے، ہاتھ سے آپ کھانا کھاتے ہیں اگر پلیٹ میں سامنے کھانا کھا رہے ہیں آپ اسے کھا لیجیے اور اگر ہاتھ کے بغیر آپ نے کھانے کی کوشش کی، تو آپ کو دشواری ہوگی، ایک تو جسمانی اعتبار سے، اب دیکھئے اگر آدمی غور کرے تو عجیب وغریب ہے دنگ رہ جائے تو ایک تو جسم ہے۔

اجتماعی شکل محبوب ہے

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اجتماعیت کے ساتھ رکھا ہی ہے تو اب دیکھئے ہاتھ پیر المسلم کالمسلم کالجسد الواحد اذااشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالحمی والسهر، اور لتعاطفهم وتراحمهم وتوادهم، (صحیح مسلم فی باب تراحم المسلمین وتعاطفهم وتعاضدهم) یہ تین لفظ استعمال ہوئے ہیں، حدیث میں، ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں ہاتھ بٹانے میں، ایک جسم واحد کی طرح ہیں سارے مسلمان، اس میں کسی کا معاملہ الگ نہیں ہے، اور جو تھوڑا الگ بھی ہیں ان کو بھی جوڑ دیا گیا ہے، آپ کے اندر اللہ نے اجتماعیت رکھی ہے، آپ روٹی کھا لیجئے نہیں کھا سکتے، ایک روٹی اگر آپ کھانا چاہیں ایک لقمہ آپ کھانا چاہیں جب تک ۱۵ر لوگ شریک نہیں ہوں گے آپ کھا ہی نہیں سکتے، بوتا کوئی ہے کاٹتا

کوئی ہے، پیستا کوئی ہے، پکاتا کوئی ہے، کتنے مرحلوں سے گزرتا ہے، پھر آپ کو لگاتا کوئی ہے اور آپ کا ہاتھ آپ کو کھلاتا ہے اور پیٹ میں وہ پھر جاتا ہے، کتنے مرحلوں سے گزر کر آپ ایک لقمہ کھا پاتے ہیں۔

تو معلوم ہوا اجتماعی شکل تو اللہ نے رکھی ہی رکھی ہے، اس سے اپنے آپ کو جدا نہیں کر سکتے، تو جس سے جدا نہیں ہو سکتے یعنی جو روٹی ہم کو کھلا رہا ہے اس سے ہم ناراض کیوں ہیں؟ جو ہمارے لیے پیس کر لا رہا ہے، اس سے ناراض کیوں ہیں؟ اگر اس نظر سے ہم دیکھیں تو ساری کی ساری دنیا ہماری معاون ہے، ہمارا ہاتھ بٹانے والی ہے اس ادا کے ساتھ اگر ہم لوگوں کو دیکھیں گے تو ہمارے حالات صحیح ہوں گے، ہمارے بزرگان دین جو تھے ان کے حالات کو دیکھیں ان کے معاملات ہی کچھ اس انداز کے تھے ایک واقعہ بھی ہے، بہت عجیب وغریب، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حضرت علیؓ ان اپنے دو بچوں کا احترام بھی کرتے تھے حضرت فاطمہ کی وجہ سے اور محبت بھی زیادہ کرتے تھے تو ان کی جو دوسری بیوی بعد میں ہوگئیں، ان سے محمد بن الحنفیہ ہوئے وہ بڑے مضبوط اور جفاکش آدمی تھے تو حضرت علی جنگوں میں جاتے تھے اور مورچہ ہوتا تھا تو حضرت محمد بن حنفیہ کو اس میں اکثر شریک کرتے تھے اور حضرت حسن حسین کو روک دیتے تھے ان کو باقی رکھا تا کہ یہ اس مسئلے میں الجھ نہ پائیں، تو کسی نے آکر محمد بن حنفیہ سے کہا کہ تمہارے ابا بھی عجیب ہیں، کہ جہاں معاملہ آتا ہے عنایت کا، اور زیادہ معاملہ اچھا کرنے کا تو حسن وحسین کو آگے رکھتے ہیں اور جب جنگ وجدال کا معاملہ کرتے ہیں تو آپ کو آگے رکھتے ہیں، اب جس طرح ذہن صحیح ہوجاتا ہے اسی طرح جواب بھی صحیح ہوجاتا ہے، انہوں نے جواب دیا، کہ وہ ہمارے ابا کی آنکھیں ہیں اور میں ابا کا ہاتھ ہوں تو اپنی آنکھوں کی حفاظت اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں وہ، ظاہر ہے کہ اس کو تو لاجواب کردیا، خاموش کردیا، جب ہم لوگ اس نظر سے اپنے ساتھیوں کو دیکھیں گے اپنے دوستوں کو دیکھیں گے تو خود بخود ہماری بہت سی چیزیں آگے ہوجاتی ہیں، اور ہم اتحاد کے ساتھ اتفاق کے ساتھ کرنے والے بن جائیں گے۔

اجتماعیت کی بقا کا راز

صحیح بات تو یہ ہے کہ ہماری اجتماعیت برقرار رہی ہے علم کے ذریعہ سے اور دین کامل سے جب دین کامل سے ہم جڑ جائیں گے تو پھر ہمارے اندر خود بخود ترقی پر چلنے کا راستہ آسان ہو جائے گا، اور وہاں تک پہنچنا ہمارے لیے آسان ہو جائے گا تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ ہمارے اندر یہ بات پیدا ہو جائے اور دوسری چیز یہ ہے کہ ہم کو جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد بتائی ہے اس بنیاد سے اپنے کو الگ نہ کریں، ورنہ ہمارے دل و دماغ جو علم سے صحیح طور پر منسلک ہونا چاہئیں وہ نہیں ہیں، نہ دماغ ہمارا ویسا علم سے منسلک ہے، نہ دل دین سے ویسا منسلک ہے، دل اور دماغ دونوں صحیح طور پر منسلک ہونا چاہئیں، تو پھر وہ بات پیدا ہوگی جو علامہ اقبال نے اپنے شعر میں کہی ہے ، یہ رنگ و بو جو ہمیں اور آپ کو نظر آرہی ہے اس میں الجھ کر نہ رہ جاؤ بلکہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اور تیرے مکان اور بھی ہیں، تیرے مرتبہ کے لیے تیرے مقامات بلند کے لیے نہ جانے کتنی جگہیں منتظر کھڑی ہیں آپ وہاں تو آئیں۔

اپنے کرنٹ کو کھولیں

آپ اپنے کو سمجھیں، کہ اللہ نے آپ کے اندر کیا صلاحیتیں رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے کن کمالات سے آپ کو نوازا ہے، اور کیسا آپ کے اندر ایک کرنٹ رکھا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ کرنٹ جب تک کھلتا نہیں تب تک دوڑتا نہیں، ایک تو یہ روح ہے، جو جسم کو چلاتی ہے، اس کو ہمارے شاہ صاحب نے نسمہ کہا ہے اور ایک روح حیوانی ہے جو کھانا کھلاتی ہے دوڑاتی ہے، ہاتھ میں پکڑاتی ہے آنکھ سے دکھاتی ہے، اور دل و دماغ کو چلاتی ہے یعنی دماغ چل رہا ہے، یعنی اس پر کوئی حملہ نہیں ہوا ہے، ہارٹ اٹیک نہیں ہوا ہے گویا کہ وہ چلاتی رہتی ہے یہ نسمہ ہے، لیکن ایک روح اور ہے جو روح ربانی ہوتی

ہے کہتے ہیں جب وہ روح آتی ہے اور اس کا ملاپ اس سے ہوتا ہے تب انسان انسان بنتا ہے، اور انسان کے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں، کہ جب جس کے اندر پیدا ہو جائیں تو وہ انسان تھوڑے علم سے بہت زیادہ پھل لاتا ہے، جیسے آج کل کاشت ہو رہی ہے پہلے جو کھیتیاں ہوتی تھیں تو ایک من ڈالا دو من نکلا۔

لیکن آج مسئلہ یہ ہے کہ دس من ڈالے ایک نکالیے، تو ایسے ہی یہ بھی روح جب لگ جاتی ہے، کسی انسان کے ساتھ جس کو درد کہتے ہیں جب کسی کو درد پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ ایسا غیر معمولی کام کرتا ہے، کہ لوگ دنگ رہ جاتے ہیں، کہ اس کے اندر یہ کام کرنے کی صلاحیت کہاں سے آئی؟ وہ روح ربانی کا جب فیضان ہوتا ہے اوپر سے، اور اس کے اندر صلاحیت ہوتی ہے تو وہ غیر معمولی کام کرتا ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو معمولی درجہ کے تھے لیکن جب اللہ نے ان کو نوازا تو وہ پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچ گئے؟ اور اس کی مثالیں تو بہت ہیں، غیر معمولی مثالیں ہیں۔

جب درد پیدا ہو جائے

ہمارے یہاں ایک لطیفہ بھی پیش آیا جودھپور کے ایک ہیں عبد الغفور صاحب ایک بزرگ گزرے ہیں، وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے معمولی آدمی تھے لیکن دل میں بہت درد تھا ہر طرف حالات دیکھتے تھے، جاہلیت دیکھتے تھے بدعات وخرافات دیکھتے تھے پریشان ہوتے تھے تو انہوں نے حضرت تھانویؒ کی کتابیں پڑھیں اتنے بے چین ہوئے، تو وہاں سے لکھا خط حضرت تھانوی کو کہ حضرت آپ کے نام سے مجھے محبت معلوم ہوتی ہے اور آپ کی خدمت میں آنا چاہتا ہوں لیکن ایک پیسہ پاتا ہوں شام کو اپنی والدہ کے ہاتھوں میں رکھ آتا ہوں اب اجازت اگر ہو تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں تو حضرت تھانوی نے جواب دیا، آپ فوراً تشریف لے آئیں اور حضرت تھانوی کی خدمت میں رہے اور اب وہاں جا کر علم حاصل کیا اور ان کی صحبت میں بھی رہے، پھر اللہ نے ان کو کیسا نوازا، کہ راجستھان میں ہر مدرسہ انہی کا کھولا ہوا ہے پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن اللہ نے

دین ودنیا کی دونوں دولتیں عطا فرمائیں اب ان کے سارے بیٹے بڑی بڑی منزل والے ہیں، سب کے پاس ایک ایک کوٹھی ہے، اشرف منزل انہیں کی کہلاتی ہے، اور ہر بیٹے کا ایک نیا کارخانہ ہے، یعنی سب ان کے بیٹے دنیوی اعتبار سے بھی عقیدہ کے اعتبار سے بھی صحیح ہیں، اور اللہ ان سے اتنا بڑا کام لیا، کہ پورا علاقہ انہوں نے ہلا کر رکھ دیا، بات وہی ہے اتنے بڑے بڑے لوگ تھے سب رہ گئے، اللہ نے ان سے کام لیا، تو یہ وہ روحانی فیض ہے، جو علم جب آتا ہے تو تھوڑے علم کے اندر بھی اللہ برکت عطا فرمادیتا ہے، اس کی ضوء کو تیز کرتا چلا جاتا ہے، تو دنیا اس سے جگمگا اٹھتی ہے۔

روح ربانی کا فیض کب ہوتا ہے؟

صرف معلومات حاصل کر لینا اور معلومات کا خزانہ حاصل کرنا چاہیے جب تک کہ اپنے کو اس کے لیے تیار نہ کریں اور اپنے کو تیار کرنے کے لیے کچھ بات پہلے سے کرنی چاہیے، اس لیے کہ روح ربانی کا فیض ان لوگوں کے اوپر ہوتا ہی نہیں جو حرام غذا سے پلیں، ہوتا ہی نہیں ان پر فیض، اس لیے کہ اگر حرام آگیا تو پھر اس کے دل ودماغ میں پھر سیاہی چھا جائے گی، سوائے اس کے کہ وہ کفارہ ادا کرے، اور اس سے اپنے آپ کو جدا کرے تو اگر آدمی مال حرام سے پلے بڑھے گا تو ظاہر ہے کہ اس کے اندر معلومات کا اضافہ تو ہوسکتا ہے، اگر ذہین ہے تو معلومات کا اضافہ کرے گا محنتی ہے تو بہت سی کتابیں حل کر لے گا، اور بہت کچھ اس کو حاصل ہو جائے گا، ہوسکتا ہے تصنیفات بھی اس کی سامنے آجائیں، لیکن بے فیض اور بے فائدہ، الماری کی زینت تو بنیں گی، قلب کی روشنی نہ بن سکیں گی، اور یہ بات ابن تیمیہؒ نے لکھی ہے اٹھا کر دیکھ لیجئے اس لیے فرمایا انہوں نے بہت سے لوگ کتابوں پر کتابیں لکھتے چلے جاتے ہیں، لیکن سیاہی اور ضیاع کے سوا کچھ نہیں، بعض وہ اللہ کے بندے ہیں جن کی زبان سے ایک جملہ نکلتا ہے پورے پورے علاقوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے لکھا ہے جتنا زیادہ متبع سنت ہوگا اتنا ہی وہ علم والا ہوگا اس کا علم بڑھتا چلا جائے گا۔

شروع سے اہتمام رکھیں

میرے بھائیو اور دوستو! ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے تو اس سے اپنے آپ کی حفاظت کریں، کہ ہمارے کوئی بھی پیٹ میں جانے والا یا ہمارے سے تعلق رکھنے والا کوئی چیز بھی ایسی نہ ہو جو ہمارے اندر جا کر سیاہی پیدا کرے اور ہمارے دل کو مردہ کر دے ہمارے حضرت مولانا چھوٹے تھے بچپن میں، تو ان کی دائی تھی تو وہ بچوں کو لے جاتی تھی وہ لے گئی ایک جگہ وہاں ہندوؤں کا چالیسواں یا تیجہ تھا وہاں، وہ غریب عورت بیٹھ کر کھانے لگی مولانا تو بچے تھے انہوں نے کھانا چاہا تو اس دائی نے کہا میاں تم نہ کھاؤ، تو مولانا بچپن میں بھی ان کو نہیں کھانے دیا، کہا اس سے تمہارا دل سیاہ ہو جائے گا ہم کھا سکتے ہیں، ہم غریب آدمی ہیں، تمہارے گھر میں یہ نہیں کھایا جاتا ہے آپ اندازہ لگائیے بچپن سے جس کی حفاظت کی گئی ہو کہ ان کو کھانے کا وہ لقمہ نہیں منہ میں جانے دیا جو بچہ ہونے کی عمر میں معفو عنہ ہے لیکن پھر بھی ان کی حفاظت فرمائی ،اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت فرماتا ہے، اور پھر جب وہ بڑے ہوتے ہیں، تو وہ اپنی حفاظت کرتے ہیں، ایک مرحلہ وہ ہوتا ہے جس میں حفاظت کی جاتی ہے دوسرا مرحلہ وہ ہوتا ہے جس میں وہ خود حفاظت کرتا ہے، گویا کہ ابتداء اور انتہا یہ اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے، اور بیچ کا حصہ ہے امتحان کا، کہ تم کرتے ہو، اپنی حفاظت یا نہیں کرتے ہو، اگر اس وقت اپنی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ بعد میں حفاظت فرمائے گا۔

ایک مرتبہ ہمارے حضرت مولانا مدنیؒ کا بھی واقعہ ہے کہ اسّی سال کی عمر میں ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا بالکل اخیر عمر میں اکیاسی سال کی عمر ہوئی تھی، تو وہاں کے طلبہ الٹے سیدھے تھے انہوں نے سوال کیا کہ حضرت یہ عمر اور گھر میں ولادت؟ تو حضرت مدنی نے فرمایا کہ مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور اس کے بعد فرمایا کہ جوانی میں میں نے اپنی حفاظت کی بڑھاپے میں خدا نے میری حفاظت کی۔ یہ ہے اصل بات یہ جو عمر ہے اسی میں مجاہدہ کیا جاتا ہے اس وقت جو کھالے گا اور اس وقت جو اپنے اندر یہ چیزیں پیدا کر لے گا، پھر ساری عمر اس کی جگالی کرے گا اور دودھ دیتا رہے گا یہ ہے اصل بات

تو اللہ تعالیٰ نے جو عمر امتحان کی رکھی ہے اگر اس عمر میں اپنا معاملہ ٹھیک رکھتا ہے اور سب سے زیادہ جو پاک ہے اپنے کو حرام لقمہ سے بچاتا ہے اور حرام مال سے اپنی حفاظت کرتا ہے اس پر ظاہر ہے کہ گزر جاتی ہے۔

روحانی ترقی کا راز

ایک بات حضرت مجدد صاحب نے لکھی ہے کہ انسان بڑا عجلت پسند ہے اور سب سے زیادہ روحانی ترقی انسان کو دستر خوان پر ہوتی ہے یہ لکھا ہے مجدد صاحب نے کہ دستر خوان پر انسان کی عجلت ظاہر ہوتی ہے کہ کھانا کم ہے کھانے والے زیادہ ہیں تو ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ جلدی سے لے لے، تو اس میں یہ خیال ہونا چاہیے کہ یہ میرا بھائی لے لے یہ نہ ہو کہ جہاں موقع ملا چپکے سے اپنے منہ میں رکھ لیا، بلکہ ذہن میں ہو کہ یہ صرف اللہ کے لیے میرا بھائی ہے میرا مہمان ہے میرا فلاں ہے اور خود اپنے کو اس سے ہٹالے اس وقت اللہ کو وہ بات اتنی پسند آتی ہے جس کا جواب نہیں، یاد کر لیجئے مہمان آتے تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہے کوئی ہے جو اس کی مہمان نوازی کا فرض ادا کرے، تو وہ صاحب لے گئے اور رات بھر میاں بیوی نے بھوکے رہ کر رات گزاری، اور اپنے مہمان کو سب کھلا دیا، تو اللہ کو یہ ادا پسند آئی اور معاملہ یہی ہے کہ جب ان کو کوئی ادا پسند آجاتی ہے تو ادا ہی کی پسند سے آدمی پسندیدہ ہوجاتا ہے، اور جب ان کا پسندیدہ ہوجاتا ہے پھر تو ظاہر ہے اس کو اس کا دین پسند ہوجاتا ہے اور پھر اس کی نظر اپنی نظر محبت پیدا ہوجاتی ہے اس کو اس کا دین پسند ہوجاتا ہے، اور محبت میں اپنی نظر اپنی پسند ہوتی ہے، ان کی نظر اپنی نظر اپنی نظر ان کی نظر، یہی ہوتا ہے محبت میں، تو اپنی نظر ہوتی ہی نہیں، معلوم ہوا جو ملے گا وہ کام ہم کو کرنا ہے۔

کڑھن ضروری ہے

لیکن یہ بغیر اس درد کے نہیں ہوگا کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر کڑھن ہو یہ بات اس وقت پیدا ہوگی کہ میرا بھائی ہے جب یہ بات ہو آپ نے حدیث میں فرمایا کونوا

عبـاد الـلـه اخـوانـا،(مسـنـد احمد بن حنبل) اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہوجاؤ، یہ کیوں فرمایا تھا بھائی بھائی ہوجاؤ، کیا بھائی نہیں ہے؟ آج بھی جب کوئی دو بھائیوں میں لڑائی ہوجاتی ہے، ہمارے پاس بھی کیس آتے رہتے ہیں آج کل تو لڑائی کے کیا کہنے میاں بیوی میں، بھائی بھائی میں، چچا بھتیجے میں، ماموں بھانجے میں، ہر جگہ لڑائیاں ہورہی ہیں، تو اس میں یہی کہا جاتا ہے، کہ یہ آپ کا سگا بھائی ہے کچھ تو خیال رکھو اللہ میاں اسی انداز سے یہاں کہہ رہے ہیں، کونوا عباد الله، اللہ کے بندو بھائی بھائی ہوجاؤ، یعنی سمجھو اس کو، تمہارے اندر اور اس کے اندر ایک ہی خون ہے، تمہارا اور ان کا ایک ہی باپ ہے، اسی لیے لڑائی کیسی؟ صرف یہ کہہ دیں کہ ”دلوں کی دوری“، اور یہی بات پیدا ہورہی ہے تو فرمایا کہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہوجاؤ، اور مسئلہ کیا ہے اس کا وہ بھی بتادیا، ”الـمسـلـم أخ الـمسـلـم لایـخـذلـه ولایحقره ولایظلمه“(شعب الایمان للبیقهقی) اور اس کے بعد آگے بہت کچھ بتادیا کہ نہ اس کو ذلیل کرو نہ اس کا ساتھ چھوڑو، نہ اس کو حقیرا سمجھو، نہ حقیر کرو، وغیرہ وغیرہ، اور حسد سے منع کیا ”لاتـحـاسـدوا ولا تبـاغـضـوا“(شـعـب الایمـان لـلـبیـقـهـقـی) کہ تم حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو، اور سارے اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، یہ ساری باتیں آپ نے اسی لیے فرمائیں، لیکن یہ ساری باتیں اس وقت پیدا ہوں گی جب سچی محبت اللہ سے پیدا ہوجائے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوجائے تو انسان سے بھی صحیح محبت ہوجاتی ہے اس لیے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اللہ کا جب بندہ ہے تو پھر اس کو دیکھ کر پیار آئے گا اس کو دیکھ کر محبت آئے گی، کیسا ہی کچھ ہو، کیسا ہی کمزور ہو، ترس آئے گا، بیمار ہے تو ترس آئے گا اور صحت مند ہے تو اللہ کی حمد کرے گا اور شکر ادا کرے گا کہ میرا بھائی کیسا توانا ہے، اور کبھی اس سے کوئی ایسا جملہ نہیں کہے گا جس سے معلوم ہو کہ اس کی حقارت ہوتی ہے۔

معیار خوب صورتی یا خوب سیرتی؟

ایک بڑے عارف تھے وہ بڑے بدصورت تھے دیکھنے میں بڑے معمولی صورت

والے لیکن دل بڑا خوبصورت تھا اسی وجہ سے دنیا میں تو بندے خوبصورتی دیکھتے ہیں، اور اللہ میاں کے یہاں خوب سیرتی دیکھی جاتی ہے خوب سیرت کون ہے؟ اللہ میاں وہ دیکھتے ہیں، ہم لوگ صورت کس کی اچھی ہے؟ وہ دیکھتے ہیں، تو انہوں نے ایک جملہ کہا کہ مٹی پر ہنستے ہو، یا کمہار پر، اللہ کا بنایا ہوا ہے تو اللہ کا جب بنایا ہوا ہے تو نہ دوسرے کو ہنسنے کی ضرورت ہے، نہ خود اس کو اپنے کو حقیر سمجھنے کی، اس لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (النساء: ۳۲) مت تمنا کرو، کالا گورا میں فرق نہ کرے، جو پستہ قد ہے وہ لمبا ہونے کی تمنا نہ کرے جو ناک کا چپٹا ہے کھڑی ناک ہونے کی تمنا نہ کرے جو بڑا بد صورت ہے وہ خوبصورت ہونے کی تمنا نہ کرے، اس لیے کہ وہ گویا کہ اللہ کی ناشکری کر رہا ہے، یعنی اے اللہ آپ نے اچھا نہیں بنایا، اور اللہ میاں کہتے ہیں ہم نے سب کو اچھا بنایا ہے، کیا کہنے ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ (المومنون: ۱٤) اللہ سے اچھا بنانے والا کوئی ہے ہی نہیں، تو اس نے جس چیز کو بھی بنایا ماسٹر پیس بنایا لیکن ہم اپنی ساخت کو تباہ کریں، اور اپنے کو گرادیں، تو اپنے پیر پر کلہاڑی خود مار رہے ہیں، ﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (البقرة: ۵۷) اللہ تو فرماتا ہے یہ خود ہی اپنے پیر پر کلہاڑی مار رہے ہیں، اپنے اوپر ظلم یہ خود کر رہے ہیں۔

علم کیا ہے؟

جب یہ ساری باتیں ہمارے معاشرہ میں پیدا ہو جائیں تو اندازہ لگایئے کہ ہماری ترقی کا عالم کیا ہوگا؟ ہر جگہ علم اور دین نہ ہونے کی وجہ سے دین نہیں ہوگا علم نہیں ہوگا اور العلم کہتے ہیں الکتاب والسنۃ کو، علم اس چیز کا نام ہے کتاب وسنت، تو الکتاب والسنۃ سے جس کا صحیح تعلق ہوگا تو علم آئے گا اور علم نام ہے خشیت کا، تقویٰ کا، عمل کا، خشوع کا، اور اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کا، یہ علم نام ہے اس کا، اس وجہ سے جب علم صحیح ہوگا اور دین صحیح ہوگا تو یہ ساری باتیں خود بخود صحیح ہوتی چلی جائیں گی۔

لیکن اگر ہمارا پڑھنا لکھنا سب ایک طرف لیکن ذہن ودماغ دوسری طرف ساری باتیں ساری سوچیں اسی وقت آجاتی ہیں، تو نماز غایت، اسی طرح علم ہے دین ہے لیکن جب کام کرنا شروع کرتے ہیں میدان عمل میں آتے ہیں تو سب چیز کا علم اور دین سب غائب اور نہ جانے کہاں کہاں کی سوچ آجاتی ہے، اور کہاں کہاں کی حرکتیں آجاتی ہیں اور کہاں کہاں کی باتیں آجاتی ہیں اور کیسی کیسی لڑائیوں کی سوچ آجاتی ہے، اور معاملات سامنے آجاتے ہیں، اور پرانے اور نئے تعلقات سامنے آجاتے ہیں ان سب کو ختم کردیا گیا ہے اور ہم کو علم اور دین سے جوڑ دیا گیا ہے کہ علم ودین سے جڑنا یہ اصل ہے یعنی ہمارا تعلق علم سے اور دین سے صحیح ہوجائے۔

تعلق کیسے ہوگا؟

مگر صحیح تعلق کیسے ہوگا یہ جو آیات کی قاری صاحب نے تلاوت بھی کی اس کی شروع کی آیتیں ہیں ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (الحشر: ۲۱) تو اللہ نے قرآن یعنی العلم جو تم کو دیا ہے غیر معمولی اپنے اندر پاور رکھتا ہے بلکہ یہ پاور ہاؤس ہے، اس سے اپنا کنکشن صحیح کرلو اور اپنے آپ کو صحیح سے جوڑ لو، قرآن کے الفاظ اللہ نے آسان کردیئے ہیں جس طرح یہ کرنٹ اس کے اندر یہ جا رہا ہے ربر اس پر لگا ہوا ہے ہم اس کو پکڑے ہوئے ہیں پتہ نہیں چل رہا ہے اندر کرنٹ کتنا ہے اور اگر اس کو ذرا سا کاٹا اور پھر ننگا تار ہوجائے تو ہاتھ لگایئے آپ کا ہاتھ اس پر چپک کر رہ جائے گا اور آپ کو اٹھا کر پھینک دے گا اتنی زور سے کہ آپ گریں گے وہاں جاکر اسی لیے اس کو لگایا گیا اور جو یہ لوہے کا تھا اس کے اندر تار لگا کر یہاں پر اس کو جوڑ دیا گیا دیکھئے اس کے اندر کتنی طاقت پیدا ہوگئی۔

ایسے ہی قرآن مجید ہے اگر قرآن مجید سے صحیح تعلق پیدا ہوجائے تو اللہ میاں کہتے ہیں کہ اگر ہم اس کو ننگا نازل کردیتے پہاڑوں پر تو سمندر بھاپ بن کر اڑ جاتے

اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر تہہ و بالا ہو جائے اور دنیا بالکل نیست و نابود ہو جاتی، لیکن ہم نے اس کو تمہارے لیے آسان کر دیا ہے یعنی الفاظ کے ربر کا جامہ پہنا کر الفاظ بنا کر اس کا یاد کرنا تم کو آسان بنا دیا اور زبان سے اس کو ادا کر رہے ہو لیکن اس کے اندر کرنٹ اندر سے ہے جیسے یہ ربر ہوتا ہے اس کو آپ جوڑ دیتے ہیں لیکن کرنٹ اندر سے دوڑنے لگتا ہے اسی طرح کنکشن بھی کرنا آ جائے اگر کوئی اناڑی آ کر اس کو جوڑ لے ابھی، اور کچھ نہ جانتا ہو تو اپنے کو خراب کرے گا قرآن مجید کے بارے میں آتا ہے یرفع الله به أقواما ویضع به آخرین،(سنن ابن ماجة فی باب فضل من تعلم القرآن وعلمه) کچھ کو اٹھا لیتا ہے کچھ کو پٹخ دیتا ہے قرآن مجید میں جو ہے یہ بعض لوگوں کے لیے ضلال کا ذریعہ بن جاتا ہے اور بعض لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے بات یہی ہے کہ جو صحیح میکانک ہوتا ہے وہ صحیح طور پر جوڑ لیتا ہے قرآن مجید کو اس سے اصل طاقت پیدا ہو جاتی ہے آنکھ میں خرابی آ جائے تو آنکھ دکھنے لگتی ہے، اور صحیح طور پر دل کے اندر تہہ تک پہنچ جاتی ہے ایک عجب تاثیر پیدا ہو جاتی ہے اور دماغ بھی صحیح چلنے لگتا ہے اور پیر صحیح چلنے لگتے ہیں لیکن اگر قرآن مجید سے صحیح کنکشن نہیں ہے تو بینائی بھی چلی جاتی ہے دیکھ رہا ہے اور نہیں دیکھ پا رہا ہے سن رہا ہے، بول رہا ہے اور بول نہیں پا رہا ہے بات یہ ہے کہ قرآن سے کوئی کنکشن نہیں ہے۔

جتنی ضرورت ہو اتنا فیس لیں

اس لیے فرمایا طلب العلم فریضة علی کل مسلم،(سنن ابن ماجة فی باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم) جس کو جتنا مل جائے اتنا تو اس کو لینا ہی لینا ہے اسی لیے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ ہر شخص کے لیے لازمی ہے۔ اس کا پڑھنا بھی اس کا سمجھنا بھی اور جتنا جس کو مل جائے ﴿فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾(المزمل: ۲۰) بھائی جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو اتنا پڑھ لو وہ پورا کا پورا اپنے اندر نہ جانے کتنی پاور رکھتا ہے اسی لیے ایک بات ہے کہ آپ کنکشن لیتے ہیں کوئی ایک وولٹیز جو ہے بڑھ جاتا ہے ایک

فیس دو فیس تین فیس یہ تو آپ کے اوپر ہے لیکن ہاں موٹر سے پانی کھینچنا ہے تو دو فیس، اور بڑا کارخانہ چلانا ہے تو ہارڈ لائن سے جوڑنا پڑتا ہے بڑے بڑے کارخانے چلتے ہیں اسی طرح معاملہ قرآن مجید کا ہے جس کو جتنی ضرورت ہوا تنا اس سے وہ لے سکتا ہے آپ کو چھوٹا ہے کارخانہ، چھوٹی سی مسجد چھوٹا مکان تو ایک فیس آپ کے لیے کافی ہے یعنی اس سے آگے جائیں گے تو دو فیس اس سے آگے جائیں گے تو تین فیس، اس سے آگے جائیں گے تو قرآن سے براہ راست جڑنا پڑے گا اور براہ راست اس کی لائن لینی پڑے گی اور جب اس سے لائن لیں گے تو ظاہر ہے کہ اس کے اندر جو انرجی پیدا ہوگی جو طاقت پیدا ہوگی وہ انسان کو چلتا پھرتا قرآن بنا دے گی۔

جب تعلق آخری درجہ کو پہنچ جائے

ہمارے حضرت مولانا کی یوسف القرضاوی نے مثال دی الـــرجـــل الـقـرآنـی، قرآنی آدمی کتنا بڑا کون قرآنی آدمی ہے بس اس کے اندر اتنی ہی طاقت ہوگی اتنی ہی انرجی ہوگی ہمارے حضرت عزالدین بن عبد السلام کا واقعہ میں بہت سنایا کرتا ہوں وہ فتوی دے چکے تھے مصر میں کہ تمہاری بادشاہت ناجائز تمہاری وزارت ناجائز اس زمانہ میں جتنے وزیر تھے سب تلملا گئے کوئی مولوی فتوی دینے والا آیا ہے انہوں نے کہا اس کو قتل کیا جائے گا لیکن کسی کی چلی نہیں، وہ ایک لمبا قصہ ہے سب نے طے کیا کہ لوگ مل کر جائیں گے تو قتل کرنا آسان ہوگا تو پوری فوج کے ساتھ ان کے گھر پر گئے، کھٹکھٹایا باہر نکلے، دیکھا کہ فوج کھڑی ہوئی ہے تو ان کے لڑکے نے بتایا اندر جا کر ابا معاملہ بڑا سنگین ہے اس لیے کہ بہت دنوں سے مسائل چل رہے تھے تو ان کے ابا نے بڑے اطمینان سے کہا کہ تمہارے ابا کے لیے شہادت کہاں؟ یہ کہہ کر دروازہ پر گئے، جب گئے تو سب کہنے لگے حضرت آپ کیا چاہتے ہیں؟ کہا چاہتا ہوں تم کو بھی بیچوں اور تمہارے وزراء کو بھی نخاس میں، تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے بیچ دیجئے، تو بیچا اور اس کے بعد آزاد کیا اس کے بعد پھر بادشاہ بنایا کہا اب تمہاری بادشاہت جائز ہوگی، یہ

ہیں ہمارے اکابر ہمارے بڑے جو ہیں یہ ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا بھی چونکہ ان سب لوگوں کو ایصال ثواب کرتے تھے تو ان سب کے کمالات بھی اللہ نے غیر معمولی عطا فرمائے تھے جب وندے ماترم کا مسئلہ پیش آیا، تو سارے فتوے ہر جگہ سے آتے رہے لیکن مولانا نے جب انٹرویو والے آئے تو انہوں نے فرمایا کہ بھائی ہم اپنے لوگوں سے کہہ دیں گے بچوں کو ہٹالیں، ہلکی آواز سے، کہ سرکاری اسکولوں میں جہاں یہ پڑھایا جارہا ہے وہاں سے بچوں کو ہٹالیں، تہلکہ مچ گیا، بے جے پی کی حکومت تھی وہاں کے وزیر معافی مانگنے آئے تعلیم کا وزیر تھا اس کو استعفیٰ دینا پڑا معزول کیا گیا اور پھر معافی مانگی حکومت نے آکر، یہ بتایئے کس نے معافی منگوائی آکر؟ جب ایک زمانہ میں بڑے زور سے حضرت مولانا کے خلاف مہم چلائی جارہی تھی اور یہ اطلاعات ملیں کہ حضرت مولانا کو شاید لے جائیں زندہ میں، تو حضرت مولانا نے کہا بھائی اگر ایسا وقت آیا تو عبدالرزاق کو لے کر چلا جاؤں گا، لیکن بس یہ فضا میں ہی منڈلاتی رہی خبریں، زمین پر نہ آسکیں۔

کامیابی تعلق پر موقوف ہے

یہ ہے وہ بات وہ ایمان وہ طاقت وہ علم کی برکت وہ نافعیت علم جب کسی کے اندر وہ پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے اندر اللہ تعالیٰ وہ تاثیر رکھتا ہے وہ قوت رکھتا ہے کہ بڑے بڑے پیشوا دانشور اس کے سامنے آکر پگھل جاتے ہیں اور ہمت نہیں ہوتی کہ ان کے خلاف کوئی کاروائی کرسکیں تو کسی درجہ میں ہمارے اندر یہ بات پیدا ہو جائے تب کام کے نقشے سامنے آئیں گے، جب اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوگا قرآن سے رابطہ ہوگا سنت پر عمل ہوگا جب یہ باتیں ہمارے اندر کسی درجہ میں آئیں گی اسی درجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر نصرتیں آئیں گی کامرانیاں آئیں گی، اور ہم سامنے چلتے چلے جائیں گے اور جو ہمارے کرم فرما ہیں ہم کو دیکھ کر وہاں سے واپس چلے آئیں گے لیکن یہ بات نہیں ہوگی تو پھر زبانوں پر شکوہ دلوں میں شکایت اور یہی سب باتیں رہیں گی ہوگا کچھ نہیں۔

جب علم میں رسوخ کے ساتھ کام کریں گے

میرے بھائیو اور دوستو! یہ جو اجتماع ہمارا ہے جس کی بنیاد پر ہم یہاں جمع ہوئے ہیں علم اور دین اس سے ہمارا رابطہ جتنا قوی ہوگا اتنے ہی ہمارے حالات درست ہوتے چلے جائیں گے اور کام کی نوعیتیں بنتی چلی جائیں گی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچنا چاہیے کہ بعض دفعہ کام ہوتا ہوا نظر آتا ہے لیکن حقیقۃً کام نہیں ہے اس لیے کہ بعض مرتبہ فراوانی کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کام بہت اچھا ہو رہا ہے لیکن جو جاننے والا ہوتا ہے وہ دکھاوے کا ہوتا ہے، من سمّع سمع الله به، (صحیح البخاری فی باب الریاء و السمعة) جو دکھاوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دکھا بھی دیتا ہے بعض وہ لوگ ہوتے ہیں جو نامبارک ہوتے ہیں اللہ کے ناپسندیدہ ہوتے ہیں چرچا بہت ہو جاتا ہے، اور ان کا کام بھی پھیلتا ہوا نظر آتا ہے لیکن وہ ایسا پھیلتا ہوا کام ہوتا ہے جس طرح کسی کو ورم آجائے پیر پر، تو دوسرے لوگ سمجھیں کہ بڑا خوبصورت ہے اور بڑا صحت مند ہے لیکن ایک جھٹکا دیا جائے تو قلابازی کھائے گا اسی طرح ان کا کام بھی بیٹھ جاتا ہے نمائشی کام ہوتا ہے جس طرح ۱۵ دن کی نمائش لگتی ہے تو معلوم ہوتا ہے پورا شہر امنڈ کر آ گیا لیکن پندرہ دن کے بعد خاک اڑنے لگتی ہے، پتہ نہیں چلتا وہ کب آیا اور کہاں گیا؟

تو میرے بھائیو اور دوستو! کام جو ہو پختہ ہو، گہرا ہو، ایک تو میں نے علم کی بات کہی اسی کے ساتھ ایک بات اور بڑھتی جا رہی ہے کہ علم ہے بھی بہت صحیح اور رسوخ بھی ہونا چاہیے، رسوخ جب ہوتا ہے تو ہوائیں کشتی کو ادھر ادھر نہیں ہلاتیں، اسی لیے کہا گیا ہے ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (آل عمران: ۷) جب رسوخ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر شکوک کی اور شبہات کی آندھیاں اس کو ادھر ادھر نہیں لے جاتیں وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے علم و دین کے ساتھ بالکل کھڑا رہتا ہے آندھیاں چلتی ہیں اور چلی جاتی ہیں، طوفان اٹھتے ہیں اور

گزر جاتے ہیں، اور کیسے کیسے حالات آتے ہیں، اور چلے جاتے ہیں، وہ اپنی جگہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہتا ہے ادھر سے جاؤ ادھر چلے جاؤ، جوان کے سگنل کو اپناتے ہیں وہ آندھیوں کے شکار نہیں ہوتے اور جو نہیں اپناتے وہ ہو جاتے ہیں، کوئی ان کا نام لیوا نہیں رہ جاتا، تو علم میں رسوخ ہونا چاہیے، اور اسی لیے حدیث میں بھی آتا ہے من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقهه فی الدین، (صحیح البخاری فی باب من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقهه فی الدین) جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ خیر کا معاملہ فرماتا ہے تو اس کے اندر تفقہ پیدا فرما دیتا ہے دین کی سمجھ یعنی مفتی نہیں بنا دیتا دین کی سمجھ پیدا کر دیتا ہے، یعنی کہاں تک کیسا معاملہ کرنا ہے کیا کرنا ہے؟ اور وہ قرآن کی آیات سے احادیث نبویہ سے اور علمائے کرام کے اقوال سے ان کی سیرت سے فیض کرتا ہے اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

بس میرے بھائیو اور دوستو! ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنا تعلق علم سے صحیح کریں اور دین سے صحیح کریں، یہ دو چیزیں ایسی ہیں جب ہمارا تعلق ان سے استوار ہو جائے گا تو ہمارے حالات انشاء اللہ ہر اعتبار سے بہتر ہوں گے اور ہر جگہ ہم کام کرنے کے لیے میدان کو ہموار پائیں گے ورنہ روڑے ہی روڑے ہیں، موانع ہی موانع ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم اور دین سے صحیح تعلق پیدا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین.

علم کا کنکشن ضروری ہے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد الأولين والآخرين خاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين وعلىٰ آله الطاهرين وصحبه الغر الميامين وعلىٰ من تبعهم ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين،أما بعد!

میرے دوستو دینی بھائیو!

یہ دور جو ہے پڑھنے لکھنے کا ہے،اور صرف یہ دور پڑھنے لکھنے کا نہیں ہے،اللہ کے رسول ﷺ جب دنیا میں آئے تو ہر طرف اندھیرا تھا علم کی روشنی نہیں تھی،تو سب سے پہلے آپ ہی نے فرمایا کہ پڑھو اللہ نے آپ سے کہا،آپ نے سارے عالم سے کہا،کہ پڑھو،اور اب دور پڑھنے کا آ رہا ہے،تو جس طرح اس وقت بھی بعض بستیاں ایسی ہیں،جن کا علم سے تعلق نہیں،تو اس کی وجہ سے وہ کچھ جانتی نہیں،اور ان کو بہکانے والے بہکا سکتے ہیں،غلط راہ دکھانے والے غلط راہ دکھا سکتے ہیں،اور یہ ہو بھی رہا ہے،تو جیسے کہ اب بستیاں ہیں،پہلے ساری دنیا ایسی تھی،دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں علم کی روشنی ہو،اللہ کے رسول ﷺ جب تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ پڑھو اور اس وقت جب پڑھنا لوگوں نے شروع کیا سب سے پہلے صحابہ کرام نے پڑھا،اور اس کے بعد تابعین نے پڑھا،اور اس کے بعد ہمارے وہ تمام ائمہ علماء جن کا نام ہم لیتے ہیں،ان سب نے پڑھا ہی نہیں ساری دنیا کو پڑھایا۔

امت کا مقصد

یہ امت اسی لیے ہے کہ پڑھے پہلے، پھر پڑھائے، اور جو صرف پڑھے اور پڑھائے نہ تو اس میں بھی کمی رہ جاتی ہے، اسی لیے جو شخص پڑھتا ہے اور پڑھاتا ہے وہی بہتر ہوتا ہے، جو سیکھے اور سکھائے، قرآن پڑھے اور پڑھائے، یعنی صرف پڑھ لینے سے بات نہیں بنتی ہے، پڑھانے سے اور کھلتا ہے معاملہ، کیونکہ جب آدمی پڑھائے گا تو زیادہ پڑھے گا، تو وہ ترقی زیادہ کرے گا۔

اسی لیے یہ دونوں چیزیں لازم ملزوم کردی گئیں، من تعلم القرآن وعلمہ، (سنن أبی داؤد فی باب ثواب قراءۃ القرآن) اور پڑھا ہوا وہی ہوسکتا ہے، جو تعلم کرے، تعلم کا مطلب یہ ہوتا ہے جو پڑھے بھی سیکھے بھی وہ ہوا تعلم، اور جو پڑھے اور سیکھے نہیں، تو تعلم نہیں ہے، اور اس کے بعد پھر وہ معلم بنتا ہے، اسی وجہ سے اکثر لوگ صرف پڑھ لیتے ہیں، سیکھتے نہیں، تو معلم نہیں بن پاتے، معلم کے لیے ضروری ہے، پہلے پڑھے پھر سیکھے یعنی پریکٹکل کرے، جو پڑھے اس کو پریکٹکل کرے، اور پریکٹکل خود بھی کرے، اور دوسروں کی نگرانی میں رہ کر کرے، ساری باتیں اس میں آگئیں، تو پھر وہ معلم بن جائے گا۔

روشنی پسندیدہ چیز ہے

جب معلم بنے گا تو ظاہر ہے کہ مچھلیاں اس کے لیے دعائیں کریں گی، کیونکہ اس کا علم سے تعلق ہوگیا ہے، اور روشنی سب کو اچھی لگتی ہے، یہاں تک کہ رات جب ہوتی ہے، تب بھی آپ لائٹ جلاتے ہیں، اگر آپ کو روشنی سے محبت نہ ہوتی، تو لائٹ نہ جلاتے، تو رات کو بھی آپ لائٹ جلاتے ہیں، اور دن تو ماشاء اللہ چمکتا رہتا ہے، تو جب نبی خود موجود ہوتا ہے، تو سورج چمک رہا ہوتا ہے، دن ہوتا ہے، لیکن جب نبی چلا جاتا ہے، تو سورج غروب ہوجاتا ہے۔

لائٹ کا کنکشن کریں

اس وقت لائٹ جلانے کی ضرورت ہے، یعنی پاور ہاؤس سے آپ کا کنکشن ہو، اور آپ نے بجلی وہاں سے لے لی ہو، تو رات کو بھی آپ لائٹ جلا سکتے ہیں، آپ کا بلب صحیح ہو، راڈ صحیح ہو، کنکشن صحیح ہو، تو آپ بلب جلالیں گے، لیکن آپ نے بلب بہت سے لگا لیے، کنکشن ہی نہیں ہے، تو ظاہر ہے کہ بلب دیکھ کر کیا کریں گے آپ؟ جب تک کنکشن نہیں ہوگا، تو جلے گا نہیں، تو آج ہماری جتنی قومیں ہندوستان میں ہیں انہوں نے بلب سے اپنے گھروں کو خوب سجا رکھا ہے، لیکن کنکشن کسی کا نہیں ہے، اسی وجہ سے کسی کے گھر میں روشنی نہیں ہے، اور سب پریشان ہیں، تو اب جیسے پیسہ ہو کسی کے پاس فیشلٹیز ہوں تو اس کے ذریعہ سے وہ یہ سب چیزیں تو لا سکتا ہے، لیکن کنکشن کے لیے تعلق ضروری ہے، درخواست دینی پڑتی ہے، تو کنکشن ہوگا، دنیا میں جب یہ حال ہے، ایسے ہی جب لا الہ الا اللہ کہتا ہے، تو کنکشن ہوتا ہے، درخواست دے دی اس نے۔

جب کنکشن ہو جاتا ہے

جب آدمی اللہ کا نام لیتا ہے تو کنکشن اس کا ہو جاتا ہے، پھر جتنا نام لے گا اتنا ہی فیس بڑھتا جائے گا، ایک فیس، دو فیس، تین فیس، یہاں تک کہ ہارڈ لائن سے اس کا تعلق ہو جائے گا، اور اب بڑے بڑے کارخانے وہ چلا سکتا ہے، ایک شخص خود روشن ہوا دوسرا وہ ہے اس نے دو کو روشن کیا تیسرا وہ ہے جس نے تین کو روشن کیا، چوتھا وہ ہے جس نے تین ہزار کو کیا، پانچواں وہ ہے جس نے تیس لاکھ کو کیا، جس کا جتنا کنکشن اچھا ہوگا اتنی ہی روشنی زیادہ بڑھتی جائے گی، تو کنکشن ضروری ہے، مگر اس کے لیے ظاہر ہے کنکشن آپ نے لیا بلب نہیں ہے، تو ظاہر ہے پھر بھی نہیں جلے گی، کنکشن کے لیے بلب ضروری ہے، بلب صحیح ہو فیوز نہ ہو، جیسے بہت سے لوگ ہیں، پڑھے لکھے نہیں ہیں، لیکن کنکشن لینے کے چکر میں ہیں، اور بلب ان کا فیوز، تو پھر کیا ہوگا دیکھنے والے سمجھیں گے معلوم ہوتا ہے بلب جل رہا ہے، دور سے آپ دیکھیے، ایسا محسوس ہوتا ہے، بلب جل

رہا ہے، لیکن قریب آیئے تو معلوم ہوگا کہ ادھر لائٹ پڑ رہی تھی، اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ جل رہا ہے، جل نہیں رہا ہے کیونکہ کنکشن ہی نہیں، جلے گا کہاں سے؟ تو ایسے ہی بعض دفعہ دھوکہ ہوتا ہے بعض لوگوں کے بارے میں کہ بلب جل رہا ہے لیکن وہ لائٹنگ کہیں اور کی ہے، جس سے معلوم ہو رہا ہے، کہ جل رہا ہے، لیکن وہ بے کار ہے، اسی وجہ سے دن میں تو معلوم ہو رہا ہے کہ جل رہا ہے جب رات آئے گی تو ایک دم اندھیرا گپ، اس لیے پروپیگنڈہ اور شہرت کے ذریعہ سے وہ یہ ظاہر کریں گے کہ ان کا بلب جل رہا ہے، لیکن جب روشنی لینے کوئی آئے گا، معلوم ہوگا یہاں تو بلب ہی فیوز ہے، کنکشن ہی نہیں ہے، بیکار ہو جائے گا، تو ہم کو چاہیے کہ ہم اپنا کنکشن وہاں سے جوڑیں اور جتنا ہو سکتا ہو پاور حاصل کریں کیونکہ ان کے یہاں کوئی کمی نہیں ہے۔

خدا کے یہاں کوئی کمی نہیں

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حدیث میں آتا ہے کہ اگر سارے انسانوں کو پہلے دن سے لے کر قیامت تک جتنے پیدا ہوں گے ایک میدان میں سب کو جمع کر دے، اور سب کے سب اپنی چاہت مانگیں، اور اللہ میاں سب کو دے دے، ان کی چاہت کے مطابق، تب بھی اللہ کے خزانے میں اتنی بھی کمی نہیں ہوگی، جتنی سوئی کوئی سمندر میں ڈالے، پانی کتنا آیا اس میں؟ تو اس کے یہاں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، لیکن لینے والے کی کمی ہے، پیالہ چھوٹا سا ہے اس میں ملے گا کیا؟ بڑا پیالہ لے جایئے، تو جتنا ہے اتنا تو ملے گا ہی، اب یہ تو ہے نہیں پھینکا جائے، اتنا سا پیالہ ہے، آپ کا دو چمچ ڈال دیا وہ بھر گیا، اب آپ بالٹا لے کر جایئے، خوب بھر لیجئے اس میں تب بھی ان کے یہاں کمی نہیں، پھر اتنا ہی کا اتنا ہے، حسرت میں آدمی رہے گا کہ میں نے بالٹی بھر لی، اور پورا تالاب ابھی ویسے کا ویسا ہی ہے، کچھ فرق ہی نہیں پڑا، اللہ میاں کا تالاب تو بہت بڑا ہے، جو کچھ ان کے خزانے میں ہے اس کا اندازہ ہم لوگ کر ہی نہیں سکتے، چھوٹے آدمی ہم لوگ کیا جانیں؟

کنوئیں کا مینڈک کیا جانے؟

جیسے کوئی گاؤں میں رہے، اور نہ امریکہ دیکھا ہو نہ لندن، وہ کیا جانے دنیا کتنی بڑی ہے، جیسے کنوئیں کے مینڈک ہوتے ہیں، تو ایسے ہی ٹراتے رہتے ہیں مینڈک، اپنے کنوئیں میں کہتے رہتے ہیں، میں سب سے بڑا، میں سب سے بڑا، میرا کنواں سب سے بڑا، انہوں نے سمندر نہیں دیکھا کتنا بڑا ہے، تو اس لیے آدمی بے چارہ چھوٹا ہے، دنیا کہاں سے کہاں جا رہی ہے، اور جب دنیا میں اتنی بڑائی نظر آ رہی ہے، تو آخرت بہت بڑی چیز ہے، تو دنیا اس کے مقابلہ میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے، تو اس کا کیا عالم ہوگا؟ اسی لیے فرمایا گیا نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ دل میں اس کا خیال آیا، نہ کانوں نے سنا، اندازہ ہی نہیں کر سکتے، تو اس لیے ہم لوگ جب آگے بڑھتے ہیں تو اور چیزیں معلوم ہوتی چلی جاتی ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے، کہ جیسے کوئی کمرے میں رہتا ہو پوری زندگی، اب اس کو رات میں باہر لے آئے صحن میں، تو آنکھیں کھل گئیں، اچھا اتنا بڑا آنگن ہے، پھر اس کو لے گئے، کھیت میں، تب تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پھر اس کو یہاں ادھر لے آئے، پہاڑ پر، تب تو اس کے سمجھ میں ہی کچھ نہیں آ رہا ہے، ہے کیا؟ میں تو کونے میں بیٹھا رہتا تھا، پھر جا کے سمندر میں ڈال آئے اس کو، تو وہ گھبرا گیا یہ تو بہت بڑا عالم ہے، ایسے ہی اپنے اپنے ظرف کی بات ہے، جس کا ظرف بڑا ہوتا ہے، اس کو بڑی چیز ملتی ہے، جس کا ظرف چھوٹا ہوتا ہے اس کو چھوٹی، بعض لوگ بس ۱۰۰؍روپے دے دیئے کافی ہے، تو اب ظاہر ہے کہ بے چارے کو سو روپے اس کے لیے کافی ہیں، اور بعض وہ ہیں جن کو دس لاکھ کافی نہیں ہیں، اور زیادہ ان کو چاہئیں، بڑا کام کر رہے ہیں وہ، تو اسی طرح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

اسلام کا پیغام

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد الأولين والآخرين امام الأنبياء والمرسلين رحمة للعالمين محمد بن عبد الله الأمين وعلىٰ آله الطاهرين وصحبه الغر الميامين وعلىٰ من تبعهم ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين،أمابعد!

بزرگان گرامی قدر اور حاضرین اجلاس!

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایک اسکول یہاں پر قائم کیا جارہا ہے جس کے لیے بہت دنوں سے کوششیں جاری تھیں، اب رنگ لاتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، اسکول کیا ہے؟اس کا کچھ اندازہ ان جذبات سے ہوگیا ہوگا جنہوں نے اس اسکول کی بنیاد رکھی ہے، اور اس کے نظام کو انہوں نے محنت کے بعد تیار کیا ہے، اور صرف اسی طرح تیار نہیں کیا ہے، کہ گھر بیٹھ کے کیا ہو، کتابوں کو دیکھ کر کیا ہو، بلکہ حالات کو دیکھ کر کیا ہے، اور ان اسکول میں جا کر کیا ہے، جن کے نام پر آج کل ہمارے اس طبقہ کے منھ میں پانی بھر آتا ہے، اور بڑی بڑی رشوتیں دیتے ہیں، وہاں داخلہ کرانے کے لیے اپنے بچوں کو، حالانکہ ہمارے ایک صاحب نے یہ بات کہی، وہ کہہ گئے آپ نے سن بھی لیا، لیکن بہت کم لوگوں نے شاید غور کیا ہوگا کہ ہم لوگ Risk لیتے ہیں، تو پیسے دے کر رشوت دے کر Risk لیتے ہیں، صرف یہی نہیں، کہ وہ پورا Risk لے رہے ہیں، بلکہ پیسہ بھی دے رہے ہیں، اور Risk بھی لے رہے ہیں، کیونکہ اکثر وبیشتر وہاں سے

آنے کے بعد وہ حال ہوتا ہے، جس کی عکاسی ہمارے مولانا خالد صاحب نے کی ہے۔

اسلام میں ادھورا نہیں چلتا

مجھے اس تجربہ ہے کیونکہ بہت نوجوان ہمارے پاس آتے رہتے ہیں، تو اکثر وبیشتر میں بیٹھا دیتا ہوں، اگر ایسے نوجوان آتے ہیں، ایک مرتبہ ایسا ہوا میں نے کہا بیٹھ جاؤ، کلمہ سناؤ، تو سنایا نہیں، ایک دو چار نے سنایا، تو ان سے پوچھا کہ بھیا تم کو کلمہ یاد ہے کیسے؟ تو کہا مکتب میں پڑھا تھا، مکتب کی تعلیم سے کم سے کم ان کو آ گیا ہے، اور جنہوں نے مکتب میں تعلیم نہیں حاصل کی، تو ان کو بے چاروں کو کلمہ ہی یاد نہیں، یاد ہے تو ادھورا یاد ہے، اور اسلام میں ادھورا کوئی کام ہی نہیں ہے، یہاں تو اسلام مکمل ہے، اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ﴿يَـا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ (البقرۃ:۲۰۸) اے ایمان والوں! اسلام میں مکمل داخل ہو جاؤ، بلکہ کافہ میں عربی جو جانتے ہیں، وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ پورے مسلمان پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، نہ یہاں پر چلتی ہے، نہ وہاں پر چلتی ہے، اور ہم لوگوں نے دونوں جگہ کردی، نہ مسلمان جانے کو مکمل تیار، نہ مکمل اسلام لینے کو تیار، تو ادھورے پر ادھورا ہوگا جب معاملہ تو پھر کیا ہوگا؟ جو ہونا ہے یا جو ہوتا ہے وہی ہوگا، اور مکمل اگر ہوتے تو ایسا ہرگز نہ ہوتا، اس لیے کہ مسلمان پہلے تو مقصد طے کرتا ہے، اگر کوئی بے مقصد ہے وہ مسلمان نہیں، مسلمان کا پہلا مقصد آخرت ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو سرخروئی اور کامیابی عطا فرمائے، اس کے علاوہ پھر اور مقاصد بعد میں آتے ہیں، اگر تصور آخرت صحیح ہے، تو ہر کام صحیح ہوتا چلا جائے گا، اب تصور آخرت ہی صحیح نہیں ہے، تو کہیں Risk ہوگا، اور اس کے بعد پھر کہیں نصیب ہوگا، کہ جس کو مل گیا نصیب سے تو مل گیا، ورنہ جو جانے والے تھے وہ چلے گئے۔

پڑھے لکھے جاہل

آج پڑھ لکھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں، محسوس ہوتا ہے، کہ پڑھے لکھے جاہل

ہیں، بہت بڑے بڑے ڈگری ہولڈرس ہیں، لیکن جب بات کرتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقفیت نام کی کوئی چیز ان کے پاس ہے ہی نہیں، یہ اچھی علامت نہیں ہے، اگر آپ پڑھے لکھے ہیں، تو آپ کو اسلام کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے تھا، اور اسلام کا جو پیغام ہے، وہ آپ کے ذہن میں ہونا چاہیے تھا تا کہ آپ صحیح بات کر سکتے، لیکن ابھی آپ نے سنا ہوگا یہاں بڑے عہدے پر ایک مسلمان صاحب تھے نام لینا مناسب نہیں ہے، بہت بڑے عہدہ پر تھے، جب ہمارے پاس سے نکلے تو یہ بات اٹھائی گئی کہ قرآن کی چوبیس آیتیں ایسی ہیں، جو نہیں ہونی چاہئیں، تو انہوں نے بھی بیان دیا، کہ بھائی اتنی پرانی کتاب ہے، چودہ سو سال ہو گیا اگر یہ چوبیس آیتیں نکال دو، تو اس میں کون سی بات ہے؟ اب ان بیچاروں کو کوئی سمجھائے بلکہ ہمارے حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے، ﴿بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ (النمل: ٦٦) اس کا ترجمہ حضرت مولانا نرالے انداز سے کیا کرتے تھے، چونکہ ترجمہ بڑا مشکل ہے، اور وہ نقشہ کھینچتے تھے کہ ہمارے آج کے لال بجھکڑ جو ہیں، وہ سب جب دنیوی معاملات کی بات کرتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے چار پہیئے ہیں بہت شاندار گاڑی میں لگے ہوئے ہیں، اور فراٹے بھر رہی ہے گاڑی لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب وہاں کی بات کرتے ہیں، آخرت کی بات کرتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے چار پہیئے ہیں بھسٹ ہو گئے اور کچھ ان کو نہیں آتا بڑے بڑے پڑھے لکھے اور جب سائنس پر بولیں گے ڈاکٹری پر بولیں گے تو معلوم ہوتا ہے ان سے زیادہ جاننے والا کوئی دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا، لیکن وہی جب دین کے معاملہ میں بولنے لگتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے بچہ ہے، یہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے، تو ان بیچاروں کو میں کیا سمجھاتا۔

حفاظت قرآن کا غیبی نظام

ہمارے پاس ایک صاحب آئے پولیٹکل سائنس میں پی ایچ ڈی کر رہے تھے، پنجاب سے آئے، تو ان کو قرآن مجید کے بارے میں کچھ معلومات لینی تھیں، تو انہوں نے کہا کہ میں نے سوچا میں مطالعہ کروں گا تو بڑا لمبا راستہ ہے اور اگر کسی

اسپیشلسٹ سے پوچھ لوں گا تو یہ شارٹ کٹ ہے، نئی بات بھی معلوم ہو جائے گی، تو آپ کا نام لوگوں نے بتا دیا تو وہ میرے آفس میں آگئے، اور پندرہ لڑکے میرے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے، بات لمبی ہوئی، تو ان سے میں نے عرض کیا کہ آپ یہ بتائیے صحیح گرن.....جو آپ کی کتاب ہے، جب وہ ری پرنٹ ہوتی ہے، تو اس میں کچھ گھٹا سکتے ہیں، بڑھا سکتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا بالکل یہ تو ہو ہی جاتا ہے، کسی کے یاد تو ہے نہیں، کہ اس میں گھٹایا نہ جا سکے، بڑھایا نہ جا سکے، گھٹایا بھی جا سکتا ہے بڑھایا بھی جا سکتا ہے، تو ہم نے کہا بس قرآن مجید کے بارے میں اتنا آپ سمجھ لیں، کہ قرآن مجید کے بارے میں گھٹانا اور بڑھانا تو بہت دور کی بات ہے، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔

کیونکہ ہم نے کہا دیکھئے یہ سارے لڑکے جو بیٹھے ہوئے ہیں، یہ سب حافظ قرآن ہیں، اور لکھنؤ میں تنہا دس ہزار حافظ قرآن ہیں، اور پورے ہندوستان میں پچاس لاکھ حافظ ہیں، اب اندازہ لگائیے جس کتاب کے پچاس لاکھ حافظ ہیں ہندوستان میں، اس میں سے آپ گھٹا بڑھا سکتے ہیں؟ کہا نہیں، کہا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، تو اگر ان کو یہی بات معلوم ہوتی تو نہ کہتے کہ چوبیس آیتیں گھٹا لیجئے، بڑھا لیجئے، اور جہاں تک گھٹانے بڑھانے کا تعلق ہے۔

صرف پڑھ لینا کافی نہیں

ہمارے سوامی صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے، جو ماشاء اللہ ہمارے جلسوں میں بھی آتے رہتے ہیں، انہوں نے ان چوبیس آیتوں کا جواب خود دے دیا ہے، بات یہ ہے کہ اگر آگے پیچھے ہم کو معلوم نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ غلط مطلب لے لیں گے جب آگے پیچھے معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے حدیث ضروری ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ پیریڈ پڑھنا ضروری ہے، اگر یہ نہیں پڑھیں گے تو پھر آپ نہیں سمجھ سکتے، میں تو کہتا ہوں صرف یہ ملاپ رکھا ہوا ہے، اگر میں کہوں کہ ذرا سا پانی لے آیئے، پانی اگر میں یہاں مانگوں گا، تو آپ بوتل میں لائیں گے، اور ایک گلاس لا کے دیں گے، اور اگر میں استنجا خانہ

سے کہوں گا، کہ پانی دے دو، تو وہاں لوٹے میں دیا جائے گا، اور اگر میں غسل خانے سے کہوں وہاں بالٹی میں دیا جائے گا، اور اگر کہیں آگ لگ گئی ہے، اور کہا کہ پانی لاؤ، تو وہاں بڑے بڑے ٹینکر لانے پڑیں گے، تو جب پانی لاؤ کو سمجھنا اتنا مشکل ہے، تو ظاہر ہے کہ اگر کہا جائے کہ پانی لاؤ تو اب آپ نے کتاب میں تو پڑھ لیا پانی لاؤ، اب اس سے پوچھنا پڑے گا، جو حاضر تھا وہاں، کہ پانی کیسا لایا جائے؟ کیسے نہیں لایا جائے؟ تو یہ تمام وہ باتیں ہیں، جو دو دو چار کی طرح واضح ہیں، لیکن بات وہی ہے جب آدمی دنیا کو عینک لگا کر دیکھتا ہے تو دھندلا نظر آتا ہے، اور یہاں ادھورا میں نے شروع میں کہہ دیا، کہ اسلام نہ ادھورا ہے نہ مسلمان ادھورے ہیں، اب اگر کوئی ادھورا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں، اس کو مکمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جام تمہارا ہے

میرے بھائیو اور دوستو! ایک تو مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا مقصد ہمارے سامنے ہو، آخرت کا تصور ہو، اور پوری ملت ہمارے سامنے ہو، کسی چھوٹے بڑے کی قید نہیں، امیر غریب کی قید نہیں، جیسا کہ ابھی ہمارے بھائی مولوی خالد صاحب نے آپ کے سامنے یہ بات رکھی، اور اس سلسلہ میں بات بھی ہوگئی ہے، کہ میں کیا کہوں کہ نااہلوں کے ہاتھوں میں جام آگیا ہے، تو اب میں کیا کروں، کہ جتنے جو قاتل تھے تلوار ان کے ہاتھ میں آگئی، اور جو پڑھے لکھے جاہل تھے ان کی چابی ان کے ہاتھ میں آگئی، تو اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں ڈاکٹری پڑھائی جا رہی ہے انجینئرنگ پڑھائی جا رہی ہے، آپ وہاں جائیں گے ڈگری کالجوں میں جو ہو رہا ہے، ایک تو جو وہاں ہو رہا ہے وہیں دیکھ لیجئے آدمی اپنے کانوں پر ہاتھ دھر لے، دوسرے یہ کہ جب ڈاکٹر پڑھتا ہے تو اتنا اس نے کیا ہے کہ اسے بھی لینے کی ہی فکر رہتی ہے، پڑھنے کے بعد اتنا زیادہ اس پر بوجھ ڈال دیا جاتا ہے، بیس لاکھ چالیس لاکھ پچاس لاکھ ابھی وہاں معلوم ہوا ۷۰/ لاکھ ایم ڈی وغیرہ میں اگر داخلہ لینا ہے تو کتنا دینا پڑے گا، تو فارغ ہونے کے بعد ہی وہ

ستر لاکھ نکالنا چاہتا ہے، تو اس کے ذہن میں تو بیٹھ گیا کہ اب کمانا ہی ہے، یہیں پر بدل گیا معاملہ، اور اس میں غلطی ان کی نہیں ہے، آپ نے ان کو تلوار کیوں دے دی، آپ کو لیڈنگ کرنی چاہیے، سارے علوم آپ کے ہیں، ساری حکمتیں آپ کی ہیں، ساری دانائیاں آپ کی ہیں، آپ ہی سے سب نے سیکھا ہے، لیکن میں کیا کروں آپ بھول ہی گئے، ارے کم سے کم یاد تو رکھا ہوتا، عمر خیام ہے۔

تاریخ کے ساتھ کھلواڑ

ایک مثال دئے دیتا ہوں عمر خیام ہے ان کے بارے میں اکثر لوگ جانتے ہیں، تو ان سے اگر پوچھیے تو کہیں گے غزل گو شاعر تھا، ارے بھائی غزل گو شاعر نہیں تھا، وہ اتنا بڑا آدمی ہے کہ اس نے سائنس پر بڑا کام کیا ہے، غیر معمولی جب تھک جاتا تھا، چاہتا تھا تھوڑی سی تفریح ہو جائے، تو غزل کہا کرتا تھا، اور اس کی غزلوں کا ترجمہ چودہ زبانوں میں ہوا ہے، پوری چودہ زبانوں میں غزلوں کا ترجمہ ہوا ہے، یورپ والوں نے مشہور یہ کیا، خیام غزل گو شاعر ہے، یا عمر خیام غزل گو شاعر، اور جب جہاں سائنس وغیرہ کا جو اصل علوم ہیں، جہاں پر محنت کی ہے، وہاں پر جب نام لیتے ہیں، تو خیام کہتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو یہ بھی یاد نہ رہے، کہ ہمارا آدمی ایک تھا اس نے ان کو سکھایا ہے، تمہارے استاد تھے وہ، اس زمانہ کی یورپ کی اگر آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں، یورپ کے بڑے بڑے پڑھے لکھے بڑے بڑے بادشاہ ہمارے بادشاہوں یا ہمارے پڑھے لکھوں کو خط لکھتے تھے، تو کم سے کم آدھے ایک صفحہ میں ان کے القاب ہوتے تھے، تب ان کا نام لیتے تھے، اور یورپ والے ان سے کہتے تھے، کہ ہم عربی زبان سیکھنا چاہتے ہیں، ہمارے یہاں اپنے لوگوں کو بھیج دیجیے، لیکن ہم اتنے دور ہو گئے اپنی تاریخ سے دور تو بہت ہو گئے تاریخ دانی سے بھی دور ہو گئے، یہ بھی نہیں معلوم کہ ابا کا نام کیا تھا؟ ارے کم سے کم بے نسب خدانخواستہ نہیں ہوئے تھے، تو نام تو یاد رکھتے کہ تمہارے بڑوں کا نام کیا ہے؟ اتنا بھول گئے، یہاں تک کہ محنت اتنی کی گئی

کہ یہ باور کرایا جاتا ہے، کہ یہ علوم ہمارے ہیں ہی نہیں، یہ تو عجیب بات ہے، یہ سب ہمارے ہیں، بھائی یہ ہمیں نے ان کو سکھایا بتایا پالا، اور پڑھایا، اور وہ آگے بڑھ گئے، اور ایسے جتنے نااہل آرہے ہیں، یہ اپنے محسنوں کو بھول جاتے ہیں، تو یورپ والوں سے زیادہ گھٹیا دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا، یہ اپنے محسنین کو بھول گئے، بلکہ محسن خوش ہوگئے، کہ ہم کو نہیں معلوم محسن کو اپنے آپ کو بھی یاد رکھنا چاہیے، ہم کیا تھے۔

لیڈنگ پاور پیدا کریں

ضرورت اس بات کی ہے، جس کو بار بار کہا بھی گیا ہے، کہ لیڈنگ پاور ہمارے اندر ہونی چاہیے، اس لیے اسکول بنائے جارہے ہیں، یہ جو انہوں نے کہا کہ صرف مسلمان ہم بنانا نہیں چاہتے، تو اس کو انہوں نے جو کہنے کا انداز اختیار کیا، ہوسکتا ہے بعض لوگوں کو اس میں وہ ہوا ہو، اس کی تشریح کیے دیتا ہوں وہ اپنے انداز سے انہوں نے کہا ہے انہوں نے یہ کہنا چاہا تھا، کہ ہم صرف اپنی ذات تک رکھنا نہیں چاہتے، بلکہ اس کے ذریعہ سے پوری ملت کو فائدہ پہونچانا چاہتے ہیں، اور آدمی اگر صرف اپنے عقیدہ کو درست کرلے تو اپنا تو بن جاتا ہے، لیکن اس کے اندر لیڈنگ پاور ہو اور دوسروں کی قیادت کی صلاحیت ہو، پھر اسلام کو لے کر چلے تو کیا کہنے، اس سے کتنا فائدہ پہنچے گا، تو انہوں نے یہ کہنا چاہا تھا، کہ ایسے لوگ پیدا ہوں، جو صرف اپنی ذات تک اسلام کو محدود نہ رکھیں، بلکہ اسلام کے اصل پیغام کو سمجھیں، اور اس کو لے کر ساری دنیا میں پہنچائیں، اور عام کریں، اور جو لوگ اسلام سے بیگانہ ہیں، ان کو اسلام سے آشنا کریں، یہ بات انہوں نے کتنی چاہی ہے۔

سواری اور سوار کا فرق باقی رکھیں

میرے بھائیو اور دوستو! یہ اسکول اسلامی لیے قائم کیے جارہے ہیں، اب تک تو پیوند لگایا جاتا تھا، پیوند لگایا جاتا تھا دنیوی تعلیم میں دینی تعلیم، اور ظاہر ہے پیوند پیوند ہے، اور ایک یہ ہے کہ انجکشن لگائے اس کا، تاکہ رگ و ریشہ میں وہ سرایت کرجائے، ایک تانا اس کا ہو دوسرا تانا اس کا ہو، اس کو بُنا جائے، ذرا گھس جائے، ایک دوسرے کے

ساتھ، کیونکہ دین ودنیا کی تفریق نہیں ہے، دین اور دنیا دونوں ایک ساتھ چلتے ہیں، بس یہ ہے کہ دین اوپر ہوگا دنیا نیچے ہوگی، دنیا سواری ہے، آپ سوار ہیں، تو اگر آپ دنیا پر نہیں سوار ہوں گے تو دنیا آپ پر سوار ہوجائے گی، تو ظاہر ہے کہ جب دنیا سوار ہوجائے گی، اس لیے کہ دنیا سواری ہے، بات بدل جائے گی، اب اگر کوئی موٹر سائیکل پر بیٹھنے کے بجائے موٹر سائیکل اپنے سر پر رکھ لے، تو کیا حالت ہوگی؟

ہمارے حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ بہت بڑے عالم حضرت تھانوی کے خلیفہ بھی ہیں، اللہ نے ذہانت وفطانت میں بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، ندوہ کے پڑھے ہوئے تھے، لیکن عثمانیہ یونیورسٹی میں انگلش پڑھاتے تھے تو انگریز پروفیسر تھا تو اس کو معلوم ہوا کہ مولوی پڑھا رہا ہے، اس طرح، اس نے کہا، میں چیک کروں گا، مولانا بڑے ذہین آدمی ہیں جب معلوم ہوا کہ وہ پروفیسر چیک کرنے آرہا ہے، تو مولانا نے کہا- طلبہ تھے جب وہ آنے لگے- دروازہ بند کردو، ندوہ ایک دفعہ امتحان دے چکے، بار بار نہیں دیتے، لڑکوں سے پوچھ لیں، میں کیسا پڑھاتا ہوں تو عجیب ان کا انداز تھا تو مولانا نے اس زمانہ میں موٹر خریدی، اور اپنے پاس رکھ لی، کچھ دن رکھنے کے بعد اس کو بیچ دیا، لوگوں نے پوچھا حضرت آپ نے یہ کیا کیا؟ کہنے لگے دو گھنٹے میں میں بیٹھتا تھا، پانچ گھنٹے مجھ پر بیٹھی رہتی تھی، میں نے کہا نکالو اس کو باہر، تو ظاہر ہے جب دنیا کا ہماری یہ حال ہوگیا ہے، تو کیا ہوگا؟ تو بات یہ ہے کہ یہ جو ساری کوشش ہو رہی ہیں، یہ تو اصل میں معاملہ الٹا ہوگیا، اسی کو سیدھا بنایا جارہا ہے، ہو یہ گیا ہے کہ آج راکب نیچے ہے مرکب اوپر ہے، ہم لوگ کوشش یہ کررہے ہیں، کہ راکب اوپر آجائے مرکب نیچے آجائے، یعنی سواری پر سوار آجائے، یہ نہیں کہ سواری سوار پر آجائے، تو ظاہر ہے کہ آج کل بہت الٹی سیدھی ذہنیت والے اس میں پریشان ہیں، کہ بہت سے لوگوں کو سواری آتی ہے، وہ بھی گڑبڑ ہے، جس پر سواری آئے وہ بھی گڑبڑ اور جس چیز کو سوار کرے وہ بھی گڑبڑ، سواری اس لیے ہے کہ اس پر سوار ہوجائیں، ہم کو چاہیے کہ ہم سوار ہوں، یہ نہ ہو کہ ہم پر یہ چیزیں سوار ہوجائیں۔

پَروں سے ہوا کب نکلے گی؟

میرے بھائیو اور دوستو! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کو سمجھیں اور یہ بات میں نے کئی مرتبہ عرض کی یہ جو پنکھا چل رہا ہے، ابھی ایک واقعہ ہمارے سامنے پیش آ گیا ہمارے یہاں ایک پنکھا تھا جو چل بڑی زور سے رہا تھا، ہوا نہیں لگ رہی ہے، تو میں نے بلایا ایک مستری کو کہا کہ دیکھو کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ پر الٹے لگ گئے ہیں، تو آج معاملہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے پر الٹے لگے ہیں، پر سیدھے کر لیجئے، ہوا خوب لگنے لگے گی، تو یہ ہمارے مولانا وغیرہ پَر سیدھا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اور ہم لوگ سب ان کے پیچھے ہیں، کہ آپ سیدھا کیجئے، ہم تقویت پہنچاتے ہیں آپ کو، بس زیادہ لمبی بات کرنی نہیں ہے، اس لیے کہ بات تو ہو چکی ہے، کام کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

طلبائے مدارس سے چند باتیں

ہم کو مدرسہ میں اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں بھیجا ہے آپ کو غور کرنا چاہئے کہ ہم کہاں سے آئے، کہاں تھے، کیا کر رہے تھے، کیا سن رہے تھے اور کہاں پہنچ گئے، کوئی کھیت میں تھا، کوئی گھر میں تھا، کوئی کہیں تھا، کوئی دوکان میں تھا، کوئی اور کسی مدرسے میں تھا، کوئی اور دوسرے کام میں مشغول تھا، مختلف کاموں سے، مختلف علاقوں سے، مختلف لوگوں کے ساتھ آپ یہاں پر آئے، وہاں سے آپ کو کون لایا؟ یہاں کس نے پہونچایا؟ آپ یہی کہیں گے کہ اماں نے ابا نے پہونچایا، فلاں نے پہونچایا؛ لیکن حقیقتاً خدا نے پہونچایا اور یہ اسی طرح ہمارے ذہن میں آجائے کہ جس نے ہمیں یہاں پہونچایا ہے، ہمیں اس کی مان کر چلنا ہے، کوئی کہیں جاتا ہے کام کرنے، یا کوئی کسی کو کارخانے میں ملازم رکھتا ہے، تو ان کو مالک کے مطابق چلنا پڑتا ہے، ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ان کا قانون کچھ اور ہو اور آپ کا کچھ اور، اگر آپ ایسا کرنے لگیں گے، تو آپ کارخانے سے نکالے جائیں گے، کارخانے والا یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کارخانے کے وقت میں ملازم سنیما جائے یا کھیل کود کرے یا دوسری چیزوں میں دلچسپی لینے لگے، کہیں کھیل ہو رہا تھا آپ نے کارخانہ چھوڑ دیا اور دیکھنے چلے گئے یا پروگرام دیکھنے لگے، وقت ضائع کریں تو کارخانے کا مالک بالکل پسند نہیں کرے گا اور کارخانے والا پہلے تو وارننگ دے گا پھر نہیں مانیں گے تو نکال دے جائیں گے، اسی

وقت معطل کردیئے جائیں اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ عہدہ گھٹا دیا جاتا ہے، آپ اونچے عہدے پر تھے، تنخواہ اچھی تھی، ایک دم سے تنخواہ بھی کم ہوگئی، عہدہ بھی گر گیا اور بسا اوقات ان کو سزائیں بھی دی جاتی ہیں اور اس کی مختلف شکلیں ہیں۔

آپ اور ہم جتنے بھی اللہ تعالیٰ کے کارخانے میں لائے گئے ہیں، وہ تیار ہوں تاکہ ہم اس کارخانے سے فائدہ اٹھاسکیں۔ دیکھئے معمولی معمولی چیزیں ہیں، صابن بنانے کا کارخانہ ہے، صابن کی کیا حیثیت ہے؛ لیکن صابن اتنی ضرورت کی چیز ہے کہ انسان کا اس کے بغیر گزارا نہیں ہے، کپڑا دھونا، ہاتھ دھونا وغیرہ وغیرہ، تو صابن کو ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ہاتھ کی کھال نکل جائے اور اس سے نقصان پہنچے، وہ صابن زیادہ اچھا ہوتا ہے کہ نقصان نہ پہنچائے، تو اسی طرح کارخانے میں ہر چیز بنتی ہے اور مختلف چیزوں کے مختلف کارخانے ہوتے ہیں، آپ دیکھتے چلے جایئے کہیں صابن بن رہا ہے، کہیں بسکٹ، کہیں لوہے گلائے جارہے ہیں، کیلیں بن رہی ہیں، دیکھئے کیل معمولی چیز ہے پھر بھی بنائی جارہی ہے تو ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان بنانے کے کارخانے بھی رکھے ہیں، جہاں پر آپ کا اپائمنٹ ہوا ہے، یہاں پر آپ کو انسانیت کا پیغام دیا جاتا ہے، انسانیت کا درس دیا جاتا ہے تاکہ یہاں سے انسان بن کر نکلیں اور پھر انسان کو انسان بنائیں اور اچھی زندگی گزارنے کا طریقہ بتائیں کہ انسان بن کر کیسے رہیں؟ کیسے لوگوں سے معاملات کریں، یہ ساری چیزیں یہاں آپ کو سکھائی جائیں گی، اگر آپ کو کارخانہ میں جو خدا کا کارخانہ ہے جس میں آپ کا اپائمنٹ ہوا ہے، ملازم رکھا گیا ہے، اگر اپنے وقت کو ضائع کیا، تو اللہ تعالیٰ آپ کو سزائیں دے گا، اسی لئے آپ نے دیکھا ہوگا جو آپ کے فارغین ہیں وہ سیکھ کر یہاں سے نکلتے ہیں، دس دس سال سیکھ کر، بارہ بارہ سال سیکھتے ہیں اور سیکھنے کے بعد نکلتے ہیں، تو جنہوں نے اپنا وقت ضائع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کارکانے میں رہ کر سیکھا نہیں ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کو یہاں سے خارج کردیتا ہے، تب نکلنے کے بعد بیکار ہو جاتے ہیں، کسی کام کے نہیں رہتے، چلے جایئے

آج کتنے بڑے بڑے مدرسوں کے فارغ ہیں کہ ان بیچاروں کوڈھونڈنا بھی مشکل ہورہا ہے، شناخت بدل جاتی ہے، کیفیت بدل جاتی ہے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کارخانہ میں انہوں نے سیکھا نہیں اوران کی بات مانی نہیں، اپنی من مانی کرتے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نکال دیا اور بعض لوگوں کا یہ ہوتا ہے کہ ان کو پیسہ تو بہت مل رہا ہے اور کما بھی خوب رہے ہیں، آپ چلے جایئے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تنخواہ ایک لاکھ روپئے مہینہ ہے؛ لیکن وہ بھی کمرے میں آکر کہتے ہیں کہ دعا فرمادیجئے سکون نہیں ہے، دل اتنا بے چین ہے اور اندر سے اتنی پریشانی ہے کہ یہ لاکھ روپئے بھی آپ لے لیجئے؛ لیکن سکون کی ایک گولی آپ دیدیجئے۔

اس میں بھی معاملہ وہی ہے کہ یہاں انہوں نے حاصل تو کیا؛ لیکن جو کام کرنا چاہئے تھا وہ جاکر الٹا کردیا جیسے کہ محاورہ ہے "پڑھیں فارسی بیچیں تیل، یہ دیکھو قدرت کا کھیل" پڑھا تھا یہاں مدرسے میں، عربی پڑھی تھی اور علوم سیکھے تھے، مفتی بننا چاہئے تھا، محدث بننا چاہئے تھا، مقرر، مفسر بننا چاہئے تھا، داعی بننا چاہیئے تھا اور اللہ کا نیک بندہ بننا چاہئے تھا؛ لیکن وہ کیا بن گئے؟

وہ پیسوں کی تھیلی بن گئے، وہ جاکر سائیکل رکشہ، موٹر چلانے والے بن گئے، تو ظاہر ہے آپ ہی نے تو غلط کام کیا، کیا سیکھا تھا اور کیا کررہے ہیں، جیسے کوئی کچھ خاص کام سیکھے اور اس کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے تو کیا انجام ہوگا؟ دردر کی ٹھوکریں کھاتا پھرے گا اور آخر میں جھک مار کر ادھر آئے گا، نہیں آئے گا تو پھر دھکے کھائے گا، یہی حال ہمارے فارغین کا ہوگیا ہے، یہ فارغین جو ہیں مارے مارے پھر رہے ہیں، چاہے جتنا بھی کمارہے ہوں، کارخانے سے وہ نکالے گئے ہیں، خدا نے انہیں پسند نہیں کیا، ادھر ادھر کے کام میں لگے ہیں، معمولی بات نہیں، لوگ سمجھتے نہیں، جو قرآن اور حدیث اچھی طرح سیکھیں اور اس کے بعد جاکر ادھر ادھر کے کاموں میں لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے گویا کہ نکال دیا، وہ اس لائق نہیں ہیں کہ وہ قرآن وحدیث کو پڑھائیں

اور قرآن وحدیث پر عمل کریں، اسلئے اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا اور نکال دیا گیا۔

شکر ادا کیجئے

اب اگر کوئی پڑھا رہا ہے، تو اس پر شکر ادا کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے دو رکعت شکرانے کی پڑھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی، کیوں کہ ہم تو اس لائق نہیں تھے، تو اللہ تعالیٰ اس نعمت میں اضافہ فرمائے گا یعنی قرآن فہمی کی دولت ملے گی، حدیث پر عمل کرنے کی نعمت ملے گی اور لوگوں میں عزت ملے گی، خدا کے یہاں مقبولیت ملے گی اور ساری دنیا میں میں محبوبیت ملے گی؛ لیکن شکر ادا کرنا پڑے گا اور اگر شکر ادا کیا مثلاً کبھی دل میں یہ خیال بھی نہ آئے کہ ہم کیوں پڑھا رہے ہیں مدرسہ میں یا کیوں پڑھ رہے ہیں مدرسہ میں، یہ سب سے بڑی ناشکری ہے جیسے ہمارے بہت سے طلبہ ہیں جن کے منہ میں پانی بھر آتا ہے کالج کے لڑکوں کو دیکھ کر اور ان کی پینٹ اور کوٹ کو دیکھ کر، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم وہاں چلے جائیں، تو ظاہر ہے کہ ناشکری شروع ہوگئی، یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے، آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی دولت عطائی فرمائی ہے اور دوسروں کو دیکھ رہے ہیں لالچ میں، تو آپ کو کیا ملے گا، یہیں سے بے برکتی شروع ہوجاتی ہے کہ آپ مجبوراً یہاں لائے گئے ہیں، آپ کو باندھ کر پکڑ کر یہاں لایا گیا ہے کہ آپ صبح وشام ہائے ہائے کر رہے ہیں اور ہائے ہائے کا نتیجہ یہ ہے کہ نقالی کرنے لگے ہیں، نقالی بھی ناشکری کی علامت ہے، ورنہ آدمی اپنے سے کم آدمی کی نقالی نہیں کرتا، جس کو اپنے سے بڑا اور اچھا سمجھتا ہے، اسی کو محبوب بناتا ہے، آدمی نقالی اسی کی کرتا ہے۔

اپنی دولت کی قدر کیجئے

اگر آپ ان کی نقالی کر رہے ہیں، آپ اپنے کو کم سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے پاس دولت کم ہے، ان کے پاس زیادہ ہے حالانکہ برعکس ہے معاملہ، آپ کے پاس زیادہ ہے ان کے پاس کم ہے؛ لیکن اپنی دولت پڑیا کے اندر ہے اور یہ پڑیا بند ہے، اس کو کھولئے تو یہ

آپ کا موتی دس کروڑ کا اور ان کی ساری دوکان جو موتیوں سے بھری پڑی ہے وہ بک جائے گی پانچ ہزار میں، تو کہاں ایک کڑور اور کہاں پانچ ہزار، کوئی جوڑ ہے؟ لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب آپ شکر ادا کرنا شروع کریں ورنہ آپ موتی کو پہچان ہی نہیں پائیں گے۔

قدر گوہر شاہ داند

یا بداند جوہری

یہ دولت وراثت میں مل گئی اسی لئے آپ قدر پہچانتے نہیں اور آپ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم طالب علم یعنی عالم بننے جا رہیں، آپ کے باپ دادا عالم تھے تو ان کی وجہ سے آپ یہاں آگئے اور آپ یہ نہیں جانتے کہ آپ کو کتنی بڑی دولت مل گئی، یہ ٹائٹل جو آپ کے ابا سے دادا سے ملا، پرداد سے ملا، اس کو پہچانتے نہیں، پتھر کتنا قیمتی ہے ہر آدمی نہیں پہچانتا، پتھر کے بارے میں ایک صاحب جو پتھر کا کام کرتے ہیں، بتانے لگے کہ مولانا! بڑا دھوکا ہوتا ہے ہم لوگ پتھر لے آتے ہیں، بعض بڑے قیمتی ہوتے ہیں بعض پتھر بہت کم قیمتی ہوتے ہیں، ایک پتھر دس روپئے کا ہے اور ایک پتھر دس ہزار کا، جو لوگ نہیں پہچانتے ہیں وہ دھوکا کھا جاتے ہیں، جب لوگ خریدنے آتے ہیں پتھر، تو ہم لوگ دس والے کو ملا کر پچاس ہزار کا بیچ دیتے ہیں، ان کو پتہ ہی نہیں، وہ جانتے ہی نہیں، پہچانتے ہی نہیں، تو پہچاننا ضروری ہوتا ہے، اور اس کو شاہ (بادشاہ) پہچانتا ہے یا جوہری پہچانتا ہے، دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ کس قیمت کا پتھر ہے یہ۔

تو ایسے ہی ہے کہ آپ یہاں پڑھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال کی دولت عطا فرمائی ہے، قرآن کی دولت عطا فرمائی ہے، سنت کی دولت عطا فرمائی ہے ، تفقہ کی دولت عطا فرمائی ہے، عربی زبان کی دولت عطا فرمائی اور براہ راست ہم کلام رب ہو رہے ہیں، معمولی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کو نازل کیا ہے عربی زبان میں، اس کلام سے ہم کلام ہیں، ہم اور آپ براہ راست اس کو سمجھ رہے ہیں، یہ معمولی دولت نہیں ہے، اس پر ساری دولتیں قربان ہو جائیں؛ لیکن جب سمجھیں گے تب اس

کی قدر کریں گے،نہیں سمجھا تو یہ جو ہمارے فارغین ادھر ادھر چلے جاتے ہیں، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے جانا ہی نہیں کہ ان کے پاس ہے کیا؟ آپ کی گدڑی میں کیا ہے؟ کیسا لعل ہے، آپ نے جانا ہی نہیں ،آپ تو سمجھے کہ ہم گدڑی پوش ہیں،گدڑی گدڑی ہے بس تو انہوں نے کہا،جلدی سے اسکو اتار کر پھینک دو اور چلے جاؤ،آپ نے تو نکال کر پھینک دیا،جبکہ اسی گدڑی میں تھا معاملہ سارا،گدڑی کا لعل اندر تھا،جس نے پالی اس نے نکالا لعل اور جا کر بازار میں بیچا اور کروڑ پتی ہوگا اور آپ لگے مارے مارے پھرنے اور اسی وقت آپ نے اس سے جس کے پاس گدڑی کا لعل پہونچ گیا تھا،اس سے کہا کہ میاں یہ رقم کہاں سے آئی کہ آپ اتنے بڑے مالدار ہو گئے تو اس نے کہا کہ تم نے جو گدڑی پھینک دی تھی ، یہ اسی کا لعل ہے، کمال ہے، اب بیچارے کف افسوس مل رہے ہیں، آہیں بھر رہے ہیں، تم نے تو پھینک دیا تھا، تو اسی وجہ سے حال یہ ہوا کہ ہم وہاں پہونچ گئے اور تم یہاں ہو۔

ہمارے حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ نے ''نزہۃ الخواطر'' میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب تھے سید زادے، سادات خاندان سے تھے؛ لیکن عادتیں بگڑ گئیں، شراب پینے لگے، غلط کاموں میں لگ گئے ،ایک دفعہ پی پلا کر پڑے تھے سڑک پر، اتنے میں دیکھا کہ ایک صاحب بڑے کروفر سے چلے آرہے ہیں، گھوڑے پر سوار ہیں اور آگے پیچھے ان کے لوگ ہیں، کوئی گھوڑے کی لگام تھامے ہے، لوگ جھک جھک کر آداب بجالاتے ہیں، آگے پیچھے لوگ چل رہے ہیں ،اب سید صاحب کے دماغ میں آیا کہ میں سید ہوں، میں یہاں لڑکھڑا رہا ہوں اور یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا تم کون ہو؟ تو معلوم ہوا کہ ان کے دادا کا غلام تھا، ان کا بیٹا تھا جو اس مقام پر پہونچ گیا ہے اور اس کو جب معلوم ہوا کہ ہمارے جو دادا تھے ان کے آقا کا پوتا ہے، تو وہ اتر کر ادب سے کھڑا ہو گیا اور اس کے سامنے سلام کیا تو انہوں نے کہا کہ اچھا تو تو فلاں غلام کا لڑکا ہے، اتنے اونچے مقام پر پہونچ گیا، تو انہوں نے کیا بات کہی، کہا کہ حضرت میں کیا

آپ سے عرض کروں؟ آپ کے دادا جو تھے میں نے ان کی اتباع کی اور میرے ابا اور دادا جو تھے، ان کی اتباع آپ نے کی، تو اب میں آپ کے دادا کی جگہ پہونچ گیا ہوں اور آپ میرے دادا کی جگہ پہونچ گئے، یہ ہے گدڑی کا معاملہ، کہ آپ نے اس کو گدڑی سمجھا اور گدڑی سمجھ کر آپ نے چولا ہی بدل دیا، چولہا بھی بدل دیا تو کیا انجام ہوا، مارے مارے پھر رہے ہیں، آپ جایئے اور دیکھئے ہمارے ان فارغین کا حال، آج ان کی نہ عقلیں ہیں نہ ان کو سمجھ ہے کہ ان کو معلوم ہو کہ خدا نے ان کو کیسی بڑی دولت عطا فرمائی تھی، کوئی پوچھتا ہی نہیں کہ کہاں آئے اور کہاں گئے اور جب دیکھتے ہیں فلاں تو اتنا اونچا ہو گیا، تو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتے ہیں، تو وہ کہتا ہے کہ یہ آپ ہی کی تو گدڑی ہے جسے آپ نے پھینک دیا تھا، میں نے اسے اٹھا لایا اور اندر مجھے لعل مل گیا۔

تو آپ سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی چیز عطا فرمائی ہے؛ لیکن آنکھ کھول کر دیکھنا پڑے گا، عقل کے دروازے کو کھول کر سمجھنا پڑے گا اور اس کی قدر کرنی پڑے گی اور اس کی تراش و خراش کرنا پڑے گی، دیکھئے موتی جو ہوتا ہے اس میں جب چھید کیا جاتا ہے، تو اس کی قیمت ایک دم آسمان تک پہونچ جاتی ہے؛ لیکن اس میں چھید کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بڑے بڑے ماہرین اس کے لئے بلائے جاتے ہیں، تو اگر موتی میں چھید صحیح ہو جائے تو بڑا قیمتی ہوتا ہے، تو اب آپ کو قرآن مل گیا یعنی موتی مل گیا، تو اب آپ اس میں چھید کیسے کریں گے؟ قرآن تو اپنی جگہ ہے تو بڑا قیمتی؛ لیکن جب اس میں چھید کیا جاتا ہے تو ایک دم سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، تو اس کے لئے بڑے بڑے لوگ لائے جاتے ہیں، یہ اساتذہ تو اسی لئے لائے جاتے ہیں کہ یہ اس موتی میں چھید کریں اور آپ کو دیدیں تا کہ اس کی قیمت ایک دم سے بڑھ جائے اور آسمان تک پہونچ جائے اور آپ یہاں سے جائیں تو بن جائیں، اس کے لئے تراش و خراش کرنی پڑتی ہے اور اسمیں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اور اب اگر کوئی شخص جس کے لئے یہاں آیا ہے وہی کام نہ کرے، دوسرے کام میں لگا رہے تو کیا ہوگا؟

''کلیلہ دمنہ'' پڑھی ہے آپ نے، جو ایک درجہ میں ہے پڑھتے ہونگے اس میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص تھا اسکے ہاتھ میں موتی آگیا، اس نے سوچا اس میں چھید کرانے کے لئے کسی ماہر کاریگر کو لایا جائے، ایک بہت بڑے ماہر کاریگر کو بلا کر لایا اور کہا کہ دن بھر تم موتی میں چھید کرنا اور شام کو ہم تم کو بہت کچھ دیں گے، تو اس نے کہا بہت اچھا اور جب وہ آیا تو اس سے پوچھا کہ بھائی تم رہتے کہاں ہو؟ تو اس نے کہا فلاں جگہ، کرتے کیا ہو؟ کہا یہی موتی میں چھید کرتا ہوں اور ہاں گاتا بھی ہوں، تو اسے گانے کا بھی شوق تھا، تو اس نے کہا کچھ سناؤ، جب سنا تو مست ہو گئے، کہا ایک اور سناؤ، تو اس نے اور سنایا، پھر باتیں کرنے لگے، پھر اس نے کہا کہ اور سناؤ، اتنا مزہ آگیا کہ دن بھر غزل ہی سنتے رہے، جب شام ہوئی تو اس نے کہا پیسے لایئے، کیسے پیسے؟ موتی میں چھید کرنے کے پیسے، تو اس نے کہا وہ تو آپ نے کیا ہی نہیں، کہا اس سے کیا مطلب آپ دن بھر مجھے روکے رہے اور مجھ سے آپ کام لیتے رہے، مجھے تو کچھ نہیں معلوم میرے پیسے دو، آپ کو دینے پڑیں گے، موتی میں چھید ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، میں تو اپنے وقت کا ذمہ دار ہوں، جتنا وقت میں لے کر آیا تھا مجھے تو اس کے پیسے چاہئیں، ایسے ہی معاملہ خدانخواستہ آپ کا نہ ہو۔

آپ یہاں آئے ہیں علم کے لئے، تو آپ کو استاذوں سے صرف یہی سیکھنا چاہئے اور اس کے پیچھے پڑے رہئے تاکہ آپ کا موتی قیمتی ہو جائے اور چار چاند لگ جائے؛ لیکن آپ نے استاذ کو دیا دھوکہ، حاضری دی اور پیچھے سے نکل گئے، کتنے طلبہ ہیں لبیک والے؟ لب ہلائے اور پیچھے سے بیک ہو گئے، چلے گئے، تو انجام ان کا کیا ہوگا، وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے استاذ کو دھوکا دیا جبکہ استاذ کو دھوکہ نہیں دیا، بلکہ اپنے آپ کو دھوکہ دیا اور کچھ طلبہ آتے ہیں جو پیچھے بیٹھ کر الٹی سیدھی چیزیں پڑھتے ہیں، اگر محنت سے پڑھو گے، اچھی نیت سے پڑھو گے، ادب کے ساتھ پڑھو گے، تو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت دی ہے، وہ چمک اٹھے گی اور ایسا نفع ملے گا جس کا اندازہ تم کو نہیں ہے کہ تم کیا سے کیا ہو جاؤ گے، دیکھنے میں تو معمولی سے انسان ہو؛ لیکن

جب یہی انسان عالم ہو جاتا ہے، تو اس میں چار چاند لگ جاتے ہیں، جس کو آپ کہتے ہیں کہ پہلے آپ بنے ملا، جس سے آپ گھبراتے ہیں اگر کوئی کہدے ملا، تو مولوی صاحب گھبرا جاتے ہیں، یہ بات اصل یہ ہے کہ پہلے پرانے زمانے میں 'ملاّ' کہتے تھے 'علامہ' کو، پہلے آدمی 'ملاّ' بنتا ہے پھر وہ 'مولوی' بنتا ہے پھر 'مولانا' بنتا ہے پھر امام بنتا ہے، پھر محبوب خالق بنتا ہے، پھر محبوب خاص و عام بنتا ہے اور جو محنت نہیں کرتے تو ان کا معاملہ برعکس ہے۔

اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کریں

آپ اپنی دولت کے ساتھ، اپنی نعمت کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جایئے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نوازے گا اور دولت و نعمت بڑھتی چلی جائے گی یہاں تک کہ آپ مولانا علی میاںؒ بن جائیں گے، یہ جو ہمارے مولانا علی میاںؒ تھے، یہ کوئی مکہ مکرمہ، بیت اللہ کے اندر سے تھوڑی نکلے تھے کہ آگئے اور یونہی شروع ہو گئے کہ سارے بڑے بڑے سربراہان مملکت اور اپنے اپنے زمانے کے وزرائے مملکت، سب ان کے پاس آتے تھے اس لئے کہ وہ کسی کے پاس نہیں جاتے تھے اور ہندوستان کا کوئی ایسا وزیر اعظم نہیں ہے جو مولانا کے پاس نہ آیا ہو، حالانکہ مولانا بھی یہیں ندوہ کے پڑھے ہوئے تھے، کہیں اور سے تھوڑی پڑھ کر آئے تھے، لندن، امریکہ میں بھی نہیں پڑھا تھا، ہاں بعد میں گئے یہاں سے پڑھنے کے بعد؛ لیکن لندن و امریکہ والوں کو پڑھایا، جب آدمی اس مقام پر پہونچ جاتا ہے تو پوری دنیا ان کے بس میں ہوتی ہے، ہمارے حضرت مولاناؒ کی والدہ حضرت مولاناؒ کے لئے بہت دعا کرتی تھیں اور ساری دعائیں قبول ہوئیں اور خاص طور پر یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کی طرح بنادے، عشرہ مبشرہ کی طرح بنادے، یہ دعائیں کرتی تھیں، تو ان کی بہن ایک دن کہنے لگیں، یہ تو چاہتی ہیں کہ علی میاں نبی بن جائیں، تو وہ کہنے لگیں میں جانتی ہوں کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے؛ لیکن نبوت کے علاوہ سارے دروازے کھلے ہیں، جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ پکا جھوٹا ہے، کذاب ہے، اس سے بڑا کذاب کوئی پیدا نہیں ہوا؛ لیکن

اسکے علاوہ سارے دروازے کھلے ہیں، صدیقیت کا مقام ہے، صالحیت، صادقیت، شہادت کا مقام ہے، یہ سارے دروازے کھلے ہوئے ہیں؛ لیکن بات یہ ہے کہ کوئی اس راستے پر لگے، تو پھر آپ ترقی کرتے چلے جائیں گے اور یہ تبھی ہوگا جب آپ اپنے آپ کو پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے، اپنے کو نہ دیکھیں، خدا کو دیکھیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر جو صلاحیتیں رکھی ہیں ان کو دیکھئے، اللہ تعالیٰ نے صلاحیتیں ہر انسان کے اندر رکھی ہیں بس ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرنا آجائے اور ان صلاحیتوں کو مردہ کرنے والی چیزوں سے بچیں، کیونکہ مردہ کرنے والی چیزیں بھی ہیں، جیسے بے ادبی، حرام کھانا، بدنگاہی و بداخلاقی، بری عادتیں اور یہ جتنی بری چیزیں ہیں، یہ روڑے ہیں راستے کے، یہ انسان کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں، وہ کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے، پھر وہ کسی کام کا نہیں رہ جاتا، اس لئے ہمیشہ دو چیزیں ضروری سمجھی گئیں، ایک تو راستے میں رکاوٹیں نہ ہوں، دوسرا راستہ ہموار ہو۔

ایک بات اور عرض کئے دیتا ہوں، زکوٰۃ ہے، صدقات ہیں، یہ زکوٰۃ دینے والے کا میل ہے، اب اگر کوئی شخص زکوٰۃ کھائے گا تو میل اس کے اندر آجائے گا، یہ زکوٰۃ جو آتی ہے مدرسے میں، بچے کھاتے ہیں، بہرحال زکوٰۃ میل تو ہے اس میں کوئی شبہ نہیں؛ لیکن ہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو کوئی مسئلہ نہیں، دیکھئے زکوٰۃ جو ہے وہ زکوٰۃ دینے والے کو پاک کرتی ہے اور جس کو دی جارہی ہے اگر وہ محتاج ہے اور وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے تو یہ احتیاج اور فقر فلٹر کی مشین ہے؛ لیکن اگر کوئی زکوٰۃ کا حقدار نہیں ہے، پھر بھی لے رہا ہے تو مشین ہے ہی نہیں اس کے پاس، تو زکوٰۃ کا میل اس کے اندر ڈائرکٹ چلا جاتا ہے، یہ تو زکوٰۃ کا مسئلہ ہے؛ لیکن جو حرام کھا رہا ہے، رشوت کا، سود کا پیسہ کھا رہا ہے، سی لی زمین مار رکھی ہے، وہ تو کبھی اچھا اور بڑا آدمی بن ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ یہ تو بہت ضروری ہے کہ معاملہ اچھا ہو، اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو نظام جسم کا بنایا ہے، دیکھئے یہ کھال جو ہے وہ بدلتی رہتی ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی موسم میں اوپر

کی کھال نکلنے لگتی ہے اور نیچے سے نئی کھال آجاتی ہے اور اندر بھی خون نیا بنتا رہتا ہے، پرانا ختم ہوتا رہتا ہے، ہر چیز کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ بات رکھی ہے تو توبہ کے اندر بھی اللہ نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ اب جیسے حرام مال چلا گیا تو اب حلال مال کھایئے فوراً اور توبہ کرتے رہیئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اوور ہالنگ ہوتی رہے گی، حرام مال نکل جائے گا اور حلال مال اس کی جگہ پر آجائے گا اور آپ چمک اٹھیں گے، جیسے کڑوی چیز آپ نے کھالی تو کڑوی چیز کے بعد جب آپ میٹھی چیز کھانا شروع کرتے ہیں، تو کڑوی چیز کا مزہ جاتا رہتا ہے، حتیٰ کہ ختم ہو جاتا ہے، اچھائی برائی کو ختم کر دیتی ہے اور اگر الٹا کیا کہ پہلے اچھا کھایا پھر برا کھایا، تو ظاہر ہے کہ پھر معاملہ بھی الٹا ہو جائے گا۔

ابھی سے آپ سب طے کرلیں کہ آپ کو دل لگا کر محنت سے انہماک کے ساتھ پڑھنا ہے، تعلق کے ساتھ، ادب کے ساتھ پڑھنا ہے، اساتذہ ہوں، مدرسہ ہو، کتابیں ہوں وغیرہ وغیرہ سب کا ادب کرنا ہے، ان تمام کے آداب کی بجا آوری کے ساتھ آپ اپنے تعلق کو صحیح طور پر قائم کریں گے، تو انشاء اللہ آپ ترقی کرتے چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی عطا فرمائے گا، یہاں تک کہ لوگ آپ پر فخر کرنے لگیں گے کہ اللہ اکبر! یہ کیسا بچہ ہے وہ ہمارے یہاں پڑھتا تھا، اس وقت تو معلوم نہیں ہوتا تھا؛ لیکن دیکھئے کتنا ترقی کر گیا، محنت اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا؛ لیکن محنت محنت کے طریقے پر ہو جیسے بڑا بوجھ ہوتا ہے اسے اٹھانے کا طریقہ ہوتا ہے، کوئی ایک آدمی اسے اٹھاتا ہے اور اس بوجھ کی حیثیت سے طریقے الگ الگ اختیار کیے جائیں گے، ایسے ہی یہ جو بوجھ ہے اسے اٹھانے کے لئے نیت درست کرنی پڑتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ سے 'قول ثقیل' کہا گیا قرآن مجید میں، جو آپ کے قلب پر اتارا جا رہا ہے تو اس کے لئے کیا کیا کرنا پڑے گا، رات کو اٹھنا پڑے گا، تہجد پڑھنی پڑھے گی، اللہ کے سامنے گڑگڑانا ہوگا، اللہ سے مانگنا ہوگا، تو یہ بوجھ جو آپ پر ڈالا جا رہا ہے، یہ ہلکا ہو جائے گا، آسان ہو جائے گا، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں کچھ چیزوں

کے کرنے اور کچھ چیزوں سے رکنے کا حکم دیا ہے، تو ہم ان چیزوں پر عمل کریں گے تو یہ جو بوجھ ہے علوم دینیہ کا یہ ہلکا ہو جائے گا، قرآن سمجھ میں آنے لگے گا، اس پر عمل آسان ہو جائے گا، عمل میں کیفیت پیدا ہو جائے گی اور کرنے میں مزہ آنے لگے گا اور ایمان کی حلاوت مل جائے گی، یہاں تک کہ سب کام آسان ہو جائیں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو ٹھیک کریں، پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کیسے نوازتا ہے، کمی ساری ہماری ہے، علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کہا تھا، کوئی پوچھے تب تو راہ بتائی جائے، کس کو راہ بتائیں، تو حال یہی ہو گیا ہے، نفسانفسی کا عالم ہے، کوئی پوچھنا بھی نہیں چاہتا، سب من مانی کر رہے ہیں، تو اس سے کہیں فائدہ ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن جایئے اور اس شکر کے ذریعہ سے آگے بڑھنا ہے پھر انشاء اللہ اس کے فوائد و منافع سامنے آئیں گے اور دنیا میں بھی آپ اس کا مزہ پائیں گے اور آخرت میں جو کچھ ملنے والا ہے اس کا تصور بھی آپ نہیں کر سکتے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

علم اگر مال کے تابع ہے تو جہالت ہے

بزرگان گرامی قدر اور حاضرین مجلس! ہم اور آپ یہاں ایک علمی گہوارے کی بنیاد رکھنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، اور اس دور جہالت میں علم کی بنیاد کے لئے جمع ہونا ایک نیک کام ہے اور نیک فال بھی، اس اعتبار سے ہم ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کے لائق ہیں کہ کم از کم ہم کو اس دور میں اس بات کا خیال آیا۔ اکبر مرحوم نے جو اپنا ان کا انداز تھا شعر وشاعری کا، وہ بڑے اچھے انداز میں حقائق بیان کر دیا کرتے تھے، انہوں نے یہ بات کہی ہے کہ۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کہ تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

تو اس دور جہالت میں نام علم عجیب سی بات ہے، آپ لوگ بھی کچھ حیرت میں ہوں گے کہ مولوی صاحب کو بھی کیا ہو گیا ہے کہ دور علم کو دور جہالت کہہ رہے ہیں، ہر طرف چرچا ہے علم کا۔ یہ دور چرچے کا ہے، پرچے کا ہے، ہر طرف چرچا ہے۔ اور شہر میں چلے جایئے تو کوئی نہ کوئی پرچہ بھی دکھائی دے گا، اور کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہ دور جہالت کا ہے، تو بات عجیب ہے، اور اس کو عجیب سمجھ رہے ہوں گے۔ لیکن آپ کے عجیب میں اور ہمارے عجیب میں تھوڑا سا فرق ہے، بات یہ ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یونیورسٹیاں، کالجز اور علم کی موجودہ گرم بازاری کا نام علم ہے۔ ہاں ہے۔ مانتا ہوں اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ان کو علم نہیں کہتے، اس میں بھی دو نقطۂ نظر

ہیں۔ بعض لوگ تو اس کو علم کہنے کو تیار نہیں لیکن ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو اس کو علم کہتے ہیں اور اس کے سیکھنے پر آمادہ بھی کرتے ہیں، اور اس کے لئے جو اسباب ہیں ان کو اختیار کرنے کا پرچار بھی کرتے ہیں گویا کہ اس کا پرچہ ہم بھی چھاپتے ہیں کہ پڑھو اس کو، لیکن اس میں اور اس میں کچھ فرق ہے تھوڑا۔ حضرت علیؓ کی طرف منسوب ایک رباعی ہے۔

رضینا قسمة الجبار فینا

لنا علم وللجهال مال

فان المال یفنیٰ عن قریب

وان العلم باق لا یزول

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو ہماری قسمت بنائی ہے اور جو ہمارے نصیب میں رکھا، ہم خوش ہیں، راضی ہیں اور کیوں نہیں، ہم کو ملا علم اور جاہلوں کو ملا مال، کیوں کہ مال جلد ہی ختم ہو کر فنا ہو جاتا ہے مگر علم باقی رہے گا اس کو زوال نہیں ہے۔ بس یہیں سے فیصلہ دونوں کا ہو گیا، علم اگر مال کے تابع ہو تو جہالت ہے، اور مال اگر علم کے تابع ہو تو وہ علم ہے، بس اب فرق آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا۔ اس لئے قرآن اور حدیث کا علم جو ہے تو وہ مال کے تابع ہو ہی نہیں سکتا اور یہ جو علم ہے کبھی تابع ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا ہے، تو اب اس میں بھی دو مسئلے ہیں، کچھ ہم جیسے ناکارہ لوگوں نے علم دین کو بھی مال کے تابع بنا دیا، یا بنانے کی کوشش کی تو اس علم کی جو برکتیں اور اس کا جو اچھا مظاہرہ تھا وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور باقی ساری دنیا نے اس علم کو مال کے تابع بنا دیا، اس لئے یہ علم وبال ہو گیا، ساری انسانیت کے لئے کلنک کا ٹیکا ہو گیا اس وجہ سے جو علم سیکھ رہا ہے وہ آج نفع پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس لئے ڈاکٹر کچھ تو ڈاکٹر بن جاتے ہیں مگر بہت سے ڈاکٹر ڈاکو بن جاتے ہیں۔ ان کے پاس علم تو ہے لیکن گردہ نکال کر بیچنے کا علم ہے، علم ہے لیکن راکٹ بنا کر انسانوں کو ہلاک کرنے کا علم ہے، علم ہے لیکن زہریلی گیس بنا کر چھوڑنے اور انسانوں کو تباہ کرنے کا۔ تو حقیقۃً وہ علم نہیں بڑے درجہ کی جہالت ہے اور بڑے بڑے اس علم کو جاننے

والے ٹھیکیدار موجود ہیں لیکن وہ دنیا کے اتنے بڑے جاہل ہیں کہ شاید پوری تاریخ انسانی میں اتنے بڑے جاہل کبھی پیدا نہ ہوئے، کیونکہ یہ علم مال کے تابع ہے۔آپ نے سنا ہوگا ابھی کچھ طلبہ کا انٹرویو ہوا، اس میں ہمارے کچھ جاننے والے بھی تھے ہمارے نوجوان کچھ پیکیج پر اٹھا لئے جاتے ہیں۔ ستر لاکھ کا پیکیج، ڈیڑھ کروڑ کا پیکیج، آپ نے دیکھا ہوگا ابھی بھی چل رہا ہے کہ پڑھائی کے زمانے میں ہی ان کو اٹھا لیتے ہیں، اچک لیتے ہیں، اچک کیوں لیتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ علم ہی مال کے تابع ہو گیا ہے، مال کا غلام بن گیا ہے، اگر مال کے تابع یہ علم نہ ہوتا تو اچک نہ پاتے، علم بنا ہی اس لئے ہے کہ انسان کو نفع پہونچائے۔ مثلاً انجینئر کیوں انجینئر بنتا ہے تاکہ آپ کے پاس مکان کے لئے تھوڑی سی جگہ ہے تو اس تھوڑی سی جگہ میں انسان کیسے فائدہ اٹھائے انجینئر اس کو بتاتا ہے، اب اگر انجینئر اس سے صرف پیسہ کمانا اور ہتھیانا سیکھ لے تو اب یہی وبال ہو گیا اس کے لئے، کہ نفع کے لئے تھا، پیسہ کمانے کے لئے نہ تھا۔ پیسہ ضرورت کے لئے ہوتا ہے اور انسان کا اصل کام ہے نفع پہنچانا، تو اصل معاملہ یہ ہے کہ علم سب سے اوپر ہونا چاہئے پھر اس کے نیچے مال ہونا چاہئے۔

مال ایک ضرورت کی چیز ہے۔ علمی حلقوں میں یہ بات معروف ہے کہ جو چیز ضرورت کی ہوتی ہے اس کو بقدر ضرورت ہی لینا چاہئے۔ اور جو چیز ضرورت کی ہے اور ضرورت سے زیادہ آجائے تو کیا ہوگا۔ مثلاً کھانے، پینے اور پہننے کی چیزیں یہ سب ضرورت کی چیزیں ہیں، ایسے ہی جتنی بھی ضرورت کی چیزیں ہیں اگر ان چیزوں میں توازن اختیار نہ کریں گے تو وہ چیزیں وبال جان بن جائیں گی۔ تو مال بھی بقدر ضرورت ہونا چاہئے جتنی ضرورت پڑتی جائے، مال آپ کو ملتا جائے، ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ مال کو تابع رکھا جتنی ضرورت ہوتی تھی لے لیتے تھے، یا چھوڑ دیتے تھے دوسروں کے لئے، یہاں تک کہ ایسے قصے بھی اُس زمانے میں ہوتے تھے کہ دو دکاندار ہیں، ایک کی فروخت زیادہ ہوگئی جس سے اس کی ضرورت بآسانی پوری ہوسکتی

تھی، تو اس نے نئے گاہکوں سے کہا کہ ہمارے یہاں فروخت زیادہ ہوگئی ہے اس کے یہاں نہیں ہوئی تو تم وہاں جا کر خرید لو کیونکہ وہ مال کو ضرورت کی چیز سمجھتے تھے۔ لیکن آج معاملہ الٹا ہے۔ سوچتے ہیں اس کا ایک بھی نہ بکے، ہمارا سب بک جائے۔ تو اس کے نتیجے میں ہر کام وبال بن رہا ہے بلکہ اس وقت کی ذہنیت یہ ہوگئی ہے کہ سامنے والے کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لینا چاہتے ہیں۔ ایک مثال اور دئے دیتا ہوں کہ موبائل ہے، موبائل سود کی شکل ہے، سود کیا ہوتا ہے کہ آدمی قرض لیتا ہے اور پھر قرض دینے کے لئے تھوڑا اس میں شامل کرنا پڑتا ہے اس سے وہ خون پیتے ہیں انسانیت کا۔ ایسے ہی موبائل کمپنیاں پوری انسانیت کا خون پیتی ہیں۔ یہ پیسہ جو ہے وہ بہت اچھا حلال کا نہیں ہے میرے نزدیک تو اس میں کراہت ہے موبائل والے بے فائدہ بات کرتے ہیں، پیسے خرچ کرتے ہیں، بے فائدہ خرچ اسلام میں جائز نہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام زندگی

اسلام کا ایک پورا نظام ہے مثلاً: وضو کرتے ہیں لوگ، وضو میں تین دفعہ سے زیادہ ہاتھ پیر نہیں دھونا چاہئے، اس لئے کہ اللہ کی یہ نعمت ہے پانی، پانی کو ضائع نہ کریں، آپ کو منع کیا گیا ہے کہ وضو اتنا ہی کریں جتنا کہ ضرورت ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں پوچھ ہوگی، پانی کیوں زیادہ خرچ کیا؟ نل کو بند کر کے درمیان میں وضو کریں، اور اگر مناسب ہو تو لوٹے سے وضو کریں۔ اس میں ایک چیز یاد رکھیں کہ پانی جو ہے وہ زندہ چیز ہے اب تو سائنس نے بھی بتادیا کہ پانی سراسر زندگی ہے۔ اور ہم بھی زندہ پانی سے ہیں تو زندہ چیز کا استعمال بقدر ضرورت ہوتا ہے کہ آپ جتنا دھوئیں گے اتنا ہی پانی کو گندہ کردیں گے، اور پانی کو ضرورت کے تحت تو گندہ کر سکتے ہیں، اب اگر آپ زیادہ خرچ کریں گے تو اس کو گندگی میں آپ زیادہ شامل کریں گے، تو جتنا پانی ضرورت کے تحت ہے اتنا معاف ہے، لیکن اس سے زیادہ بہایا جائے گا تو اللہ کے ہاں شکایت کرے

گا۔اس لیے ہر چیز کے استعمال میں اس کا خیال کرنا چاہئے۔

مسلمان ایک پورا نظام لے کر چلتا ہے لیکن آج کل مال جو اصل ہو گیا ہے، کچھ دیکھتا ہی نہیں بس پیسہ آئے، اور ہم اس کے ذریعہ سے لوگوں کا استحصال کریں، ان کا غلط استعمال کریں، اب یہ دماغ میں بس گیا ہے۔اس لئے روپیہ کا ہر جگہ غلط استعمال ہو رہا ہے، تو بات یہ ہے کہ مال کو علم کے تابع ہونا چاہئے تھا یوں کہہ لیں کہ علم دین کو اوپر ہونا چاہئے اور علم دنیا کو اس کے ماتحت۔اور علم دنیا مال کے اوپر ہونا چاہئے اور مال کو اس کے ماتحت، گویا کہ مال کا تیسرا درجہ ہے، لیکن مال کو پہلا درجہ دیدیا۔جب چپراسی کو آپ صدر بنا دیجئے گا تو کیا انجام ہوگا؟ آپ سب بھی پریشان ہوں گے اور وہ بھی پریشان ہوگا، تو آج یہی حال ہے کہ مال بھی پریشان ہے اور سب ہنس رہے ہیں اس لئے کہ آپ نے اس کو صدارت کی کرسی پر بیٹھا دیا، اب اس کا انجام جو ہونا ہے وہ ہو رہا ہے، ہونا تو چاہئے تھا کہ: (۱) علم دین (۲) علم دنیا (۳) مال۔آپ نے کہا نمبر ایک مال ، دین تو ہے ہی نہیں اسکو وہاں رکھ آؤ کوڑے دان میں، اور علم دنیا ہی اصل ہے تو یہ سب نتیجہ ہے انگریزوں کی حکمت عملی کا، انھوں نے علم دین کو گھٹیا اور معمولی بتانے کے لئے یہ سب کیا تھا، اب تو ماشاء اللہ تھوڑا سا فرق ہوا ہے، اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا اپنے انداز سے کہ ''مسجد میں فقط جمن'' مسجد میں کون آئے گا؟ فقط جمن۔

نائجیریا کے صدر احمد بیلو آئے ہوئے تھے، ان کا استقبال ایک بڑی مسلم یونیورسٹی میں کیا گیا، وہ بڑے دین دار اور اچھے آدمی تھے، بڑے بڑے پروفیسر اس زمانے کے جب کہ آزادئ رائے بلکہ آزاد مشربی کا دور تھا، دین بیزاری عام بات تھی بلکہ فیشن تھی، یہ تو ہمارے دین کے کام کرنے والوں اور محنت کرنے والوں کا طفیل ہے جو کچھ نظر آتا ہے، تو اس زمانے میں ویسے ہی لوگ ہوا کرتے تھے۔اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان کو نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آگئی وہیں کینیڈی ہال میں وقت ہو گیا نماز کا تو انہوں نے اپنی تقریر کے بعد کہا ''بھئی مجھے نماز پڑھنی ہے قبلہ کدھر ہے''۔اب کوئی قبلہ والا تھا ہی نہیں

جو بتاتا؟ تو ان کے سکریٹری نے پروفیسر صاحب سے پوچھا کہ قبلہ کدھر ہے؟ تو وہ سمجھ گئے اور کہا کہ ارے بیوقوف ان سے مت پوچھ یہ جھاڑو دینے والے سے پوچھو قبلہ کدھر ہے؟ یہ مسٹر صاحب تھوڑی بتا پائیں گے کہ قبلہ کدھر ہے ان کو کہاں فرصت، ان کو اپنی مسٹری، اپنی پروفیسری سے فرصت ہو تو یہ بتائیں کہ قبلہ کدھر ہے، ان کا قبلہ تو بدل چکا ہے، ان کا قبلہ تو مال ہے۔ جس کا قبلہ ہی بدل جائے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم لوگ اپنے قبلے کو درست کریں۔ اس لئے میں نے کہا کہ میں اس نقطۂ نظر کا آدمی ہوں کہ کسی بھی علم کو برا نہیں کہتا۔ ڈاکٹر، انجینئر، وکیل لیکن اس میں روح اسلامی پیدا کریں، دیکھئے جو پرانے ڈاکٹر ہوا کرتے تھے جب مریض ان کے پاس آتا اور غریب ہوتا تو پیسے بھی جیب سے نکال کر دیتے تھے، کھانا بھی کھلاتے تھے، دوا بھی دیتے تھے، لیکن آج ایسا نظام بنا دیا گیا ہے کہ بیچارے غریب مریض کا دیوالیہ نکل جائے، وہ خود تو مرتا ہی ہے اس کے گھر والے تیماردار بھی بیمار ہو جاتے ہیں اور ایسے ڈاکٹر تو نظر نہیں آتے جو اپنے بڑوں کے راستے پر چلنے والے ہوں، مریض کے ہمدرد اور غمگسار ہوں، یہ سب نتیجہ مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت کا ہے جس سے بہت منع کیا گیا تھا حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے''۔

علم اگر مال حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تو جہالت ہے اور اگر مال علم کے حصول کا وسیلہ ہے تو برکت ہے، مال اگر پیر یا پازیب ہے تو ترقی کا زینہ ہے اور قوت کا پیش خیمہ ہے، لیکن اگر اس کو علم کی مسند پر بیٹھا دیا جائے یا یوں کہیں کہ پیر کو سر پر رکھدیا جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا، اس وقت کی دنیا الٹی دوڑ میں لگی ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں منزل مقصود دور سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے، جب تک قبلہ درست نہیں کیا جائے گا اس وقت تک نماز بھی صحیح نہیں ہوگی اس لیے اس وقت نہ دین ہی ٹھیک رہا ہے اور نہ دنیا ہی کا صحیح استعمال ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

علم دین پر شکر-شرح صدر کا ضامن

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأولين والآخرين، امام الأنبياء والمرسلين محمد بن عبدالله الأمين وعلىٰ آله الطاهرين وصحبه الغر الميامين و على من تبعهم ودعا بدعوتهم الى يوم الدين اما بعد!۔

میرے عزیزواور دینی بھائیو!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی علم سے جوڑ دیا ہے، سبب اس کا جو بھی رہا ہو، آپ کی خواہش رہی ہو یا نا رہی ہو، سوچا ہو یا نا سوچا ہو، بہر حال آپ اس دینی تعلیم سے وابستہ ہو گئے، جب آپ وابستہ ہو ہی گئے ہیں تو یہ بات ذہن میں تازہ کرلیں جیسا کہ بعض اکابر سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ ہم اس کام میں دنیا کے لئے داخل ہوئے تھے؛ لیکن دین نے، علم نے اور اس سے وابستگی نے ہم کو دین والا بنا دیا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کہ پہلے نیت نہ ہو؛ لیکن نیت بعد میں ہو جائے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

شکر کی ظاہر ہے کہ قسمیں بہت سی ہیں، ایک تو زبانی شکر ہے جس کو سب جانتے ہیں ،دوسرا عملی شکر ہے اس کی بھی بہت سی شکلیں ہیں، ان میں ایک اہم ترین یہ ہے کہ جو پایا ہے اس کو تقسیم کریں، جو علم دین حاصل ہوا ہے اس کی نشر واشاعت کریں، یہ شکر ہے اور شکر کے بعد مزید انعامات ہوا کرتے ہیں اور ان انعامات کی شکلیں بقدر شکر ہوا کرتی ہیں، جیسا آپ کا شکر ہوگا، ویسے ہی خداوند قدوس کی طرف سے انعام ہوگا، شکر اگر ہمارا صحیح ہے تو انعام بھی بہت ہی عظیم الشان اور غیر معمولی ہوگا، اس لیے کہ ایک تو

انعام خدا کا یہ ہے کہ ہم چل پھر رہے ہیں، کھا پی رہے ہیں، صحت مند ہیں، نمازیں پڑھ رہے ہیں، روزے رکھ رہے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے وہ حج اور زکوٰۃ کی نعمت اور عبادت سے سرفراز ہورہے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس سے بڑی نعمتیں عطا فرماتا ہے جو گویا کہ اصل ہیں جس کو کہیں پر شرح صدر سے یاد کیا گیا ہے: ﴿أفمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ﴾ (الزمر: ۲۲)۔

شرح صدر نورِ ربانی ہے

یہ وہ نعمت ہے جس کے برابر کوئی نعمت نہیں، اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے سینہ کھول دے اور روشنی ہمہ وقت اس کے ساتھ رہنے لگے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو ٹارچ دے دے، اندھیرے میں راستہ طے کرنے کے لئے جہاں پر موڑ آجائے اس کو سمجھنے کے لئے، ایسے میں کوئی مسئلہ مسئلہ نہیں رہ جاتا، کوئی قضیہ قضیہ نہیں رہ جاتا، کوئی پیچیدگی پیچیدگی نہیں رہ جاتی، کوئی پہیلی پہیلی نہیں رہ جاتی، ہر چیز بآسانی حل ہوتی چلی جاتی ہے، کیونکہ "فھو علی نور من ربہ" ہوتا ہے اور یہ جو پریشانیاں، پیچیدگیاں اور پہیلیاں نظر آتی ہیں، یہ سب اندھیرے میں رہنے کی وجہ سے ہیں اور جب اندھیرا دور ہوجاتا ہے تو ان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی، حضرت علیؓ کو جو "أقضی" کہا گیا ہے وہ اسی وجہ سے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم و عقل کا خاص حصہ ملا تھا، جس کے ذریعہ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل حل فرمادیتے تھے، اسی بنیاد پر حضرت علیؓ کو 'مشکل کشا' کہنے لگ گئے، پھر اس کے معنی اہل بدعت نے شرک سے ملا دیئے، لوگوں نے اس کا مطلب دوسرا لے لیا، مولیٰ علی مشکل کشا یعنی مشکل اور پریشانی میں وہ خدائی رول ادا کرنے والے ہیں، یہ کون سی بات ہوئی غلط معنی پہنا دیئے، یہ کھلا ہوا شرک ہے۔

یہی وہ نعمت ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کو اپنے مقام کے اعتبار سے اور حضرت عمرؓ کو اپنے مقام پر فائز ہونے کے اعتبار سے اور دوسرے صحابۂ کرام کو بھی اپنے اپنے مقام و فہم کے اعتبار سے حاصل تھی، حضرت علیؓ کو اس میں سے خاص حصہ ملا تھا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی نعمت جو ملتی ہے وہ اس پر ملتی ہے کہ ہم شکر کیسے ادا کر رہے ہیں اور حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ نے شکر بہت ادا کیا ہے، نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی صحبت بابرکت کا حصہ بہت بڑا ملا ہے ان کو، حضرت علیؓ تو بچپن ہی سے آ گئے اور اسی بچپنے میں انہوں نے رسول پاک ﷺ کی حمایت کی ٹھان لی اور کم عمری میں بھی آپ ﷺ کی حمایت میں کھڑے نظر آتے تھے، کبھی کبھی تو یہ کہتے بھی نظر آتے تھے کہ میں ہوں تو کمزور؛ لیکن حمایت تو قوت کے ساتھ کروں گا اور اس کے نتیجہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خوشی و مسرت ان کو ملا کرتی تھی۔

اور حضرت ابو بکرؓ تو بہر حال حضرت ابو بکرؓ ہیں، ان کا ثانی تو کوئی نہیں ﴿ ثانی اثنین اذ هما فی الغار﴾ (التوبة: ٤٠) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ثانی بنا دیا ہے، ثالث و رابع ہو ہی نہیں سکتے، اسی وجہ سے وہ لاثانی ہیں، ان کا ذکر تو بہت بڑی بات ہے، وجہ یہی ہے کہ انہوں نے جو کچھ ملا تھا اس کا شکر ادا کیا، جو پایا وہ بانٹ رہے تھے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا وہ بے کم و کاست لٹا رہے تھے اور لوگ ان سے استفادہ کر رہے تھے، تو یہ وہ نعمت ہے جس کو مل جائے اس سے بڑا کوئی انسان نہیں ہوگا۔

علمائے ربانی بنئے

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جو ہوتے ہیں، جن کو علمائے ربانی کہا جاتا ہے، جن کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا ہے: ﴿کونوا ربانیین﴾ کہ "ربانی بن جاؤ" ان میں یہی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ان کے اندر اس کی بہت سی شاخیں ہوتی ہیں، جن میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، انہیں میں سے ایک فراست ہے جو ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے یعنی پہچاننے کی صلاحیت "اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنو ر الله" (سنن الترمذی فی بابو من سورة النحل) (ایمان والے کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) دیکھئے یہاں بھی: "فانه ینظر بنور الله،فهو علی نور من ربه" فوراً ایکسرے ہو جاتا ہے کہ کون کیا ہے وہ فوراً بتا دیتے ہیں کہاں جا رہا ہے کدھر جا رہا ہے۔

بڑا عالم چھوٹی چھوٹی سنتوں پر بھی عمل کرتا ہے

نور جتنا پھیلتا جائے گا اور زیادہ ہوتا جائے گا، اتنا ہی چھوٹی چھوٹی چیزیں سامنے آتی چلی جائیں گی، معمولی معمولی حکموں اور کاموں میں بھی رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع کرنے لگے گا، کیونکہ روشنی زیادہ ہوتی ہے تو چھوٹی چیزیں بھی نظر آتی ہیں، روشنی کم ہوگی تو بڑی چیزیں بھی نظر نہیں آئیں گی، اس لئے بڑے نور والے چھوٹی چیزیں زیادہ دیکھتے ہیں اور جو کم نور والے ہیں ان کو بڑی چیزیں بھی نظر نہیں آتیں، وہ کہنے لگتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت، ان کے کہنے کا انداز بھی یہ ہو جاتا ہے کیا یہ فرض ہے؟ کیا یہ واجب ہے؟ جو آپ اتنا اصرار کر رہے ہیں؟ یہ تو سنت ہے، یہ تو مستحب ہے، یہ وہی کہتے ہیں جن کا نور کم اور کمزور ہوتا ہے، نور ہوتا تو یہ کلام زبان پر نہیں آتا، کیوں کہ جو مشین ہوتی ہے اس کا چھوٹا سا پرزا بھی اپنی جگہ بہت اہم ہوتا ہے اور فرض، واجب، سنت یہ ہماری اپنی نسبت سے ہے، خدا کی نسبت میں سب برابر ہیں یعنی خدا نے ایک مشین بنائی، بڑا پرزا بھی ہے چھوٹا پرزا بھی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا پرزا بھی بڑا قیمتی ہے اور بڑا جو ہے وہ تو قیمتی ہے ہی، اس کے نزدیک سب برابر ہیں، بس آپ کو سمجھانے کے لئے اور آپ کی سہولت کے لئے کیا ہے کہ یہ فرض ہے، یہ واجب ہے، یہ سنت ہے، یہ فلاں ہے، یہ آپ کی نسبت سے ہے۔

اس لئے خوب سمجھ لیں کہ ہر چھوٹی بڑی چیز اپنی جگہ اہمیت اور اپنی منفعت رکھتی ہے، اس لئے یہ کہنا کہ بھئی یہ کوئی اہم نہیں، ارے اس میں اہم سب کچھ ہے ایک کیل نکل جائے تو مشین ڈھیلی ہو جاتی ہے، اس لئے چھوڑنا کچھ نہیں ہے، تو یہ نور سب سے اہم نعمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، اس کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور دل روشن ہو جاتا ہے، پھر اس کو ہر چیز نظر آتی ہے کہ اشخاص کی پہچان ہو جاتی ہے اور اس کے بعد یہ کہ معمولی چیز بھی اس کے پاس غیر معمولی ہو جاتی ہے یعنی یہ نہیں کرتا کہ وہ مستحب کو فرض کرے؛ لیکن مستحب کو مستحب سمجھ کر اس کی پابندی کرتا ہے، اس لئے کہ اللہ کے رسول

ﷺ نوافل کی پابندی کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں آتا ہے کہ نوافل کی پابندی کرتے تھے اور سارے اولیاء کرام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بھی پابندی کرتے تھے کیونکہ جب یہ چھوٹی چیزیں عمل میں آتی ہیں تو اس سے پرواز ہوتی ہے یعنی مشین پوری طرح چلنے لگتی ہے، اگر یہ چھوٹی چیزیں نکال دی جائیں تو بڑے بڑے آپ کی دیوار جیسے مشین کے پرزے رک جائیں گے اور مشین چلے گی نہیں، اسی کو فرمایا گیا ہے کہ جو ہم نے فرض کیا ہے وہ پہلے کرو، اس لئے کہ اس کے بغیر تو مشین ہی تیار نہیں ہوگی وہ کرو جب وہ جائے تو پھر نوافل میں آؤ، جب آجاؤ گے تو محبوب بن جاؤ گے، حدیث قدسی میں آتا ہے میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے، پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جب مانگتا ہے تو دیتا ہوں اور جب پناہ چاہتا ہے تو پناہ دیتا ہوں، تو یہ اسکے اندر کیفیت پیدا ہو جاتی ہے گویا کہ وہ اڑنے لگتا ہے اور اس کی گاڑی بہت تیز رفتاری کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے اور وہ آگے جانے لگتا ہے۔

تو یہ سب ہے اسی کا نتیجہ کہ آدمی جب اس نور سے ہمکنار ہوتا ہے، تو ہر چیز روشن ہوتی چلی جاتی ہے اور ہر چیز اس کے سامنے آتی چلی جاتی ہے اور فتنوں میں پڑنے سے محفوظ رہتا ہے، کیونکہ وہ فتنوں کو اور فتنہ پھیلانے والوں کو پہچان لیتا ہے، بعض لوگوں کے بارے میں آتا ہے کہ: ﴿ یشھد اللّٰہ علی مافی قلبه وھو ألد الخصام و اذا تولیٰ سعی فی الأرض لیفسد فیھا ویھلك الحرث النسل واللّٰہ لا یحب الفساد﴾ [بقرہ/ ۲۰۵] (اور اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے اور وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب تیرے پاس سے پھرتا ہے تو ملک میں فساد پھیلانے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کرنے کے لئے دوڑتا پھرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے)۔ تو بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں اور اپنے دل کو بہت اونچا ثابت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں؛ لیکن اندر سے بڑے جھگڑالو ہوتے ہیں، بہت زیادہ کٹھ حجت، بہت زیادہ بال کی کھال نکالنے والے ہوتے ہیں اور بہت زیادہ ادھر ادھر کرنے والے، لکھنا شروع

کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے اِدھر کا اُدھر کر دیا، اُدھر کا اِدھر کر دیا اور بڑے بڑے دعوے اس میں کرتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا ویسا کیا اور اپنے قلم کے ذریعہ بہکانا شروع کرتے ہیں تو جس کو اللہ تعالیٰ نور دیتا ہے بس پڑھتے ہی کہہ دیتا ہے یہ کھسکا ہوا ہے اس کی مشین کے پرزے اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے ہیں، یہ غلط راستہ پر لے جا رہا ہے عبارت پڑھنے ہی سے، تقریر سننے ہی سے اس کی تحقیق کے سامنے آتے ہی وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ غلط راستہ پر ہے، تو وہ خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے اور اس کے پھندے میں بھی نہیں آتا، اس کے جال میں نہیں پھنستا۔

شرح صدر کب ہوگا؟

مگر یہ شرح صدر کب ہوگا؟ یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب کے شرح صدر اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمادے؛ لیکن شرح صدر اللہ کیسے پیدا کرتا ہے: " فویل للقسية قلوبهم من ذكر اللّٰه" (الزمر: ٢٢) (جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر سے بھی اثر قبول نہیں کرتے، ان کے لیے بڑی خرابی ہے) اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ان کا دھیان خدا سے ہٹ جاتا ہے تو اس نور سے محروم ہو جاتے ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اصل ہے اور نماز کو بھی اسی لئے کہا گیا ہے: ﴿ وأقم الصلاة لذكري ﴾ (طه: ١٤) (میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو) تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دھیان اتنا قوی ہو جائے کہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ آنکھوں میں رہے "يذكر الله على كل أحيانه" (السنن الكبرى للبيهقي) جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں: أن يكون لسانه رطباً لذكر اللّٰه"۔ (شعب الايمان البيهقي) (اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے)۔

اور قرآن مجید میں بھرا پڑا ہے: ﴿ والذاكرين اللّٰه كثيراً والذاكرات ﴾ (الاحزاب: ٣٥) اور ﴿ الذين يذكرون اللّٰه قياماً، وقعوداً على جنوبهم ويتفكرون في خلق السمٰوات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلاً سبحنك

فقنا عذاب النار﴾(آل عمران:۱۹۱) یہ بالکل ترتیب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو وہ برابر یاد کرے گا، اٹھتے بیٹھتے اور ہر پہلو پر تو پھر اس کے اندر تفکر کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور تفکر کی صحیح صلاحیت پیدا ہو جائے یہ بھی نور کا نتیجہ ہے، اس لئے کہ جب آپ ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہیں تو کوئی ایسا نہیں جو ٹارچ روشن کر رہا ہو، اس کو دیکھے جو اس کو دیکھنے کی کوشش کرے گا وہ دیکھ نہ سکے گا اور اس کو صحیح سمجھے گا نہیں۔

اسی لئے حدیث میں آتا ہے: "تفکروا فی خلق اللّٰہ و لا تتفکروا فی ذات اللّٰہ" اس لئے کے وہاں سے نور پھینکا جا رہا ہے تو ظاہر ہے جس پر وہ روشنی ڈال رہا ہے اس کو دیکھو اس پر غور کر ﴿ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض﴾ آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرو جب تم اس میں غور کرو گے تو نور الٰہی پاؤ گے تو اس میں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، آپ نے تو گویا کہ آپ کو نور مل گیا اور جب نور مل گیا تو تفکر کرنے کی صحیح صلاحیت مل گئی غرض کہ یہ اصل نور ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دیا جا رہا ہے جب وہ قلب میں آتا ہے تو سارے راستے اس کے کھلتے چلے جاتے ہیں، مساری پریشانیاں اس کی دور ہوتی چلی جاتی ہیں، ساری پیچیدگیاں اس کی حل ہوتی چلی جاتی ہیں، ساری پہیلیاں بجھتی چلی جاتی ہیں، کوئی مسئلہ ایسا نہیں کہ پھنسے اور پریشان ہو کیسے ہی حالات خراب ہوں اور موسم کیسا ہی سخت ہو اور بارش کا کیسا ہی عالم ہو؛ لیکن نہ نالے میں گرے گا اور نہ کہیں پھنسے گا کیونکہ ٹارچ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اطمینان سے راستہ طے کرتا چلا جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو یہ نور عطا فرماتا ہے اس کو ہر چیز نظر آنے لگتی ہے وہ پھر نہ کہیں بھٹکتا ہے اور نہ اس کا قدم پھسلتا ہے، اسی لئے دعا میں بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ نور کی بھی سیکڑوں قسمیں ہیں: ﴿فھو علی نور من ربہ﴾ اپنے پالن ہار کی طرف سے نور اس کو مل گیا؛ لیکن اس نور کو آگے بڑھانا آپ کا کام ہے اسی لئے حدیث میں آتا ہے جب صبح جاؤ نماز کے لئے تو کیا کہو "اللّٰھم اجعل عن یمینی نوراً و عن شمالی نوراً و من تحتی نوراً و من فوقی نوراً" (اے اللہ! میرے دائیں جانب

نور پیدا فرمادے، بائیں جانب نور پیدا فرمادے اور میرے نیچے سے نور پیدا کردے اور میرے اوپر سے نور پیدا کردے)۔ دیکھتے چلے جایئے اس میں ایک ایک چیز گنائی گئی ہے، یہاں تک کہ بال میں نور کردے، کھال میں نور کردے، خون میں نور کردے ،گوشت و پوست میں نور پیدا فرمادے "أعظم لی نوراً أعطنی نورا" دے دے نور، آگے بھی اور پیچھے بھی ، دائیں بھی اور بائیں بھی اور نیچے بھی، اب دیکھئے کی کتنی شکلیں ہوتی چلی گئیں تو اب یہ دعا پڑھی گئی، یہ بہت اہم ہے کہ یہ جو نور اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اس سے نور ہوگا ،نور سے نور ہوگا، یہ تو بہت بڑا نور ہے، اب آپ بلب جلاتے چلئے جایئے، یہ سب آگے پیچھے کہا ہے اس میں بڑے اشارے ہیں، یعنی زبان پر نور ہو جائے ،زبان سے جتنا اور جب سچ نکلے گا اس سے نور پھیلے گا، جھوٹ نکلے گا تاریکی پھیلے گی ،اس لئے کہ جھوٹ بدبو ہے ایسے ہی کان میں سچ بات جائے، اللہ تعالیٰ کا ذکر جائے اچھی بات جائے تو اس سے نور اندر داخل ہوگا، حدیثیں سنیں گے تو نور داخل ہوگا ،اچھی باتیں سنیں گے تو نور داخل ہوگا۔

اسی طرح آگے اور پیچھے نور پیدا فرمادئے، ہمارے آگے جو لوگ ہیں اور پیچھے جو لوگ ہیں، داہنے جو لوگ ہیں، پڑوس ہمارا اچھا ہو، دور کا پڑوس اچھا ہو، قریب کا پڑوس اچھا ہو، ہمارا استاد اچھا ہو، ہمارا شاگرد اچھا ہو، ہمارا ساتھی اچھا ہو جو نور دینے والا ہو یعنی اچھے اعمال والا ہو، اس سے نور پیدا ہوگا اور نور پھیلتا چلا جائے گا تو اس طرح پورا دن نور میں رہیں گے جب نور میں رہیں گے تو" نور علی نور" بس اس طرح ہمارے معاملات درست ہوجائیں گے اور ہماری اصلاح ہوجائے گی۔

"نور علی نور" یہ وہ نعمت ہے جو نور کی طرف سے ملتی ہے ﴿ اللّٰہ نور السموات والأرض مثل نوره کمشکوٰة فیها مصباح﴾ پھر ظاہر ہے اسکی مثال بھی دی گئی ہے، ایسا نور مل جائے جو اتنا چمکنے والا دمکنے والا درخشاں وتابندہ کہ اس زمانہ کا جو بہتر سے بہتر روشنی کا آلہ ہوسکتا ہے قرآن نے نقشہ کھینچ دیا ہے اسکا ﴿ زیتونة لا شرقیة ولا غربیة یکاد زیتها یضیء ولو لم تمسسه نار نور علی نور﴾

(النور: ۳۵) یعنی خود تیل اتنا جھلکتا اور چمکتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ سراپا روشنی اور جو آگ کو پکڑ لے تو اس کے اندر کتنی روشنی ہوگی، تو ایسے ہی یہ بلب ہے جو لگا ہے، بعض بلب ایسے ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خود چمک رہے ہیں اور جب اسکے اندر روشنی آجائے تو کیا کہنے اس روشنی کے، تو اس طرح "نور علی نور" اس شخص کے لئے ہوتا ہے جس کو شرح صدر کی دولت مل جائے، جس کو شرح صدر کی دولت مل جاتی ہے بس جیسے اندھیرے میں رہ کر آدمی پریشان ہوتا ہے اور روشنی میں رہ کر اسکے اندر نہایت سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے، نشاط پیدا ہو جاتا ہے، ابھی بجلی چلی جائے بے چینی پیدا ہو جائے گی اور بجلی آتے ہی سب خوش ہو جائیں گے۔

ایسے ہی شرح صدر کا معاملہ ہے، خودکشی جو لوگ کرتے ہیں وہ اصلاً شرح صدر سے محرومی کے نتیجہ میں کرتے ہیں کیوں کہ وہ اس راستہ پر پڑ جاتے ہیں جو ایمان ویقین کا راستہ، نور اور روشنی کا راستہ نہیں ہوتا، جو صاحب ایمان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ شرح صدر کی دولت عطا فرماتا ہے، وہ نور میں داخل ہو جاتے ہیں، پھر روشنی پر روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ بقعہ نور میں پہونچ جاتے ہیں اور سراپا نور بن جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ جب چلتے ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں لائٹ چل رہی ہے اسی کو کہا گیا ہے ﴿ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً﴾ (الانفال: ۲۹) کہ جب تم اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اندر شان امتیازی پیدا فرمائے گا اور شان امتیازی کیا ہے؟ آپ کے ساتھ لائٹ ہے، ان کے ساتھ نہیں ہے، آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے، نور اس کے ساتھ چل رہا ہے اور یہ منور آدمی ہے، چہرہ بھی اسکا تاباں ہوگا، چہرے سے ہی لوگ پہچان لیں گے کہ اس کے چہرے پر نور ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا واقعہ

ہمارے حضرت مولاناؒ بالکل سادہ رہتے تھے، ٹوپی پاجامہ کرتہ؛ لیکن چہرہ ہی سے امتیازی شان معلوم ہوتی تھی، ندوہ کے مہمان خانہ کے سامنے ایک مرتبہ تشریف

رکھتے تھے وہاں ایک لطیفہ پیش آیا کہ ندوہ میں مجلس انتظامی تھی، پورے ہندوستان کے علماء آئے ہوئے تھے اور کیوں کہ ارکان ندوہ اہم اور بڑے لوگ تھے، اس میں کافی عمامہ والے اور صاحب جبہ ودستار تھے، سب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے حضرت مولاناؒ بھی ایسے ہی بیٹھے تھے، ایک دیہاتی آیا جو مولانا کو پہچانتا نہیں تھا، کہا مولانا علی میاں سے ملنے آیا ہوں، ہمارے سامنے کا واقعہ ہے، ہمارے کچھ ساتھیوں نے کہا کہ بتانا نہیں اس کو کہ مولانا کون ہیں، بس کہا کہ سب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، اسی میں ہیں پہچان لو، وہ سیدھا مولانا کے پاس گیا، لوگوں نے اس سے پوچھا ، دوسرے کو حضرت کیوں نہیں سمجھے، کہنے لگا، چہرہ بتارہا ہے۔

تو آج یہ پہچاننے کی نظر بھی چاہئے اور اس کے اندر وہ کیفیت بھی ہونی چاہئے، میں نے ایک مرتبہ اپنی والدہ کا بھی تھوڑا سا امتحان لیا، ایک مرتبہ تصویریں آئی ہوئی تھیں باہر کے علماء کی، تو اس میں حسن البناء کی بھی تھی، والدہ کسی کو پہچانتی نہیں تھیں، تو ہم نے ساری تصویریں رکھ دیں حسن البنا کی بھی رکھی اور کہا بتائیے اصل کون ہیں؟ تو انہوں نے اصل تصویر پر ہاتھ رکھ دیا، کہنے لگیں کہ ان کا چہرہ بتارہا ہے کہ یہ غیر معمولی آدمی ہیں، کیسے پہچانا، حالانکہ اس میں بڑے بڑے عمامہ والے آدمی بھی تھے؛ لیکن حسن البنا کی تصویر مغربی لباس میں تھی اور ہمارے ہندوستان والے تو اس طرح کے لباس والے کو دیکھنا پسند نہیں کرتے ؛ لیکن انہوں نے اس پر ہاتھ رکھا کہ ان کا چہرہ بتارہا ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے چہروں پر تابانی پیدا کردیتا ہے، نور پیدا فرماتا ہے اور اس کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا نور اتنا بڑھ جاتا ہے کہ جو ان کے پاس بیٹھتا ہے وہ منور ہو جاتے ہیں۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کا واقعہ

حضرت سید احمد شہیدؒ کو وہ بات حاصل تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا منور بنایا تھا کہ جو ان کے پاس ایک دو لمحہ کے لئے بیٹھ گیا، وہ منور ہوگیا اور جس نے مصافحہ کرلیا اور بیعت

ہو گیا تو اس کی شان ہی نرالی ہو جاتی تھی، اس کے سلسلہ میں بھی ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مسجد میں تشریف لائے، تو ایک دم ٹھٹھک گئے اور کہنے لگے یہ دیہاتی جو وضو کر رہا ہے، جب وضو کر چکے تو اس کو میرے پاس لے آؤ، جب لے آئے تو مولانا نے کہا میاں! تم کیا کام کرتے ہو، کہا دیہاتی ہوں، کسان ہوں، کھیتی کرتا ہوں، کہا نہیں کوئی اچھا عمل بھی کرتے ہو، نمازیں زیادہ پڑھتے ہو، ذکر تے ہو، کہا نہیں، جیسے سب کرتے ہیں ویسے میں بھی کرتا ہوں یعنی سب کرنے کا مطلب آج کل کے مولوی بھی اتنا نہیں کرتے جتنا اس زمانہ کے جاہل کرتے تھے، ایسا نہیں کہ وہ کچھ نہیں کرتے تھے، ایسا مت سمجھئے گا، یعنی پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ چھ سات وقت کی پڑھتا رہا ہوگا اور ذکر وغیرہ پابندی سے کرتا رہا ہوگا اور اس علاقہ (مظفر نگر) سہارنپور کے دیہاتیوں کو بھی خاص طور سے اللہ تعالیٰ نے امتیاز بخشا ہے۔

اس علاقہ کا ایک واقعہ ہمارے سامنے پیش آیا کہ کاندھلہ کی گلی میں مولانا افتخار الحسن کاندھلوی مدظلہ جا رہے تھے کہ مولانا کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: "ارے مولوی جی! ارے مولوی جی! ذرا رک جاؤ ایک مسئلہ بتادو" کہا کیا مسئلہ پوچھ رہا ہے؟ وہاں کھڑی بولی بولتے ہیں، تو اس نے کہا یہ بتاؤ میں آج ساتھواں مہینہ لگ رہا ہے، روزہ رکھوں یعنی سات مہینہ سے روزہ رکھ رہا تھا، بیچارہ دیہاتی آدمی کہہ رہا تھا بٹوں کیسے؟ ہم سے مولانا کہنے لگے سمجھے کیا پوچھ رہا ہے؟ ہم نے کہا نہیں، کہنے لگے پوچھ رہا ہے کہ ثواب کیسے بخشوں، تو وہاں کے دیہاتی پڑھے لکھے نہیں، مگر اللہ کے ولی ہوتے تھے، بہر حال مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بہت پوچھا کچھ نہ بتایا، جیسے سب کرتے ہیں ویسے میں کرتا ہوں کہا کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، کہا بتاؤ اپنی زندگی کے حالات، تب اس نے بتایا کہ ہمارے گاؤں میں حضرت سید احمد شہیدؒ آئے تھے، میں چھوٹا تھا تو لوگوں کی ٹانگوں سے نکلتا ہوا ان کے سامنے جا کر کھڑا ہوا، مولانا کہنے لگے مسئلہ حل ہو گیا، یہی میں کہوں اس کا نور اتنا زیادہ کیسے ہے، کہہ رہے تھے کہ یہ وضو کر رہا تھا تو اس کا نور آسمان تک جا رہا تھا، مگر

یہ ظاہر ہے سب کو نظر نہیں آتا، نور والوں کو نور نظر آتا ہے، اس سے ان کو نظر آیا۔

ایک واقعہ مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے سنایا حضرت مولانا کا، کہ حضرت مولانا طواف کر رہے تھے خانہ کعبہ کا کہ ایک کالا شخص سب کو ہٹاتا ہوا آیا اور مولانا کو پکڑا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور آگے بڑھنے لگا، ایک صاحب جو مولاناؒ کے ہمراہ تھے وہ مضبوط آدمی تھے، انھوں نے دوڑ کر اس کو پکڑا کہ ادھر آؤ ان کو تم پہچانتے ہو؟ کہا نہیں، پھر تم نے پیشانی کو بوسہ کیوں دیا، کہا تم سے کیا مطلب چھوڑ و مجھے، کہا ہم چھوڑیں گے نہیں، پہلے بتاؤ اور انہوں نے زور سے پکڑ لیا، تو انہوں نے کہا، میں نے ان کو بوسہ اس لئے دیا کہ یہ کوئی غیر معمولی آدمی ہے، اس کی پیشانی سے نور نکل رہا ہے اور آسمان تک جا رہا ہے، میں نے اس نور کو بوسہ دیا ہے، تو اب ظاہر ہے نور کی کتنی شکلیں ہیں اور پھر حضرت مولاناؒ نے خواب دیکھا، وہ بھی خط میں لکھا ہوا ایک جگہ موجود ہے، ورنہ وہ خواب وغیرہ بتاتے نہیں تھے؛ لیکن چونکہ مجھ سے لکھوایا تھا اس لئے مجھے یاد ہے۔

اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں حضرت مولاناؒ نے جب وہ کتاب لکھی، تو فرمانے لگے میں نے آج رات خواب دیکھا ہے کہ میری انگلیوں سے روشنی نکلی اور سارے عالم میں پھیل گئی، جو ظاہر ہے کتاب کے مقبول ہونے کی علامت ہے۔

خواب کے سلسلہ میں حضرت مولاناؒ کی رائے

حضرت مولانا کے تعلق سے ان کی والدہ ماجدہ نے اور خود حضرت مولانا نے اپنے تعلق سے بہت مبارک اور غیر معمولی خواب دیکھے، جو آپ نے نہ کبھی تحریر کئے اور نہ عام طور سے بیان کرتے تھے، ہاں بطور بشارت ان سے خوش ہوتے تھے اگر کبھی بیان کرتے تو اپنی ہمشیرہ سے اور بہت خاص لوگوں سے، وہ زندگی میں ایک بار بس، میں نے گھر میں ساتھ آنے جانے کی وجہ سے بعض غیر معمولی خواب سنے ہیں اور مجھے یاد بھی ہیں اور جو لوگ حضرت مولانا کے تعلق سے بیان کرتے اس پر زیادہ دھیان نہ دیتے بلکہ ایک جملہ کہہ کر تذکرہ ختم کر دیتے کہ میں اس لائق نہیں ہوں اور اپنے تعلق والوں کے لئے بھی

یہی پسند فرماتے تھے، اپنے ایک صاحب کو جن کا کشف وخواب کا مشغلہ تھا ان کو زبانی بھی اور خطوط میں بھی منع کیا اور بعض دفعہ ان کی تحریر کو تکدر کے ساتھ ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا، ایک مرتبہ حضرت غالباً دبئی سے واپس ہو رہے تھے، ایک صاحب نے آکر بیان کیا کہ میں نے خواب میں جہاز گرتے ہوئے دیکھا، اس لئے حضرت اس جہاز سے سفر نہ فرمائیں، حضرت نے سنا اور اطمینان سے اسی جہاز سے تشریف لے آئے۔

تو اب سمجھ لیجئے کہ روشنیوں کی مختلف قسمیں ہیں، لیکن یہ سب نتیجہ ہے ﴿افمن شرح الله صدره للاسلام فهو علي نور من ربه﴾ تو اب ظاہر ہے جو اللہ تعالیٰ کے دھیان میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو یہ چیزیں عطا فرماتا ہے، تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ ہر وقت اس پر ایک کیف طاری رہتا ہے، جس کو ہمارے مولانا محمد احمدؒ نے ایک خاص انداز سے فرمایا ہے، اس لئے کہ بے کیفی بھی کبھی تو محسوس ہوتی ہے، حالات کی وجہ سے ہوتی ہے اور کسی وجہ سے ہوتی ہے تو اس کو بھی مولاناؒ نے حل کر دیا اور کہا ہے

بے کیفی میں بھی میں نے تو اک کیف مسلسل دیکھا ہے

ان حضرات کی بے کیفی بھی مکیف ہوتی ہے اور ہم لوگوں کا شرح صدر بھی غیر مکیف ہوتا ہے، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے؛ لیکن جب اللہ تعالیٰ کا بندہ کوئی اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نصیب فرماتا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو جوڑ دیا ہے دینی تعلیم سے، تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جب شکر ادا کریں گے تو نعمتیں ملنا شروع ہوں گی اور سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ شرح صدر عطا فرمائے گا اور پھر جب اللہ تعالیٰ شرح صدر عطا فرمائے گا، پھر آپ کہیں پھنسیں گے نہیں کہ کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا کیا ہونا ہے کیا نہیں ہونا؟ بس فوراً آپ کی سمجھ میں آتا چلا جائے گا اور آپ آگے بڑھتے چلے جائیں گے اور وہاں جا کر بھٹکیں گے نہیں ، وہاں واپس جا کر اکثر طلباء پریشان ہوتے ہیں کہ فارغ ہونے کے بعد کیا کریں گے

،تو یہ پوچھنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی کہ کیا کریں؟ خود بہ خود سارا مسئلہ حل ہوتا چلا جائے گا اور راستے کھلتے چلے جائیں گے اور آپ چلتے چلے جائیں گے، یہاں تک کہ منزل مقصود تک پہونچ جائیں گے اور یہ بات حاصل نہیں ہوئی، تو سب کچھ کرتے رہئے، ہوگا کچھ بھی نہیں، ہاں دوچار لکھنے والے کچھ لکھ لیں گے، بیچنے والے کچھ بیچ لیں گے؛ لیکن ہونا کچھ بھی نہیں ہے، اسی لئے امام ابن تیمیہؒ نے ایک بات لکھی ہے کہ جب شرح صدر وغیرہ حاصل ہوجاتا ہے تو ایک جملہ کافی ہوتا ہے اور جب یہ حاصل نہیں ہوتا تو صفحہ پر صفحہ سیاہ کرتے چلے جاؤ جلدوں پر جلدیں تیار کرتے چلے جاؤ، ہوتا کچھ بھی نہیں، الماری کی زینت اس کے بعد کیا ہے تھوڑی شہرت اور داد و تحسین، اس کے بعد کیا ہے؛ لیکن وہ بھی خاص سیاق میں ضروری ہے، منع نہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے خود کتنی کتابیں لکھیں؛ لیکن ابن تیمیہؒ نے یہ بات بھی لکھی ہے اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ جو جتنا بڑا متبع سنت ہوگا اتنا بڑا عالم ہوگا، جو جتنا بڑا علم والا وہ اتنا ہی نور والا، امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت وکیعؒ سے شکایت کی حافظہ کی خرابی کی، تو کیا جواب ملا فرماتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی

فأوصانی الی ترك المعاصی

فان العلم نور من الهی

ونور اللّٰه لا یعطی لعاصی

(میں نے حضرت وکیع سے حافظہ کی شکایت کی، تو انہوں نے گناہوں کے ترک کرنے کی تاکید کی، اس لئے کہ علم نور الٰہی ہے اور یہ علم کا نور گنہگار کو نہیں ملا کرتا)۔

یہاں پر بھی علم نور ہے، تو جب علم نور بن جائے تو وہ علم بابرکت ہوتا ہے اور جب تک علم سطروں میں رہے، کاپیوں میں رہے، کتابوں میں رہے، تو سمجھئے کہ ابھی کچھ نہیں، یہ صرف علم ہے، ابھی نور نہیں آیا جب نور آئے گا تو وہ چیز برکت والی ہوتی چلی جائے گی

،اس سے لوگ ہدایت پائیں گے اور اس سے لوگوں کے دل کھلیں گے اور سینوں میں شرح صدر ہوگا، اس کے ذریعہ سے راستے طے کریں گے، منزل مقصود تک پہنچیں گے اور یہ وہ چیز ہے جس کی اس وقت کمی ہے اور کمی بہت زیادہ ہے، سب کچھ ہورہا ہے ؛لیکن لوگ اس سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں، اسی وجہ سے مسائل حل نہیں ہورہے ہیں اور پریشانیاں دور نہیں ہورہی ہیں اور حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں اور ہوتے جائیں گے جب تک اس راستہ پر ہم نہیں آئیں گے جو ہمارے علماء ربانی اور مشائخ حقانی کا راستہ ہے اور سلف ہمیشہ اسی پر کاربند رہے ہیں اور انہیں سے ہم کو یہ دین ملا ہے، بس میرے بھائیو اور دوستو! اگر اس آیت کو ہم سمجھ لیں، تو ہمارا مسئلہ حل ہوسکتا ہے اور ہم صحیح راستہ طے کرسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح راستہ عطا فرمائے اور شرح صدر کی دولت نوازے اور اپنے نور سے منور فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

علمی زیور سے اپنے کو آراستہ کریں

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب سے زیادہ قیمتی زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، زیورات عورتوں کی پسند ہیں، کوئی دنیا میں عورت ایسی نہیں ہے جو زیور کو پسند نہ کرتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے اندر جو نسوانیت رکھی ہے اور ان کی جو طبعی خواہشات رکھی ہیں زیور سے آراستہ ہونا اس کا ایک جز ہے، لیکن ان سب میں سب سے زیادہ قیمتی زیور علم کا زیور ہے سب سے زیادہ قیمتی جھومر علم کا جھومر ہے جو کسی عورت کو مل جائے کیونکہ زیورات مال سے تعلق رکھتے ہیں اور علم اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے یا یوں کہہ لیں مال دنیا سے تعلق رکھتا ہے مال کا تعلق پیر سے ہے علم کا تعلق عقل سے ہے سر سے ہے، تو ظاہر ہے جھومر کا تعلق سر سے ہے، اور زیورات بھی اکثر سر سے تعلق رکھتے ہیں، جو کچھ تھوڑے، بہت زیورات پیر سے بھی تعلق رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کا زیور ایک ایسا عطا فرما دیا ہے کہ سارے زیورات اس کے تابع ہیں، جو نسوانی طور پر طبعی طور پر آپ کو مرغوب ہیں، اور اس سے انکار بھی نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ہر عورت کو اس کے استعمال کی اجازت ہے، بلکہ ترغیب دی ہے کہ وہ ان زیورات کا استعمال کرے، لیکن ظاہر ہے کہ عورت اگر سارے زیورات استعمال کرے لیکن جو سر سے تعلق رکھنے والا زیور ہے اوپر سے تعلق رکھنے والا زیور ہے، اس کا استعمال نہ کرے تو گویا کہ اس کے زیورات ادھورے ہیں، اور اگر وہ سب سے قیمتی جھومر یا سب سے قیمتی نگ اور پتھر ہیرا وہ اگر اس کو مل جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی قیمت کو چار چاند لگ جاتے ہیں، اور پھر وہ خاتون قیمتی بن جاتی ہے، اس لیے کہ

زیورات کا استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟ زیورات کا استعمال اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کو لوگ پسند کریں خاص طور سے جس سے اس کا تعلق ہے اس کے گھر والے جو محرم ہیں، جن کو اس کا دیکھنا جائز ہے، وہ اور سب سے بڑھ کر جس سے اس کی شادی ہونے والی ہے اور اس کے گھر میں رہنے والی ہے تو یہ بھی اس کو پسند کرے گی، اور جب دونوں ایک دوسرے کو پسند کریں گے تو عورت مرد کے لیے باعث کشش ہوگی، اور مرد عورت کے لیے باعث کشش ہوگا مرد عورت کے لیے تکلیفوں کو دور کرنے والا ہوگا، اور عورت مرد کی تکالیف کو دور کرنے والی ہوگی، اور مرد اس کے لیے راحت کا سامان فراہم کرنے والا ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورت کو یہ تمام چیزیں عطا فرمائی ہیں وہ اسی لیے اس کو استعمال کرتی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ زیورات جو ہیں یہ اتر بھی جاتے ہیں، کسی وقت پہنا کسی وقت نہیں پہنا، اور اتارنا پڑتا ہی ہے۔

علم کا زیور سرمدی ہے

لیکن اللہ تعالیٰ نے علم کے زیور سے اگر آراستہ کردیا ہے تو وہ پھر ایسا زیور ہے کہ اس کو اتارنے کی ضرورت نہیں، ہر وقت وہ چمکتا رہتا ہے دمکتا رہتا ہے، اور اپنی کشش سے اپنے آس پڑوس والوں کو محرموں کو متوجہ کرتا رہتا ہے، اور یہ وہ زیور ہے جو اتنا چمکتا ہے کہ اس کی روشنی باہر بھی چلی جاتی ہے اس لیے آپ نے دیکھا ہوگا جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ زیور عطا فرمایا ان کی چمک آج تک پائی جاتی ہے اور نہ جانے ان سے کتنے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور ایسے ہی نہیں ہے بلکہ یہ ابتدائی دور سے بات چل رہی ہے۔

محبوب رب العالمین کی شان

ہمارے حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام جو سارے انسانوں کے معلم ہیں سارے انسانوں کے مزکی ہیں، سارے انسانوں کو حکمت ودانائی سکھانے والے ہیں، اور ساری انسانیت کو تبلیغ دینے والے ہیں، اور ان کو عقل ودانائی کے راستہ پر اور ہدایت کے راستہ پر چلانے والے ہیں، کہ آپ سے پہلے نہ آپ سے بڑھ کر کوئی ہوا

اور نہ آئندہ قیامت تک آپ سے بڑھ کر کوئی ہوگا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مقام عطا فرمایا ہے جس کو قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے، اگر آپ قرآن مجید اٹھا کر دیکھیں، تو خود رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے آداب بتائے ہیں اللہ نے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے کتنی محبت ہے آپ سے کتنا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خطاب کرنے میں کبھی بھی رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا نام نہیں لیا، یہ نہیں کہا یا محمد! پورا قرآن مجید آپ اٹھا کر دیکھ لیجئے، حالانکہ دوسرے انبیائے کرام کا نام لیا ہے، کسی کو یا ابراہیم کسی کو یا موسیٰ، یا عیسیٰ کہا، لیکن حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا جب نام لیا تو یا أیھا المزمل، یا أیھا المدثر، اس طرح محبت کے ساتھ آپ کا نام لیا ہے اور جب خاص طور سے پیار آتا ہے اللہ تعالیٰ کو تو اسی طرح نام لیتا ہے اور یہ انداز خود رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اختیار فرمایا ایک مرتبہ حضرت علی گھر سے باہر چلے گئے اور کچھ دل پر ان کے اثر تھا کچھ غم تھا مسجد میں جا کر لیٹ گئے اور مٹی پر ایسے ہی لیٹ گئے، ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں تو بچھانے کا سامان بھی نہیں ہوتا تھا، ایسے ہی حضرت علی جا کر لیٹ گئے، تو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے اور یہ نہیں کہا علی اٹھو چلو، بلکہ کہا یا أبا تراب، تو ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی محبت کا تذکرہ فرمایا حضرت علی سے، ایسے ہی ظاہر ہے کہ اللہ نے جہاں بھی حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا اسی انداز سے جب نام لینا چاہا تو پکارا ہے، براہ راست نام نہیں لیا، ہاں یوں تو نام لیا ہے، جب کوئی تعلیم دینی مقصود تھی تو نام ذکر کیا ہے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران:۱۴۴) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ (الفتح:۲۹) کئی جگہ حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کو اس طرح کہا لیکن جب پکارا ہے تو یا محمد نہیں کہا، تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا کس محبت سے نام لیا ہے۔

آپ کا مقام

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے ایک طرف تو آپ اللہ کے رسول اور اس کے محبوب ہیں دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں اعتبار سے نوازا ہے ایک طرف تو آپ بشر ہیں، اور بشریت کمال کے درجہ میں ہے، جو کہ آپ کے اندر پائی جاتی تھی، اور دوسری طرف آپ کا رشتہ آسمان سے اتنا قوی تھا کہ آپ سراپا نور تھے ایک طرف آپ کے اندر بشریت تھی تو دوسری طرف مافوق البشر بھی چیزیں آپ کے اندر پائی جاتی تھیں، اسی وجہ سے آپ جب دنیا میں تشریف لائے تو آپ کے والدین تھے آپ کے والد کا تو انتقال ہو چکا تھا آپ کی والدہ تھیں، یعنی بغیر والد اور والدہ کے آپ دنیا میں نہیں آئے، یہ آپ کے بشر ہونے کی علامت ہے، اور آپ کے چچا تھے اور آپ کے دادا تھے یہ سب آپ کے بشر ہونے کی علامت ہے، لیکن آپ کی وراثت نہیں چلتی، اس لیے کہ آپ مافوق البشر ہیں، حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک نہیں کئی کئی ازواج مطہرات تھیں، جو امہات المؤمنین ہیں، لیکن یہ تو آپ کے بشر ہونے کی علامت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام امت کے لیے ممنوع قرار دے دیا کہ آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی بیوی سے کوئی شادی نہیں کر سکتا، قرآن میں اعلان کر دیا گیا بہت بڑی گناہ کی بات ہے، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا، اس لیے کہ آپ ایک طرف تو بشر ہیں لیکن دوسری طرف مافوق البشر ہیں، آپ کھانا کھاتے ہیں، اور آپ پانی پیتے ہیں، اور آپ کھانا اہتمام سے کھاتے ہیں، اس اعتبار سے کہ مل گیا تو کھا لیا یہ نہیں کہ ہو ہی، ورنہ آپ کے یہاں تو چولہا بھی نہیں جلتا تھا ایک مہینہ دو مہینہ گزر جاتے تھے چولہا نہیں جلتا تھا تو اس اعتبار سے آپ بشر ہیں کہ آپ کھانا کھاتے ہیں بازاروں میں جاتے ہیں، لیکن آپ کئی کئی دن بغیر کھائے بھی روزہ رکھ لیتے تھے اس لیے کہ آپ مافوق البشر بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھیں

غرض کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام نہایت بلند ہے بعض مرتبہ ہم سب سے بھی بے احتیاطی ہوجاتی ہے ایسی بے احتیاطی نہیں ہونا چاہیے، کہ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا نام نامی اسم گرامی جب بھی لیا جائے تو ایک تو محبت کا احساس ہونا چاہیے اور درود وسلام بھی پڑھنا چاہیے اس لیے کہ ایک بات یاد رکھئے کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس پر رحمتیں نازل ہوں برکتوں سے اس کا گھر اور وہ خود مالا مال رہے، اور ہر طرح کی کلفتوں سے پریشانیوں سے آزاد رہے، اور کسی قسم کی کوئی تکلیف اور گزند اس کو نہ پہنچے، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو اور اللہ کی رحمت سب سے زیادہ اس وقت متوجہ ہوتی ہے جب کوئی درود شریف پڑھتا ہے آپ نے فرمایا جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ دس رحمتیں نازل فرمائے گا تو ہر مسلمان کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے اس خواہش کی تکمیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور دوسری چیز جو ہے وہ یہ کہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ امن کے ساتھ رہے سکون کے ساتھ رہے تو اس کے لیے رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام پر درود بھیجے اور ہر نماز پڑھنے والے کو اللہ نے اسی لیے مکلف کردیا ہے کہ وہ بغیر درود وسلام کے نماز ختم نہ کرے تو اس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا اونچا مقام ہے، ہم سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد رکھیں اور آپ پر درود وسلام ہر شخص کو پڑھنا چاہیے، یہ تو اللہ کا اتنا بڑا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گویا کہ ہم کو مکلف کردیا، جو بھی صاحب ایمان ہے وہ ہر نماز میں درود پڑھے گا، ہر رکعت کے بعد سلام پڑھے گا ہر دو رکعت کے بعد اور ہر چار رکعت کے بعد سلام بھی ہوگا درود بھی ہوگا۔

اس لیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احسان ہے اس امت پر سب کے احسانات اپنی جگہ پر لیکن رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے بڑھ کر کسی کا احسان نہیں ہے، باپ کا احسان اپنی جگہ پر ماں کا احسان اپنی جگہ پر اور جتنے بھی محسنین ہیں ان سب کا احسان اپنی جگہ پر لیکن رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا احسان امت پر

من حیث الأمۃ اور امت کے ہر فرد پر اتنا بڑا ہے کہ کوئی اس کو چکا نہیں سکتا، کوئی اس کو ادا نہیں کرسکتا اور اگر کوئی شخص بغیر درود وسلام کے دنیا سے چلا جاتا تو اس کی گردن ناپ دی جاتی، تو اللہ تعالیٰ کتنا چاہتا ہے آپ کو بھی اور آپ کی امت کو چاہتا ہے، اور امت کے ایک ایک فرد کو چاہتا ہے تو نماز فرض کی اور نماز میں درود وسلام کو ضروری قرار دیا، تا کہ جو امت درود وسلام پڑھے گی، وہ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا تھوڑا سا گویا کہ نذرانہ عقیدت کا پیش کر کے اللہ کی رحمت سے مالا مال ہو جائیں گے یہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے پورا نظام ہی ایسا بنایا ہے، آپ چلتے ہیں جب تو آپ کا ہاتھ ہلتا ہے یعنی اگر آپ کثرت نہ کریں تب بھی آپ کا ہاتھ ہلے گا اور یہ اللہ کا کرم ہے اگر ہاتھ نہ ہلے تو نہ جانے کتنی بیماریاں آجائیں تو اللہ نے ایسا نظام بنایا ہے خود بخود ہاتھ ہلتا چلتا ہے۔

تو ایسے ہی ہر جگہ اللہ نے نظام بنایا ہے اگر اس نظام کے تحت ہم اپنے کو رکھیں تو ہمارا پورا نظام بنا دیا ہے، لیکن ہم لوگ چونکہ سوچ سمجھتے نہیں، آپ اوپر سے دیکھ لیجئے آنکھ اونچی رہتی ہے ہاتھ چلتے رہتے ہیں، پیر بھی ایک رکھتے ہیں، ایک اٹھاتے ہیں، وہ بھی چلتا رہتا ہے، ایسے ہی رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا اتنا بڑا احسان ہے تو اللہ میاں نے کہا ایسے ایسے بد بخت بھی ہوسکتے ہیں کہ نا پڑھیں تو انہوں نے کہا پڑھے گا ضرور، یہ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ پڑھو، اور پڑھو گے تو ہم رحمتیں دیں گے تم کو، دس رحمتیں ہو گئیں، تو اگر کوئی مزید رحمتیں حاصل کرنا چاہے مزید شانتی چاہے سکون چاہے تو ظاہر ہے کہ درود وسلام کے تحفہ کو بڑھا دے اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے پوچھا تو ان سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر درود پڑھو گے تو بہتر ہوگا تو انہوں نے کہا ایک تہائی دو تہائی تین تہائی تو انہوں نے کہا جتنا پڑھو گے بہتر ہے کہا پھر درود ہی پڑھو آپ نے فرمایا تمہارا غم سارا دور ہو جائے گا اور تمہاری بخشش ہو جائے گی اگر درود ہی درود پڑھو، اور سلام ہی سلام پڑھو تو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے لیکن مطلب وہ نہیں ہے یعنی جو فرائض ہیں واجبات ہیں اور جو دوسرے کام ہیں ان کے انجام دینے کے بعد پھر جو وقت ملتا ہے اور جو وظائف پڑھتے ہیں ادھر ادھر کے اس کو

چھوڑ کر آپ سب درود ہی پڑھیں درود وسلام ہو تو سارے غم ختم، سارے دلدر ختم، سارے غم کافور، اور ساری پریشانیاں سب ہوا ہو جائیں گی، چلی جائیں گی۔

قرآنی تعلیمات اور ہماری کوتاہی

لیکن اس میں ہم کتنے کوتاہ ہیں کہ نام بھی جب آتا ہے تو ہمارے منھ پر درود جس طرح آنا چاہیے وہ نہیں آتا، ورنہ نام نامی لے اور فوراً درود شریف پڑھے صلاۃ وسلام پڑھے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' میں کیا بات ہے؟ اسی کے ساتھ ساتھ نام محمد کی بھی عزت ہونی چاہیے، جب نام رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا لے تو اچھے انداز سے لے، اسی لیے اپنے زمانہ میں رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے نام کو رکھنے سے منع فرمادیا، آپ نے فرمایا میرے جیتے جی کوئی محمد نام نہ رکھے اس لیے کہ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا نام معمولی تھوڑی ہے کہ آپ پکاریں اور کہہ دیں کہ نہیں، ایسا نہیں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خود قرآن مجید میں اگر آپ دیکھیں، تو آپ کے آداب کی پوری فہرست ہے کس طرح آپ سے ملنے جاؤ، کس طرح آپ کے یہاں بیٹھو، کس طرح آپ کو پکارو، یہاں تک کہ کس طرح آپ کے سامنے آواز نکالو، یہ سب قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے ایسا نہ ہو تمہارے منھ سے آواز نکل جائے اور نبی کو تکلیف پہنچ جائے، بسا اوقات زور سے بولنے پر تکلیف ہو جاتی ہے تو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام تو اگر انجانے میں بھی غیر شعوری طور پر بھی تکلیف ہو جائے تو ہمارے سارے اعمال بے کار ہو جائیں گے قرآن میں ہے یہ ﴿وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (الحجرات: ۲) یعنی تم کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور سارا کیا کرایا ملیامیٹ ہو جائے گا، کوئی ذرا سی بے ادبی ہو جائے تو گردن ماردی جائے ہمارا سارا کیا کرایا مٹ جائے گا اس لیے بہت خطرہ کی بات ہے، اور بہت احتیاط کی بات ہے، اور ظاہر ہے کہ جب محبت ہوگی تو احتیاط ہوگی لیکن محبت میں افراط وتفریط نہ ہو، اتنے آگے بڑھ گئے کہ خدا بنا دیا، تو ظاہر ہے کہ یہ اور بڑی بے ادبی ہے، کہ اگر کوئی کسی کا بیٹا ہے وہ اسی کو باپ

کہہ دے، تو کتنا اس کو برا لگے گا اگر باپ بیٹے کھڑے ہیں تو آپ نے کہا بیٹے سے کہ آپ باپ ہیں، تو بیٹے کو بھی برا لگے گا اور باپ کو بھی برا لگے گا کہ آپ نے کیسے کہا ہے؟ حالانکہ میں باپ ہوں، یا یہ باپ ہیں، کتنی خطرناک بات ہے ایسے ہی جو لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہہ دیتے ہیں اور خدا کے برابر بنا دیتے ہیں وہ اور بڑی بے ادبی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں، ایسا نہیں ہے قرآن مجید میں ایسا بھی بتایا گیا ہے ﴿يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ (الکھف: ۱۰۴) بہت سے لوگ کام کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں، بہت اچھا کام کر رہے ہیں، ایسا نہیں ہے دونوں میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، نہ کمی ہو نہ زیادتی، بیچ کا راستہ، نہ افراط کا نہ تفریط کا۔

سب سے پہلے تسلی کا سامان کس نے کیا؟

بہر حال تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت اونچا مقام ہے اور جب آپ دین کا کام لے کر اٹھے اور کھڑے ہوئے تو آپ کی مخالفت شروع ہوگئی تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو آپ کی تسلی کا سامان کیا، سب سے پہلے تو آپ کے دل پر جو بوجھ تھا اس کو ہلکا کیا، جب وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو آپ غار حراء تشریف لے جاتے تھے اور وہاں جا کر کئی کئی راتیں تنہائی میں جیسے پہاڑ ہے یہاں والے سمجھ سکتے ہیں، پہاڑ پر کوئی اوپر چلا جائے، اس تنہائی میں، رات کی اندھیری میں، اور تاریکی میں، اور وہاں کئی کئی راتیں گزاریں، اور دن بھی گزارے، اللہ کی یاد میں لگے ہوئے ہیں، اتنے میں فرشتہ آیا، آپ نے اس سے پہلے فرشتہ کو سمجھا دیکھا نہیں، اور ان کے بارے میں کوئی ایسی معلومات بھی نہیں، کوئی چیز آپ کے پاس بھی نہیں تھی آپ نے کوئی کتاب پڑھی نہیں، اور اہل کتاب کے پاس بیٹھے نہیں، تو آپ کو کیا معلوم ہوتا؟ اچانک فرشتہ آتا ہے اور زور سے دباتا ہے پورا قصہ ہے، کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اچانک تشریف لائے اور آپ سے کہا پڑھئے تو آپ نے فرمایا میں پڑھ نہیں پارہا ہوں، میں پڑھ نہیں پارہا ہوں، پھر دوبارہ انہوں

نے دبایا اس کہنے کے بعد کہا اب پڑھیے، پھر کہا نہیں پڑھ پا رہا ہوں، اس کے بعد دبانے کے پھر کہا ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق: ۱-۵) اور پڑھایا، بتایا بھی کیا؟ کہ پڑھیے۔

گویا کہ پوری امت کو تلقین کر دی گئی کہ اب جو دور آرہا ہے وہ پڑھائی کا آرہا ہے اور قلم کا آرہا ہے، اور اسی سے سیکھنا سکھانا ہوگا، یہ دور جو آرہا ہے یہ علم کا دور آرہا ہے، اس لیے کہا کہ پڑھیے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ بات کہی تو آپ وہاں سے واپس آئے، اور چادر اوڑھ کر لیٹ گئے، آپ کے مونڈھے پر جو حصہ ہوتا ہے (شانہ) کپکپانے لگا، عجیب کیفیت آپ پر طاری ہوگئی اور حضرت خدیجہ سے آپ نے سارا ماجرا سنایا، وہاں جو واقعہ پیش آیا، وہ سب سنایا تو خدیجہ نے کہا تب تو اللہ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا، جب آپ نے یہ کہا تھا کہ ڈر لگ رہا تھا، میں تو اپنے بارے میں ڈر گیا تھا مجھے خوف محسوس ہوا اپنے بارے میں کیا ہوگا کیا کر پاؤں گا میں؟ اتنا بڑا بوجھ ڈالا جا رہا ہے اس بوجھ سے نبرد آزما کیسے ہو پاؤں گا؟ اٹھا کیسے پاؤں گا؟ اور پہنچاؤں گا کیسے؟ تو حضرت خدیجہ نے فرمایا آپ کو اللہ کبھی ضائع نہیں کرے گا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کر سکتا، اور اس کے بعد، آپ کے اوصاف حمیدہ بیان کئے، آپ تو مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ جو بے چارے کما نہیں پاتے، ان کموا دیتے ہیں، یا کمانے کا سلیقہ ان کو دیتے ہیں، اور جو اپنا بوجھ نہیں اٹھا پاتے، ان کا آپ بوجھ اٹھاتے ہیں، اور جس پر کوئی پریشانی آجاتی ہے، وہ پریشانی صحیح ہوتی ہے، تو آپ اس میں ان کی مدد کرتے ہیں، یہ ساری باتیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہیں، اور پھر خود حضرت ورقہ کے پاس لے کر چلی گئیں، حضرت ورقہ گویا کہ وہ اسلام لا چکے تھے پہلے ہی عیسائی ہو گئے تھے اور اس زمانہ میں سچائی کا شخص تھا، تو اس پر جو سچے دین پر ہوتا تھا وہ صحیح ہوتا تھا جب انہوں نے سارا واقعہ ان کو سنایا تو انہوں

نے کہا ارے یہ تو وہی ہے جو حضرت موسیٰ کے اوپر آئے تھے اور وحی لے کر آتے تھے یہ تو بالکل ایک ہی چراغ سے دونوں نکلے ہوئے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تم کو نکالے گی تو حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام حیرت میں پڑ گئے "او مخرجیھم "کیا وہ مجھے نکالیں گے؟ بہت حیرت ہوئی آپ کو، تو حضرت ورقہ نے کہا جب بھی کوئی وہ کام لے کر اٹھا ہے جس کو تم لے کر اٹھے ہو تو اس سے دشمنی کی گئی ہے اس لیے حق کو عام کرنا حق بات کہنا حق کا پرچار کرنا حق کی نشر و اشاعت کرنا یہ ظاہر ہے کہ شیطانوں کو برا لگتا ہے جاہلوں کو برا لگتا ہے، اور جو ناحق کام کر رہے ہیں، ان کو برا لگتا ہے۔

تو حضرت ورقہ نے تو پہلے ہی کہہ دیا، اور آپ کو حیرت اس وجہ سے ہوئی تھی کہ پورا مکہ آپ کو صادق کہتا تھا امین کہتا تھا سارے کے سارے مکہ والے آپ کو چاہتے تھے نمونہ تھے آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا، تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے آپ کی ہمت افزائی کی اور ایسے ہی نہیں کی پہلے علم سے کی، یہ جو ہمت افزائی ہے اس کا تعلق علم سے ہے، زیور علم سے ہے، کیونکہ وہ زیور علم سے آراستہ تھیں، اور عقل کے اعتبار سے دانائی کے اعتبار سے فہم کے اعتبار سے اللہ نے ان کو خاص مقام عطا فرمایا تھا اور بڑے بڑے مکہ کے لوگوں نے ان کو پیغام بھیجا تھا، شادی کا، لیکن انہوں نے کسی کو منظور نہیں کیا، اور خود پیغام دیا اس کا، تو آپ نے قبول کیا۔

تو حضرت خدیجہ نے پہلے تو آپ کو اسی زیور علم سے گویا کہ مدد کی، اور یہی نہیں، بلکہ اپنا پارٹنر بھی بنایا، تجارت آپ کریں، اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں آتا ہے "کان محظوظا فی التجارۃ" تجارت میں آپ بڑے نصیبہ ور تھے، اللہ نے آپ کو بڑا نصیب عطا فرمایا تھا، تو اس طرح حضرت خدیجہ نے آپ کے ساتھ معاملہ کیا، اور جب حضرت خدیجہ رخصت ہوگئیں، اور یہ ایک دو دن نہیں، بلکہ سالہا سال خدمت میں لگی رہیں، ایک تو شروع سے شادی ہوگئی تھی جب آپ ۲۵ سال کے تھے اس وقت سے گویا کہ انہوں نے تعاون شروع کیا، جب آپ

غار حراء جاتے تھے تو تعاون کرتی تھیں، اور اس کے بعد جب یہ مسئلہ پیش آیا، تو انہوں نے تعاون کیا، اور اس کے بعد بھی ان کا تعاون برابر جاری رہا، گویا کہ جب آپ کو نبوت ملی، چالیس سال میں، تو ۱۵ سال ان کے تعاون کے گزر چکے تھے اور ان کی ہمدردی کے گزر چکے تھے اور جو بھی ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک ہوسکتا ہے وہ حضرت خدیجہ کرتی رہتی تھیں، ورنہ جب غار حراء جاتے تھے اور غار حراء میں بیٹھ کر آپ اللہ کی عبادت کرتے تھے جو بھی اللہ نے آپ کو طریقہ بتایا تھا اس کے مطابق، اور پھر جب یہ مسئلہ پیش آیا، تو حضرت خدیجہ نے تعاون کیا، اور جب تک زندہ رہیں تعاون کرتی رہیں، یہاں تک کہ جب دنیا سے تشریف لے گئیں، تو اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہا کہ جنت کی خوشخبری سنادو، موتیوں کے گھر کی جنت میں خوشخبری سنادو، غیر معمولی ہے یہ، دنیا ہی میں ان کو سنا دیا گیا، اور آپ حضرت خدیجہ کو اتنا چاہتے تھے کہ دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ جب کبھی بھی کوئی بکری آگئی اور ذبح کرتے تھے تو حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے باقاعدہ حصہ لگاتے تھے کہ جو خدیجہ کی سہیلیاں ہیں، ان کو جا کر دو۔

آپ کا حسن اخلاق

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام اپنی بیویوں کے ساتھ اور اپنی بیویوں کی سہیلیوں کے ساتھ کیسا معاملہ فرماتے تھے؟ اور یہی نہیں بلکہ ایک مرتبہ آپ گھر میں تھے کہ آہٹ محسوس ہوئی کسی کو کوئی چاہ رہا ہے تو حضرت ہالہ آئی ہوئی تھیں، جو حضرت خدیجہ کی بہن تھیں، تو آپ نے فرمایا ماشاء اللہ اور بہت آپ خوش ہوئے جیسے کوئی غیر معمولی چیز مل گئی ہو، اور اس طرح آپ برابر خیال کیا کرتے تھے حضرت خدیجہ کا، حضرت شیمہ کا آپ نے اسی طرح استقبال کیا تھا تو جب وہ آگئیں تو اپنی چادر مبارک ان کے لیے بچھادی، اس پر آپ تشریف رکھتے تھے اور حضرت شیمہ سے جب وہ آگئی تھیں، ایک بار مسلمانوں کا دستہ گیا ہوا تھا لے آئے

لوگ تو انہوں نے کہا میں آپ کی دودھ شریک بہن ہوں، تو فوراً پھر آپ نے ان کو بٹھایا بڑا اکرام فرمایا اور پہلے امتحاناً پوچھا بھی کوئی بات بتاؤ، تو انہوں نے بھی عجیب بات بتائی، انہوں نے کہا حضرت میں ایک مرتبہ اپنی اوڑھنی پر آپ کو لیے ہوئے تھی، یہاں آپ نے دانت سے کاٹ لیا تھا وہ نشان ہے اب بھی، تو آپ نے فرمایا: ماشاء اللہ بیٹھو، بٹھایا، اور بڑا اکرام فرمایا کہا چاہو تو یہاں رہو اور چاہو تو تمہارے گھر میں پہنچا دیا جائے تو انہوں نے کہا نہیں گھر جانا چاہتے ہیں، تو آپ نے بہت عزت کے ساتھ اس کو گھر پہنچا دیا، تو آپ اس طرح خیال رکھتے تھے تمام ان خواتین کے ساتھ جن کا آپ سے تعلق تھا، اور وہ خواتین بھی پورا آپ کا تعاون کرتیں تھیں، تو حضرت خدیجہ کا تعاون اس کے تو کیا کہنے؟ بہت غیر معمولی تعاون ہے۔

حضرت عائشہ سے عقد کی حکمت

اس کے بعد پھر آپ نے انہیں باتوں کا خیال رکھا، جن میں غیر معمولی خاتون حضرت عائشہ صدیقہ ہیں، جو کم عمر تھیں بہت زیادہ، اس لیے کہ باقی عورتیں تو بیوائیں تھیں، جن سے آپ نے نکاح کیا تھا اور آپ بہت کم عمر تھیں، اور عربوں کے ماحول میں ایسی شادیاں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھیں، سارے لوگ کرتے تھے یعنی کوئی بھی آپ کو عربوں میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ملے گا جو اس طرح شادی نہ کرتا ہو، اور حکمتیں تو بہت تھیں، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی فہم عطا فرمایا تھا، اور جو ذہنی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، وہ اور خواتین میں نہیں تھیں، اور اگر بچپن سے نہ رکھا جائے تو پوری تربیت نہیں ہو سکتی، ایک بڑی حکمت اس کے اندر یہ بھی تھی کہ اگر بڑی جو خواتین ہیں وہ اپنا مزاج لے کر آتی ہیں، وہ وہاں جس طرح ڈھل چکی ہیں، اسی طرح وہ آتی ہیں، اور بچی جو ہوتی ہے وہ ڈھلی ہوئی نہیں ہوتی حالانکہ جو کچھ سیکھا تھا وہ ابوبکر کے گھر میں رہ کر سیکھا تھا جو خود رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے جانشین ہونے والے تھے تو ان کا مقام بھی معمولی نہیں ہے غیر معمولی مقام حضرت ابوبکر کا ہے ان کی بیٹی ہیں، اس

کے باوجود آپ نے جلدی نکاح میں ان کو اس لے لیا، کہ وہ یہاں آ کر سیکھیں، یہ ساری باتیں یاد رکھیں اور یاد رکھنے کے بعد امت کو پہنچائیں، اور امت کی خواتین کو جو رہنمائیاں حضرت عاشہ کے ذریعہ سے ملی ہیں، وہ کسی اور سے مل بھی نہیں سکتیں۔

مثلا: حضرت عائشہ گڑیا کھیل رہی تھیں، اور اس کے ساتھ ان کی سہیلیاں بھی تھیں، رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے تو ساری سہیلیاں بھاگنے لگیں، تو آپ نے کہا بھائی کیا ہوا؟ آپ نے کہا بلاؤ بلاؤ، کھیلو، تو آپ نے ان سے کہا کھیلو، تو ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا اور اس کے بعد یہ معاملہ کیا، پھر اس سلسلہ میں حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے مختلف موقعوں پر ان کی جو رعایتیں کی ہیں، اس سے خود اس عمر کی بچی کے جو جذبات ہیں، ان کا آپ کو خیال رکھنا اور اس سلسلہ میں وہ مثالیں امت کے سامنے پیش کرنا کہ اگر یہ مثالیں نہ ہوتیں، تو شاید امت بھی سوچنے پر مجبور ہوتی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اتنے بڑے اللہ کے نبی اور حضرت عائشہ کی اتنی رعایت فرما رہے ہیں، تاکہ معلوم ہو نمونہ ایک شوہر کو اپنی کم عمر بیوی کے ساتھ، کیا معاملہ کرنا چاہیے؟ یہاں تک کہ حضرت عائشہ خود کہتی ہیں، کہ بعض دفعہ میں اندازہ لگاتی تھی حضرت کتنا چاہتے ہیں، تو ایک مرتبہ ایک کھیل حبشی دکھا رہے تھے تو آپ نے پوچھا دیکھنا ہے؟ تو آپ کھڑے ہو گئے پیچھے سے کھڑے ہو کر کندھے پر آپ کے کان اور کندھے کے بیچ سے دیکھ رہی تھیں، اور میں برابر کھڑی رہی یہ جانچنے کے لیے کہ دیکھیں کب فرماتے ہیں کہ اب واپس جاؤ، یہاں تک کہ کہتی ہیں مجھے ہی کہنا پڑا، کہ حضرت بس میں دیکھ چکی، اتنی دیر آپ دکھاتے رہے اور پھر بھی نہیں، ایک مرتبہ شروع زمانہ میں رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا آج دوڑیں گے کون آگے نکلے گا؟ تو حضرت عائشہ ہلکی پھلکی تھیں، آگے نکل گئیں، اس کے چند سال کے بعد آپ نے پھر کہا آؤ عائشہ اب پھر دوڑیں اب جب دوڑے تو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام آگے نکل گئے، اس لیے کہ حضرت عائشہ کی عمر ہو چکی تھی، اور آپ کی عمر تو ڈھلی نہیں تھی۔

نبی ہر اعتبار سے کامل و اکمل ہوتا ہے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جو ہے آپ کی صحت اور آپ کی عمر اس میں کبھی اتار چڑھاؤ نہیں ہوسکتا، نبی جو ہوتا ہے وہ ہر اعتبار سے کامل ہوتا ہے، بلکہ اکمل بھی ہوتا ہے، آخری درجہ میں ہوتا ہے وہ ہر اعتبار سے کامل ہوتا ہے جسمانی اعتبار سے بھی کامل ہوتا ہے، رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام اتنے کامل تھے کہ آپ کے جسم سے خوشبو آتی تھی جتنا جسم اچھا ہوگا آدمی کا، بیماریوں سے پاک ہوگا اتنا ہی اس کی بدبو کم ہوگی، آپ اندازہ لگالیجیے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا کامل تھا کہ بدبو کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، اور پھر اللہ کی طرف سے آپ کو یہ انعام بھی ملا ہوا تھا کہ آپ کے ایک صحابی ہیں بہت بچے ہیں تو کہتے تھے جب ان سے پوچھا لوگوں نے کچھ یاد ہے تم کو؟ تو انہوں نے کہا ہاں ایک مرتبہ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھ پر کلی کی، وہ مجھے یاد ہے، اس لیے کہ ہر آدمی چاہتا تھا کہ آپ کلی کردیں، تو وہ کلی نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ نہایت عمدہ خوشبو کا ایک فوارہ ہوتا تھا جو اس پر گرتا تھا، اسی وجہ سے صحابۂ کرام تو چاہتے تھے کہ آپ کا جسم چھوجائے اور یہی آپ کی ازواج مطہرات میں سے دو حضرت ام سلمہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب آپ سوتے تھے تو شیشی میں پسینہ رکھ لیتی تھیں، اور یہ دونوں عطر بناتی تھیں، اور عطر میں آپ کا پسینہ ڈال دیتی تھیں، تو ان کا عطر سب سے اعلی سمجھا جاتا تھا اب لوگوں کو علم نہیں تھا یہ عطر کیسے بناتی ہیں؟ تو کرتی یہ تھیں کہ پسینہ شامل کردیتی تھیں، تو ظاہر ہے کہ اس پسینہ کی خوشبو کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ کا خیال فرماتے تھے اور یہ بتایا انہوں نے امت کو باقاعدہ، حضرت عائشہ نے بتادیا دیکھو اللہ کے رسول کس قدر خیال رکھتے تھے اور اسی لیے فرمایا ایک موقع سے آپ نے کہ خیرکم خیرکم لأهله وأنا خيركم لأهلي، (سنن ابن ماجة في باب حسن معاشرة النساء) تم میں سے سب سے اعلیٰ اور بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے گھر والوں کے لیے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں

کے لیے سب سے اچھا ہوں، یہ علامت آپ نے بتائی کہ مرد کو بھی اپنی گھر والیوں کا خیال رکھنا چاہیے، ایک طرف تو آپ نے عورتوں کو بتایا مرد کا کتنا خیال رکھو، یہاں تک کہ ابھی میں نے شروع میں عرض کیا، کہ آپ کے پاس جو زیور ہیں، وہ اسی لیے ہوتے ہیں کہ آپ اس کو اپنے شوہر کے سامنے پہن کر آئیں، تا کہ محبت پیدا ہو، اور محبت کے نتیجہ میں وہ ساری برکتیں حاصل ہوں، جو زن وشوہر میں ہوا کرتی ہیں۔

تعلیمات نبوی کا نتیجہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی اس طرح تربیت کی، اور وہ پروان چڑھیں، اور پھر آخر عمر تک اللہ نے ان کو عمر بھی اچھی عطا فرمائی تو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد برسہا برس وہ زندہ رہیں، اور صحابہ کرام ان سے آکر مسئلے پوچھتے تھے اور وہ باقاعدہ مسئلے بتاتی تھیں، کیونکہ فقہائے صحابہ میں بھی امتیازی شان رکھتی تھیں حضرت عائشہ صدیقہ، اور ظاہر ہے کہ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی صحبت میں رہ کر ڈھل گئی تھیں، اخلاق نبوی میں ڈھل گئی تھیں، آپ کا حال یہ تھا دنیا کے سلسلہ میں، ایک مرتبہ حضرت معاویہ نے ان کو بہت بڑی لمبی رقم بھیجی اور تھیلی میں آئی تھی وہ رقم، سب کچھ اس کا تقسیم کر دیا، اور روزے سے تھیں خود، صبح سے جو بانٹنا شروع کیا تو روزہ کھولنے سے پہلے سب تقسیم کر دیا یہاں تک کہ تھیلی بھی کسی کو دے دی، تو وہ لونڈی کہنے لگی اُم المؤمنین آج آپ روزے سے ہیں، اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے کم سے کم ایک پیسہ تو رکھ لیتیں، تا کہ روزہ کھولنے کا انتظام ہو جاتا، کہنے لگیں پہلے یاد دلاتی، تو ان کو اس کا خیال ہی نہیں تھا، کہ اپنے لیے رکھنا بھی ہے، یہ ہے وہ مزاج جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا تھا اس وجہ سے بچپن سے رکھا گیا ان کو، تا کہ وہ مزاج اور ذہن تیار ہو جائے جو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام چاہتے ہیں، اور وہ علم اور تفقہ حاصل ہو جائے جو امت کو درکار ہے، وہ دونوں چیزیں اللہ نے حضرت عائشہ کے ذریعہ سے پوری فرمائیں، اور امت کو ان کے ذریعہ سے نہ جانے کیا کیا ملا۔

علم کا تعلق دل سے پیدا کریں

میری بچیوں اور بہنوں! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علم سے وابستہ کیا ہے یہ علم اسی لیے ہے تا کہ آپ اس کے ذریعہ سے اپنے کو بنا کر اور اپنے کو سنوار کر اور اپنی صلاحیتوں کو پہچان کر دوسروں کی رہنمائی کرنے کا فریضہ انجام دیں، یہ جو ابھی بات شروع میں عرض کی ہم نے، کہ اللہ نے یہ جو زیور آپ کو دیا ہے یہ دل کا زیور ہے، علم دل میں جاتا ہے، اس لیے کہ علم کا تعلق اگر جسم سے ہو جائے تو یہ علم کاٹتا ہے اور اگر اس علم کا تعلق دل سے ہو جائے تو یہ علم رہنمائی کرتا ہے، اس لیے یہ علم دل سے تعلق رکھنے والا ہے جسم سے نہیں ہے، آج کل لوگوں نے علم کو جسم سے وابستہ کر لیا ہے جسم کو بنانے جسم کو باقی رکھنے جسم کو پروان چڑھانے کا اس کو ذریعہ بنا دیتے ہیں، اس لیے وبال بن گیا وہ علم، اور اگر اس علم کا تعلق قلب سے ہو، روح سے ہو تو یہ علم صحیح رہنمائی کرتا ہے ، اگر آپ اس علم کو اسی انداز سے حاصل کریں گی تو اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں کو اجاگر کر دے گا، اس لیے کہ صلاحیت اندر ہوتی ہے باہر نہیں ہوتی، لیکن جو اپنی صلاحیتوں کو نہ پہچانے وہ کچھ نہیں کر سکتا، کوئی بھی ہم ہیں آپ ہیں، سب بیٹھے ہوئے ہیں، اگر ہمارے ذہن میں یہ نہ ہو کہ ہم کو نہ معلوم ہو اپنی تو ہم بیٹھے رہیں گے وہ گر رہا ہے آدمی نہیں اٹھائیں گے ہم، لیکن یہ معلوم ہو جائے کہ ہم اگر دوڑ کر جائیں ہاتھ پکڑ ا یسے نکال سکتے ہیں تبھی تو صلاحیت ہے اور نہ جانیں ہم بعض ایسے اپاہج ہیں بیٹھے رہتے ہیں، اور کر سکتے ہیں، جب صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے آدمی اس کو صحیح طور پر لگاتا ہے۔

بنیاد کو اندر رکھا جاتا ہے

عورت عورت ہے سراپا اس کو پردہ میں رکھا گیا ہے اور پردہ میں رہ کر ہی عورت صلاحیت کا اپنا لوہا منوا سکتی ہے، اور جب عورت باہر جاتی ہے تو اس کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں، اس لیے کہ جس کی بنیاد نہ ہو تو وہ بے بنیاد عمارت ہے، اور ہر عمارت کی

بنیاد نہ ہو تو وہ بے بنیاد عمارت ہے، لیکن اگر بنیاد مضبوط ہے تو وہ عمارت مضبوط رہے گی اور بنیاد اندر ہوتی ہے چھپی ہوئی، اگر بنیاد اوپر لے آئیں تو دیوار ہو جائے گی لیکن بنیاد چھپی ہوئی ہوتی ہے، تو کوئی بنیاد جانتا نہیں بنیاد کتنی گہری ہے؟ بڑے بڑے انجینئر جانتے ہیں، سب ان کو پتہ رہتا ہے وہ بھی اندازہ ہی لگاتے ہیں، تب معلوم ہوتا ہے تو عورتیں ایسی جو ہیں وہ بے بنیاد ہیں، اور یہ پردہ میں رہیں تب ٹھیک ہیں، لیکن باہر آتے ہی بے بنیاد ہو جاتی ہیں، پھر وہ کسی کام کی نہیں رہے گی۔

اگر اپنی صلاحیتوں سے واقف ہو جائیں

ہماری عورتیں اگر اپنی صلاحیتوں کو سمجھیں، اور اندر رہ کر اپنی صلاحیتوں کو سامنے لائیں، تو بڑے بڑے علماء بڑے بڑے دانشور بڑے بڑے مفکر بڑے بڑے فاتح اور غیر معمولی رہنما پیدا ہوں گے، اور اس طرح کے جتنے ہوئے ہیں ان سب کے پیچھے کوئی خاتون کھڑی ہوئی نظر آئے گی، اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ابتدائی دور سے لے کر اس وقت تک ہر بڑے آدمی کے پیچھے کوئی برقعہ پوش خاتون کھڑی نظر آئے گی، برقعہ تو خیر آج کا ہے حجاب والی خاتون لے لیجئے، بغیر اس خاتون کے آپ کو آگے جانے والا کوئی نہیں ملے گا، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ والد کا انتقال ہو جاتا ہے تو والدہ نے پرورش کی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے لے کر ہمارے حضرت مولانا تک، سب کی پرورش ان کی والدہ نے کی ہے، اور والدائیں بھی ماشاء اللہ کیسی کیسی تھیں؟ غیر معمولی ان کے پیچھے کھڑی نظر آئیں گی آپ کو، انہوں نے ان کی ذہنی تربیت کی، اور پھر اس کو بیج ڈالنے کے بعد پروان چڑھایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، ان کو سمجھیں، یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان کو دیکھیں تو پہلے ہی دن سے ان کے پیچھے کھڑی نظر آ رہی ہیں، اور کون آپ کی پشت پناہی کر رہا ہے؟ کون آپ کا ہاتھ بٹا رہا ہے؟ خلوت میں رہنے کے آپ کو انتظامات کون کر رہا ہے؟ اور خلوت کے بعد جب وحی

نازل ہورہی ہے، اور آپ آرہے ہیں گھر پر چادر اوڑھ کر لیٹ رہے ہیں، تو اس وقت دل بستگی کا سامان کون کر رہا ہے؟ خدیجہ ہی کھڑی نظر آئیں گی ہر جگہ آپ کو، غیر معمولی، اسی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کتنا ان کو چاہتے تھے۔

صلاحیتوں کو صحیح سے استعمال کریں

میری ماؤں اور بہنوں! اپنے آپ کو سمجھو، اور اپنی صلاحیتوں کو جانو، اور ان کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی فکر کرو، آپ غیر معمولی کام کر سکتی ہیں، اگر یہ بات آپ کے اندر پیدا ہو گئی، تو آپ کا یہاں پڑھنا مفید ہوا، اور یہاں سے نکل کر آپ غیر معمولی کام کر سکتی ہیں، دیکھے گا کوئی نہیں لیکن پیچھے سے کیا ہو رہا ہے، پردہ میں بیٹھ کر کوئی کچھ کر رہا ہے، اور یورپ نے اس کو سمجھ لیا ہے، اسی لیے یورپ نے ساری دنیا کو بے بنیاد کر دیا، اور اسی وجہ سے پوری دنیا اس وقت ہل رہی ہے، جس طرح عمارت بغیر بنیاد کے ہوتی ہے، اور اس کو ہوا کے جھونکے اور تھپیڑے کبھی ادھر لے جاتے ہیں کبھی ادھر لے جاتے ہیں، کبھی ادھر کی دیوار گرتی ہے کبھی ادھر کی، پورا یورپ اسی میں پریشان ہے، اور جو لوگ یورپ کی نقالی کر رہے ہیں، وہ اس سے زیادہ پریشان ہیں، نہ وہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے، اس لیے آپ اپنی بات کو سمجھیں اور سمجھنے کے بعد اس کا صحیح استعمال کریں، تو انشاء اللہ غیر معمولی انقلاب پورے معاشرہ کے اندر پوری سوسائٹی کے اندر برپا کر سکتی ہیں۔

سب سے پہلے عقیدہ درست کریں

لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب آپ اچھی طرح سمجھیں، اپنے عقیدہ کو پہلے درست کریں، اس لیے کہ عقیدہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، کیونکہ عقیدہ جو ہے یہ بنیادی چیز ہے اس کو بار بار میں کہتا رہتا ہوں جیسے بینک میں کھاتہ ہے، اگر آپ بینک میں کھاتہ نہ کھولیں، تو لاکھوں روپئے آپ کی جیب میں ہوں جمع نہیں کر سکتے، کھاتہ کھولنا پڑتا ہے، اس کے بعد ہی پیسے جمع ہوتے ہیں، اگر عقیدہ درست نہیں ہے، آپ جو بھی کام

کریں گی بے کار ہے، کسی کام کا نہیں ہے، لٹیرے لوٹ کر لے جائیں گے اور آپ کے پیسے اٹھا کر لے جائیں گے اور یہ بہانہ بھی کر سکتے ہیں کہ ہم جمع کر دیں گے اور اپنے کھاتہ میں جمع کر کے چلے آئیں گے، تو کچھ نہیں ملے گا، جب تک کہ آپ کا کھاتہ نہ ہو، آپ کھاتہ کھول لیں گی، تو پھر آپ دو پیسے بھی جمع کریں گی، تو جمع ہو جائیں گے۔

جنت نگری کو جہنم نہ بنائیں

ان تمام باتوں کو سمجھ لیں، اور اس کے مطابق عمل کریں، تو انشاء اللہ پھر آپ کا یہاں پڑھنا پورے جموں کشمیر کے لیے انشاء اللہ باعث خیر و برکت ہوگا، اس لیے ساری دنیا یہ چاہتی ہے کہ یہاں کشمیر کی ان صلاحیتوں کو باہر نکال دیں اور پھر کشمیر کسی کام کا نہ رہ جائے، اگر ہم اس کو اچھی طرح سمجھ لیں، تو انشاء اللہ ہماری سوسائٹی ہمارا ماحول اتنا اچھا ہوگا کہ دنیا میں رہ کر جنت کا مزا آ جائے گا، اور اگر ایسا نہیں ہے تو جنت نگری میں رہ کر جہنم کی پریشانیاں اٹھانی پڑیں گی، اور نہایت تکلیفوں میں رہنا پڑے گا، تو بات یہ ہے کہ اندر ٹھیک ہو جائے جیسے انسانوں کے لیے دل ہے، اگر دل ٹھیک ہو جائے تو

کلفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا
ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

تو دل ٹھیک ہو جائے اور معاشرہ کا دل خواتین ہیں، یہ ٹھیک ہو جائیں، تو پورا معاشرہ ٹھیک ہو جائے گا، پوری سوسائٹی ٹھیک ہو جائے گی، اور پھر ظاہر ہے کہ اس کا جو مزا ہے وہ بیان سے باہر ہے، اور پھر ایک ایک چیز ہماری ٹھیک ہوتی چلی جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

روح کی پرواز رسوخ فی العلم سے وابستہ ہے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأولين والآخرين محمد بن عبد الله الأمين وعلى آله الطاهرين وصحبه الغر الميامين ، وعلى من تبعهم ودعا بدعوتهم الى يوم الدين ، أما بعد !

میری ماؤں اور بہنوں، اور دار الحسنات کی طالبات!

میں اس سے پہلے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکا ہوں، اور جو کچھ اللہ نے کہلوایا، وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، انسان کو اللہ نے نسیان سے وابستہ رکھا ہے، اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت نظر آتی ہے، کہ اس نے انسان کو ایک طرف کمالات کے بام عروج تک پہنچایا ہے، تو دوسری طرف اس کے اندر خطا اور نسیان کا مادہ بھی بھرپور رکھا ہے، اگرچہ بعض پوچھنے والے پوچھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بھولنا کیوں اور خطائیں کیوں؟ لیکن غموں کے جب پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو نسیان اور بھولنے کی برکت سمجھ میں آتی ہے، کہ آدمی بھول جاتا ہے، جو اس کے ساتھ پریشانیاں ہوئیں تھیں، اور جن سے وہ گذرا تھا، نہ بھولے تو جینا مشکل ہو جائے گا، تو اس لیے بھولنا بھی اس کے لیے باعث خیر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر جو چیزیں رکھی ہیں اگر ان چیزوں کا صحیح جگہ پر استعمال ہو تو وہ تمام چیزیں اس کے لیے باعث خیر و برکت ہوا کرتی ہیں، ہمارے مولانا محمد احمدؒ صاحب کا ایک شعر ہے انہوں نے اپنے خاص انداز سے کہا تھا:

اب ان کے سوا سب کو بھول گیا
ہو مبارک نعمت نسیاں

تو نسیاں کو نعمت بنا دیا تاکہ اللہ یاد رہے، باقی کوئی بھی ایسا نہیں جس کو ہمیشہ یاد رکھا جائے، اسی وجہ سے جو چیزیں اللہ کے سوا ہیں، وہ بھولنے ہی کے لائق ہیں، لیکن ان کو بھی یاد کروایا گیا ہے تاکہ حقوق جو اللہ نے عائد کیے ہیں ان کی ادائیگی ممکن ہو سکے، تو یوں اگر غور کریں تو آپ جو چیزیں جس جس میں رکھی ہیں یعنی مرد میں جو اوصاف رکھے ہیں وہ مرد کے لیے تاج حسن و جمال، اور جو صفات عورتوں سے وابستہ کی گئی ہیں، وہ زیور زینت وآرائش ہیں ان کے لیے، مرد کے اندر وہ اوصاف نہ ہوں تو کمالات سے وہ سرفراز نہ ہو سکے، عورت میں اگر وہ صفات نہ ہوں تو وہ اپنی ذمہ داریوں کو نباہ نہ سکے، اور عہدہ برآ نہ ہو سکے، بعض چیزیں دیکھنے میں ایسی ہوتی ہیں کہ بہت اچھی نہیں ہیں لیکن اگر اس کا استعمال اچھا کیا جائے تو وہ بھی اچھی ہو جاتی ہیں، جیسے میں نے ابھی ایک مثال دی، بھولنے کی، کہ بھولنے کی سب شکایت کرتے ہیں کہ بڑھاپا آرہا ہے، بھول جاتے ہیں تو اس میں بھی اللہ کی یہ حکمت ہے، آدمی عمر دراز ہونے لگے اور عمر بڑھنے لگے تو اس کو واقعی اللہ کے سوا سب کو بھول جانا چاہیے جتنا بھی وہ بڑا ہوتا جائے گا اتنا ہی وہ بڑے سے جڑتا جائے گا، اور بڑا صرف اللہ تعالیٰ ہے، جتنا اس سے جڑے گا اتنا وہ بڑا ہوگا۔

ہر چیز کی ایک کھاد ہے

اسی طرح اگر آپ دنیا میں دیکھیں تو زمین جو ہے وہ بہت سی چیزیں چاہتی ہے، تب برگ وبار لاتی ہے، جس میں سب سے اہم ہے پانی، پانی کو تو سب کہتے ہیں کہ پانی دیا جائے تو کھیتی برگ وبار لاتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر اس میں کھاد ڈالی جائے تو وہ برگ وبار واقعی برگ وبار ہوتے ہیں اسی وجہ سے کھاد لائی جاتی ہے، تاکہ اس میں ڈالی جائے، ایسے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے علم کا پانی رکھا ہے، لیکن اس کی کھیتی کو سیراب کرنے کے لیے علم کا پانی ضروری ہے، لیکن یہ پانی اسی وقت اس کھیتی میں

مفید ہوگا جب اس کے اندر کھاد دفن کی جائے، اور کھاد جو کھیت کے اندر پیدا ہوتی ہے، وہی کھاد اس کھیت کے لیے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ تمام کھیت والے کہتے ہیں جو درخت لگے ہوتے ہیں، کھیت میں اس کے پتے اس کے لیے سب سے اچھی کھاد ہے، گنے کے کھیت میں اگر آپ جائیں تو گنا جو بچ جاتا ہے، وہ کھاد کا کام کرتا ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بھی کھاد رکھی ہے کہ اگر اس کا استعمال صحیح ہو تو برگ وبار بڑھ جائیں مثلاً اس میں سے ایک کھاد یہ ہے کہ انسان حسد سے خالی نہیں، اور حدیث میں آتا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جس سے کوئی نہیں بچ پاتا، ایک حسد، ایک بدشگونی، اور ایک بدگمانی، یہ تینوں چیزیں ہیں، اور اس کا علاج آپ نے یہ بتایا کہ یہ سب کھاد ہیں اگر اس کا ترجمہ میں یوں کروں کہ یہ سب کھاد ہیں اگر آپ نے اس کو زمین میں دفن کر دیا، تو برگ وبار لائے گی آپ کی کھیتی، یعنی حسد دل میں آیا باہر نہیں آیا، بدگمانی دل میں پیدا ہوئی باہر نہیں آئی، شگون آپ کے ذہن میں آیا لیکن آپ نے اس پر عمل نہیں کیا تو یہ آپ کے دل کی کھیتی کی کھاد ہے، اس کے اندر جب دفن ہو جائے گی تو بڑے میٹھے پھل آئیں گے بڑے عمدہ عمدہ پھل آئیں گے۔

اور اگر اس کے اوپر آپ نے باقاعدہ محنت کی یعنی انسان کے ساتھ اللہ نے یہ بھی رکھا ہے، کہ ایک تو برگ وبار لایا، برگ وبار کی بہت سی قسمیں ہوتیں ہیں، بہت سے پھل ہوتے ہیں جو مسلّم کھائے جاتے ہیں، بعض پھل وہ ہیں جن کو چھیلا جاتا ہے، بعض میوے ایسے ہیں جن کو پھوڑا جاتا ہے، پھر ان کے اندر سے مغز نکلتا ہے، اور کھیتیاں اکثر وہ ہوتیں ہیں جن کو اندر سے پکایا جاتا ہے، اور اگر بغیر پکے اور بغیر چھیلے اور بغیر اس کے اوپر کا چھلکا اتارے کھائے تو پیٹ بھی خراب ہو اور مزا بھی نہ آئے، تو اس لیے یہ کام بھی کرنا پڑتا ہے، تو ایک کھاد تو وہ ہوتی ہے جو اندر دفن کر دی جاتی ہے۔

دل کو بھوننے کی ضرورت ہے

ایک یہ ہے کہ اوپر سے عمل کرنا، یہ بھی ہونا چاہیے تو اس سے اس کے اندر غیر معمولی

پن پیدا ہوتا ہے جس کی مثال یہ ہے کہ غلہ ہے کھیتی ہے، اس کو کچا آپ نہیں کھا سکتے پکائیں گے تب اس کے اندر مہک آئے گی آپ گیہوں سونگھیں تو آپ کو اچھا بھی نہیں لگے گا لیکن جب یہی پک جاتی ہے روٹی کی شکل میں تو خوشبو دیتی ہے، آپ نان بائی کے پاس سے گزریئے بھوک اس وقت لگی ہو، تو روٹی کی خوشبو بڑھ جاتی ہے، اور جی چاہنے لگتا ہے، اگر جیب میں پیسے ہوں تو جلدی سے جا کر آدمی خرید لیتا ہے، اور اگر گیہوں رکھا ہو تو چاہے جتنی بھی بھوک لگی ہوئی ہو، نہ آپ گیہوں کی طرف مائل ہوں گے اور نہ آپ وہاں سے خریدیں گے، اس لیے آپ چلے جا رہے ہیں بازار میں، تو اس لیے اللہ تعالی نے عجیب نظام بنایا ہے اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے اسی طرح آپ کچے گوشت کی دوکان سے گذریں تو آپ وہاں سے گذریں گے تو آپ کے اندر گوشت کھانے کی کیفیت نہیں پیدا ہوگی اس لیے کہ کچا گوشت ہے وہ، لیکن یہی گوشت جب کباب بنتے ہیں کباب کی دوکان پر، اور اس کو پکایا جاتا ہے، تلا جاتا ہے، تو دور سے اتنی عمدہ خوشبو آتی ہے اچھے اچھے دوڑ پڑتے ہیں کہ میں بھی خرید لوں جا کر ایسے بھی اللہ تعالی نے دل کا نظام رکھا ہے، دل جب کچا ہوتا ہے تو اس کے اندر کشش نہیں ہوتی، لیکن جب غم سے اس کو بھونا جاتا ہے اور جو غلط کام آدمی نہیں کرتا جی چاہ رہا ہے پھر نہیں کیا یعنی اس کی مثال یہ ہے کہ نامحرم کو نہیں دیکھا، جی چاہا ہے دیکھنے کا نہیں چاہنے دیا تو دل پر گذر گئی، تو وہ گزر گئی اس سے دل بھنتا ہے، اور اس کے اندر کباب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تو ایسے دل کی طرف لوگ مائل ہونے لگے ہیں اور اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، یہی معاملہ کرتے ہیں تو ان کے اندر کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، تو لوگ ان کی طرف جھک جاتے ہیں، عام آدمی کے پاس نہیں جاتے لوگ، کیوں نہیں جاتے، کیوں کہ ان کی کچی ٹکیہ ہے، یعنی ان کا دل ابھی پکا نہیں ہے، اور ان کی زبان میں سنچائی نہیں ہوئی ہے، اور ان کے اندر کھاد نہیں ڈالی گئی ہے، تو اگر ہم اپنے اس ضمیر کے اندر کھاد سنچائی کریں، اور کھاد ڈالیں، اور اس کے بعد جو کچھ پیدا ہو، اس کو چھیل کر توڑ کر، پکا کر کھائیں، تو اس کی بات ہی کچھ اور ہو جائے گی، تو اللہ

کے نیک بندے اور بندیاں وہ ان کا خیال رکھتے ہیں۔

علم اور معلومات کا فرق

اللہ نے جو ہمارا نظام بنایا ہے، اگر اس نظام کو ہم سمجھ لیں، تو ہم کو کہیں پریشانی ہو ہی نہیں سکتی، اور خاص طور سے اشکالات واعتراضات جو کچھ ذہن کے اندر آتے ہیں، وہ نہیں پیدا ہوتے، آج کل علم بڑھتا جا رہا ہے دیکھنے میں، جس کو ہم کہا کرتے ہیں کہ معلومات بڑھ رہی ہیں، اور ان معلومات کے نتیجہ میں جیسے معلومات بھی کچی ہوتی ہیں نا، کچی معلومات جو ہوتی ہیں، وہ اعتراضات واشکالات کے کانٹے پیدا کرتی ہیں، اور اگر ان ہی کو پکا کر رکھیں آپ، اور پختگی ہو، اور علم میں گہرائی ہو، اور علم کی جو برکتیں اللہ نے رکھی ہیں، علم کے ساتھ، وہ تمام کی تمام وہ چیزیں پائی جاتی ہوں، تو کبھی اشکال پیدا ہو ہی نہیں سکتا، اشکال پیدا ہونا اس بات کی علامت ہے، کہ ابھی آپ کا علم کچا ہے، اسی وجہ سے دیکھا ہوگا کہ جو بچے اور بچیاں نیچے کلاس میں پڑھتے ہیں، ان کے دل ودماغ میں بہت سے اشکالات پیدا ہوتے ہیں، لیکن وہ اشکالات آگے کے درجہ میں جا کر ختم ہو جاتے ہیں، اور اگر صحیح لائن سے چلتا رہے مطالعہ کی گہرائی اس کی جاری رہے، تو اس کو اشکالات بالکل ھباء منثورا ہو جاتے ہیں، کسی بھی قسم کا کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کو قرآن مجید میں والراسخون فی العلم کہا گیا ہے، یعنی ان کے علم کا کھونٹا اتنا مضبوط ہے، کہ آندھیاں چلیں، یا طوفان، اور کیسی کیسی موجیں، اس کو نگلنے کی اور اس کو ہلانے کی کوشش کریں، لیکن وہ اپنی جگہ پر مضبوط قائم رہتا ہے، کوئی اس کو ہلا نہیں سکتا، اسی لیے کہا گیا ہے، ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِيْ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُواْ الأَلْبَابِ﴾ (آل عمران: ۷) لیکن اس کے لیے صاحبان عقل ودانش کا ہونا ضروری ہے، یعنی اس کے لیے صحیح عقل کا استعمال کرنے والے اور علم کو گہرائی سے لینے والے یہ دونوں چیزیں مل جاتی ہیں، تو غیر معمولی اس کے اندر ٹھہراؤ، استقامت اور گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔

ٹھوس علم کی ضرورت اور فائدہ

آج اس دور کا جو مسئلہ ہے وہ یہی ہے، کہ علم کی وسعت تو بڑھتی جا رہی ہے، اور گہراؤ کم ہوتا جا رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ گہرائی بڑھے، اس کی بہت زیادہ شدید ضرورت ہے، اور ظاہر ہے گہرائی میں اس کے اندر ثقل بھی ہوتا ہے، اور بھاری بھرکم وہ شخص ہوتا ہے، جس کے اندر گہرائی ہوتی ہے، جس کو کہتے ہیں ٹھوس، اردو میں بولتے بھی ہیں، ٹھوس علم ہے، ٹھوس جو ہوتا ہے جیسے آج کل دیکھا ہوگا شادیوں میں بھی مختلف مقامات پر ہوا سے پھلا دیتے ہیں، ربر کے انسان بڑی بڑی جو چیزیں ہوتی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیو پیکر کوئی بیٹھا ہوا ہے، اور کوئی بہت بڑا ہاتھی سامنے کھڑا ہو، لیکن ایک بچہ اگر پیر مار دے تو گر جائے، آج کل کا علم ایسا ہی ہے، اسی لیے کسی نے ذرا سا کچھ کہہ دیا، تو لڑھک رہے ہیں، کسی نے کچھ اشکال کر دیا تو تڑپ رہے ہیں، یہ سب کم علمی اور سطحی علم کا نتیجہ ہے، اس لیے میں اپنی معلمات سے اور طالبات سے یہ بات کہوں گا کہ جلدی کسی کے کہنے اور سننے اور جو آج کل اعتراضات کی شکلیں پیدا ہو رہی ہیں ان کو دیکھنے سے پریشان نہ ہوں، آگے بڑھیں تو آپ کو بہت سی باتیں معلوم ہوتی چلی جائیں گی، مگر اس کے لیے مطالعہ ضروری ہے، ظاہر ہے کہ ہر چھوٹا بڑی چیز نہیں سمجھ سکتا، لیکن ہر بڑا ہر چھوٹی چیز سمجھ سکتا ہے، پہلے آپ بڑے بنیں، خود چھوٹی چیز نظر آ جائیں گی، کیونکہ آدمی جب بڑا بنتا ہے تو اس کی روشنی تیز ہوتی ہے، علم روشنی ہے، جب آدمی بڑا ہوگا تو روشنی اس کی تیز ہوگی، جب روشنی تیز ہوگی، تو چھوٹی چیزیں بھی نظر آئیں گی، اور علم میں چھوٹا ہوگا تو پھر ظاہر ہے بڑی چیزیں بھی نظر نہیں آئیں گی، چھوٹی تو بہت دور کی بات۔

عقائد کی اصلاح ہر ایک پر واجب ہے

تو آج کل یہی ہے کہ عقائد تک داؤ پر لگ گئے ہیں عقائد میں بڑی بڑی چیزیں پہلے یہ آدمی کو سمجھنا چاہیے بچہ ہو یا بڑا ہو، اور یہاں تک کہ جاہل ہو یا پڑھا لکھا ہو، جاہل

کے اندر بھی عقل عام ہے، ان کے اندر اللہ نے جو چیزیں رکھی ہیں، اس کو استعمال کرے تو عقیدہ درست ہو سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقیدہ کی درستگی کے لیے سارے عالم میں ایسی نشانیاں بکھیر رکھی ہیں، کہ آخرت میں جانے کے بعد کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا، کہ کیا کرتے ہم کو معلوم نہیں تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں تم نے اپنی عقل کا استعمال نہیں کیا، اور تم نے جو عقل والے عقل والی باتیں کرتے تھے ان کی خدمت میں کیوں نہیں گئے، اسی لیے اھل جہنم کا قول قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے، ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾ (الملك: ١٠) اگر ہم عقل کا صحیح استعمال کرتے، یا سنتے، تو ہم جہنم والوں میں سے نہ ہوتے، تو معلوم ہوا عقل عام بھی اللہ نے اسی لیے دی ہے، تا کہ آدمی صحیح راستے کو پہچانے، اپنے رب کو پہچانے، معرفت عامہ اس کو حاصل ہونی چاہیے اپنی عقل کے ذریعہ سے اور مطالعہ کی ضرورت ہے، اور آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔

باوزن علم بتدریج حاصل کریں

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم سے وابستہ کیا ہے، لیکن یہ علم برگ و بار اسی وقت لائے گا، جب اس علم سے وابستگی صحیح ہو جائے گی، اور اس کے اندر گہرائی پیدا ہو جائے، اور اس کے اندر وزن پیدا ہو جائے، جب وزن پیدا ہو جائے گا تو ہم باوزن ہو جائیں گے اور اگر اس کے اندر وزن نہیں ہوگا تو بے وزن ہوں گے، اور آپ کی حیثیت سطحی ہوگی، آپ کو جو چاہے گا جہاں چاہے گا جیسا چاہے گا استعمال کر لے گا، اور اگر آپ کے اندر وزن ہوگا تو ہر آدمی نہ آپ کو ہلا سکے گا، اور نہ اپنی آپ کی جو اللہ تعالیٰ نے فکر آپ کو دی ہے قرآن و حدیث کے مطالعہ سے اس سے آپ کو کوئی بہکا سکے گا، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مطالعہ ہو، اور پھر صحیح مطالعہ ہو، اور یہ اسی وقت ہوگا جب مطالعہ بھی صحیح ہو، ہر چیز ترتیب سے جب ہوتی ہے، تو اچھی ہوتی ہے، آپ دیکھئے بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کو پہلے دودھ پلایا جاتا ہے، اور اس کے بعد جب کچھ بڑا توانا ہو جاتا ہے، تب اس کو

روٹی دی جاتی ہے، اگر پیدا ہوتے ہی اس کو چنے کھلا دیئے تو بیچارہ بچہ اس کو کیا ہضم کرے گا؟ ابھی ہاضمہ اس کا مضبوط نہیں ہے، ہاضمہ جب مضبوط ہو جائے تو لکڑ نہیں پتھر کھلایئے سب ہضم کرے گا، اور جو اس میں خراب چیزیں ہیں ان کو باہر پھینک دے گا، لیکن اگر بچہ کا معدہ ابھی کمزور ہے، دودھ پینے والا بچہ ہے، اس کو کھلا دیا آپ نے چنا، تو اس کا پیٹ خراب ہو جائے گا، یعنی وہ بہکی ہوئی باتیں کرنے لگے گا، اسی لیے ہمارے بہت سے وہ لوگ جو آج کل علم حاصل کر رہے ہیں، وہ بچے ہوتے ہیں، اور اپنے کو سمجھ لیتے ہیں کہ ہم بہت طاقتور ہیں توانا ہیں، تو ایسی کتابیں مطالعہ میں لے آتے ہیں، یا ایسی چیزیں پڑھنے لگتے ہیں، جو دودھ نہیں ہیں، چنا ہیں، تو ظاہر ہے کہ ابھی آپ کے دانت بھی دودھ کے تھے، اور آنکھ بھی دودھ کی تھی، تو آنکھ میں وہ چیز چلی گئی، جو دودھ چاہ رہی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ فکری بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے، اور مبتلا ہی نہیں ہو گئے بلکہ کتنوں کو آپ نے مبتلا کر دیا، جب ایک بچہ بیمار ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ ساتھ بہت گھر والے پریشان ہوتے ہیں، اور گھر کو بھی گندا کرتا ہے، تو اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مطالعہ ہو، علم ہو، اور اس کی گہرائی ہو۔

ظرف اور مظروف کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت

اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے جو آپ کو صفات دی ہیں، ان صفات کی آپ کو معرفت ہو، کیونکہ اللہ کو بھی جاننا ضروری ہے اور اپنے کو بھی پہچاننا ضروری ہے کیونکہ اگر برتن آپ نے نہیں جانا، کہ اس برتن میں کیا رکھا جائے گا، اور چیز آپ نے لے لی تو کیا ہوگا؟ اس لیے دونوں کو جاننا ضروری ہے، کہ فلاں چیز فلاں برتن میں رکھی جائے گی، مثلاً علم ہی ہے، علم جو ہے اس کی مثال دودھ سے دی گئی ہے، تو دودھ ہر برتن قبول نہیں کرتا، تو اس لیے اس میں اگر آپ نے جو بالکل جائز ہے، دال والے برتن میں دودھ لے لیا، دودھ پھٹ جائے گا، دودھ کے لیے بہت اچھا برتن ہونا

چاہیے صاف ستھرا، برتن ہونا چاہیے تب اسی میں دودھ ڈالا جاتا ہے، تو پھر وہ دودھ رہتا ہے، پھر اس کو پکایئے، تو آپ دودھ سے جو چاہیں بنایئے، پکانا سب کو پڑتا ہے، دودھ کو پکایا جاتا ہے، تب وہ دودھ پیا جاتا ہے، ہر دودھ نہیں پیا جاتا فوراً، ورنہ ہضم اس کو بھی نہیں کر پائیں گے سب، اور اس کے بعد دودھ سے جتنی چیزیں بنتی ہیں، بناتے چلے جایئے، مگر پہلے برتن صاف کرنا پڑے گا، خوب اچھی طرح مانجھ لیجئے، اور پھر اس کے اندر دودھ ڈالئے، تو وہ دودھ کام آئے گا، ہوتا یہ ہے کہ ہر برتن میں دودھ ڈال دیا جاتا ہے، ظاہر ہے دودھ پھٹ جاتا ہے، اسی طرح کہنے کو سب یہ کہہ رہے ہیں، یہ طالبہ ہے فلاں مدرسہ کی، لیکن اس طالبہ نے برتن کو مانجھا نہیں، اور دودھ لے لیا، تو کیا نتیجہ ہوگا؟ اسی لیے قرآن کی آیات میں تزکیہ پہلے لایا گیا ہے، تزکیہ معنی: صاف کرلو پہلے، برتن کو مانجھ لیا جائے، تو وہ دودھ باقی رہتا ہے، اور کام آتا ہے۔

علم برگ وبار کب لاتا ہے؟

تو میری بہنوں اور عزیز طالبات!

ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھیں، کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے وابستہ کیا ہے، تو بڑی قیمتی چیز ہے، لیکن قیمتی چیز کے رکھنے کی جگہ صحیح ہونا چاہیے یہ نہیں کہ آپ نے بے جگہ رکھ دیا، تو وہ ظلم ہو جائے گا، ظلم کہتے ہیں، وضـــع الشئی فی غیر محلہ ، یعنی جہاں جو چیز رکھنا چاہیے تھی وہاں نہیں رکھا، تب اس کا نتیجہ غلط ہوگا، عورتیں اس کو خوب جانتی ہیں، جیسے کھانے پینے کی جو چیزیں ہوتی ہیں، عورتیں سمجھتی ہیں کہ کہاں رکھی جائیں، اور کتنے دنوں باقی رہے گی وہ چیز، تو اسی لیے علم کو بھی اچھی طرح سمجھنا چاہیے، کہ پہلے اپنے کو مانجھیں، اور اپنے کو ٹھیک کریں، اور اس کے بعد علم حاصل کریں، تو یہ ہے کہ اگر شروع ہی سے معاملہ صحیح رکھا جائے، تو پھر یہ علم باعث خیر وبرکت ہوتا ہے، اور بہت ہی برگ وبار لاتا ہے، کیونکہ علم کے مقام کو کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا، علم اول بھی ہے، آخر بھی ہے، جیسے بہت لوگ آسانی سے کہہ دیتے ہیں، کہ علم

ذریعہ ہے، اتنے اعلیٰ درجہ کی چیز ذریعہ نہیں ہوتی، ایک درجہ علم کا ذریعہ ہے، اور ایک درجہ علم کا نتیجہ ہے، اور عمل کرنے کے بعد بھی علم ہے، اور یوں کہہ لیجئے پہلے دوائی کھائی جاتی ہے، اور جب زبان اور منہ ٹھیک ہو جاتا ہے، تو پھر اعلیٰ درجہ کا کھانا کھایا جاتا ہے، کیونکہ پہلے ہی کھانا کھالیں گے اور آپ بیمار ہیں، تو اعلیٰ درجہ کا جو کھانا ہے بہت مرغن جو غذائیں ہیں، اعلیٰ درجہ کی وہ آپ کے پیٹ کو اور خراب کر دیں گی، اس لیے پہلے اپنے کو ٹھیک کر لیجئے، تو وہ علم کا حصہ آپ کو ٹھیک کرتا ہے، جب آپ ٹھیک ہو جاتے ہیں، اور اس پر آپ، عبادات کرتے ہیں، اعتکاف کرتے ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر غذائیں کھلاتا ہے، جس کو معرفت کہتے ہیں، معرفت نتیجہ ہے اور علم ابتدائی جو ہے، وہ ذریعہ ہے، جیسے پہلے آدمی جانتا ہے پھر اس پر عمل کرتا ہے، تو ایک درجہ علم کا ذریعہ ہے، سبب ہے، لیکن دوسرا درجہ نتیجہ ہے، اور حل ہے، جو ان لوگوں کو ملتا ہے، جو صحیح ترتیب سے چلتے ہیں، یعنی ان کو پہلے معلومات ہوتیں ہیں پھر اس پر وہ عمل کرتے ہیں، تو عمل کیا تو پھل ملا۔

علم کی اہمیت کو سمجھیں

لیکن لوگوں نے بس علم کو ایسے ہی بیان کرنا شروع کر دیا کہ علم صرف ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے، بہت کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی بھی توفیق دے، علم میں اضافہ فرمائے، آپ دیکھ لیجئے، قرآن شریف میں "رب زدنی علما" آیا ہے، "رب زدنی عبادۃ" ہم نے کہیں نہیں دیکھا، کسی بھی عبادت کے بارے میں ہم نے نہیں دیکھا ہے، کسی روایت میں یا آیت میں یہ کہا گیا ہو اللہ مزید عبادت کی توفیق دے، کہیں اب تک ہم کو ملا نہیں، لیکن علم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اللہ اس میں اضافہ فرما، تو معلوم ہوا کہ علم کتنے اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ علم میں اضافہ فرما، اور اسی لیے علم کو دودھ سے جوڑا گیا ہے، حدیث میں آتا ہے، ساری جو چیزیں آپ کھائیں اور پئیں، اس کی دعائیں الگ ہیں، لیکن جب دودھ پئیں، تو اللھم بارك لنا فيه وزدنا منه ، (السنن الکبری للنسائی) اے اللہ دودھ میں اضافہ فرما، کیونکہ علم کی تعبیر

دودھ سے دی گئی ہے، ایک حدیث میں آتا ہے حضرت عمر نے دودھ کا پیالہ پیا، آپ نے پیا، حضرت عمر کو دیا اور بچ گیا، تو آپ سے تعبیر پوچھی گئی، فرمایا دودھ جو ہے وہ علم ہے، تو اسی لیے دود کی بھی دعا الگ ہے، دعا کی جاتی ہے، جب دودھ پیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ مزید عطا فرمائے، یہ نہیں کہتے اچھا دے، اور جتنی چیزیں ہیں، ان سب میں ہے اللھم اطعمنی خیرا منه، یعنی جو کچھ کھایا اچھے سے اچھا پلاؤ کھائیں، اچھی سے اچھی بریانی کھائیں، اچھے سے اچھا پھل کھائیں، لیکن کہیں گے یہی، کہ اللہ تو نے کھلایا ہے اس پر تیری حمد ہے، اس سے بھی اچھا کھلا دے، لیکن جب دودھ پئیں گے، تو کہیں گے اے اللہ تیری حمد ہے، لیکن اس پر یہ ہے کہ مزید دودھ عطا فرما، اس لیے کہ دودھ بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، اور آج تک دودھ کا بدل کوئی چیز ہو نہیں سکی، آپ یوں ہی دیکھ لیجئے، کہ کوئی بچہ بغیر دودھ کے زندہ نہیں رہ سکتا، اور جب بیمار ہوتا ہے، تو کہتے ہیں دودھ پیو، کہتے ہیں دودھ لاؤ، ایسے ہی علم ہے کہ بغیر کوئی روح کے زندہ نہیں رہ سکتا، دودھ کے بغیر کوئی جسم زندہ نہیں رہ سکتا، اور علم کے بغیر کوئی روح زندہ نہیں رہ سکتی، اسی لیے طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم (سنن ابن ماجة فی باب فضل العلم والحث علی طلب العلم) فرمادیا، کہ ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

روح کے لیے علم اور جسم کے لیے دودھ

اسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو روح اور جسم دونوں کو لے کر آیا جاتا ہے، تو جسم کو بعد میں رکھا جاتا ہے، پہلے روح کا خیال رکھا جاتا ہے، یعنی اذان دی جاتی ہے، کان میں اذان دے دی، اس کی روح کی پیاس بجھ گئی، اب اس کو دودھ دیا جائے گا، یہ ترتیب ہے، لیکن ہم لوگ یہ کرتے ہیں، کہ اگر دودھ کسی نے پلا بھی دیا علم کا پیالہ اور کان میں اذان دے بھی دی، تو بعد میں ایسا کرتے ہیں کہ بھول جاتے ہیں، جسم کی فکر ہوتی ہے، روز اسپتال جا رہے ہیں، اور ڈاکٹر کو دکھا رہے ہیں، بچہ کو کھلانے اور پلانے اس کی صحت جسمانی کے خیال میں بہت آگے بڑھ جاتے ہیں،

لیکن روح کے تعلق سے کوئی عمل نہیں کرتے ،تو جس طرح دودھ ضروری ہے جسم کے لیے ویسے ہی علم بھی ضروری ہے روح کے لیے، دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، تو اس لیے ضرورت اس بات کی ہے، کہ ہم روح کا خیال رکھیں، اور اللہ تعالیٰ نے جسم اور روح دونوں کے خیال رکھنے کا حکم فرمایا ہے، اور دونوں کا راستہ بھی بتایا ہے، طریقہ بھی بتایا ہے، اور اس سلسلہ کے احکامات بھی تفصیل سے بتائیں ہیں، اور ایسے اشارے کردئیں ہیں، کہ امت کا کوئی فرد بھی پریشانی میں نہ جسمانی اعتبار سے مبتلا ہو نہ روحانی اعتبار سے مبتلا ہو، اگر ان دونوں چیزوں کا بچپن سے خیال دیا جائے ،تو بچپن تک بوڑھا نہیں ہوگا، یعنی نہ جسم بوڑھا ہوگا اور نہ روح بوڑھی ہوگی ،اور اگر اس کی توانائی کا خیال رکھا جائے ،رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے کلام اور قرآن پاک کی آیات کی روشنی میں تو کیا کہنے نور علیٰ نور، اور اس کو کسی بھی قسم کی کبھی بھی بعد میں پریشانی لاحق ہونے والی نہیں ہے، لیکن اس کو سمجھنا پڑے گا۔

ادارے Brain Washing کے لیے ہیں

یہ ادارے بھی اسی لیے ہوتے ہیں تا کہ ان تمام باتوں کو سمجھیں لیکن ہم لوگ بھی کتابوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں، اور پڑھنے پڑھانے میں بعض دفعہ انہماک ایسا ہوتا ہے کہ سب پوشیدہ ہو جاتا ہے، بہر حال ہماری برین واشنگ ہونی چاہیے اور صحیح ہونی چاہیے، دراصل قرآن وحدیث کے مطابق وہ نہیں ہو پاتی، اسی وجہ سے اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آرہے ہیں تو ہماری معلمات کو خاص طور سے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے اور اس کے لئے وہ جو محنت کرسکتی ہیں، وہ کرنا چاہیے، اس کے انشاء اللہ نتائج بہت ہی اچھے اور نتیجہ خیز ہوں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.